بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ

اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے (سورۃ النحل ۱۲۵)

اصلاحی مضامین

(قرآن وسنت کی روشنی میں چند اصلاحی ومعلوماتی مضامین کا مجموعہ جو انٹرنیٹ کے مختلف گروپ پر وقتاً فوقتاً Circulate کئے گئے)۔

محمد نجیب قاسمی (سنبھلی)

Muhammad Najeeb Qasmi, Riyadh

najeebqasmi@yahoo.com
najeebsambhali@yahoo.com

Permanent Address:
Deepa Sarai, Sambhal, Moradabad, UP, India

اکثر مضامین www.deeneislam.com پر بھی پڑھے جاسکتے ہیں۔

فہرست

نمبر شمار		عنوان	صفحہ
۱		پیش لفظ	۵
۲		تقریظ (حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب۔مہتمم دارالعلوم دیوبند)	۶
۳	تفسیر قرآن کریم	سورۂ الم نشرح کی مختصر تفسیر	۷
۴		سورۂ العصر کی مختصر تفسیر	۹
۵	حدیث	حدیث کی حجیت	۱۱
۶	سیرت نبوی ﷺ	مختصر سیرت نبوی ﷺ	۲۱
۷		نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات	۲۳
۸		نبی اکرم ﷺ کی اولاد	۲۹
۹		درود شریف کی اہمیت اور فضائل	۳۳
۱۰	نماز	اذان، وضو اور مسواک کے فضائل کا مختصر بیان	۳۵
۱۱		نماز کی اہمیت	۳۷
۱۲		نماز کے اوقات	۴۲
۱۳		فرض نماز جماعت کے ساتھ	۴۴
۱۴		قرآن وحدیث میں فجر اور عصر نمازوں کی خصوصی تاکید	۴۷
۱۵		حضور اکرم ﷺ کا نماز کے ساتھ شغف اور تعلق	۴۹
۱۶		بے نمازی اور نماز میں سستی کرنے والا کا شرعی حکم	۵۲
۱۷		نمازی کے سامنے سے گزرنے کی سزا	۵۴
۱۸		جمعہ کے فضائل، اہمیت، مسائل اور احکامات	۵۶
۱۹		نمازِ حاجت (صلاۃ الحاجۃ)	۶۴
۲۰		نمازِ جنازہ	۶۵
۲۱	رمضان اور روزہ	روزہ کیا ہے؟	۶۸
۲۲		تحفۂ رمضان	۷۰
۲۳		ماہِ رمضان قرآن کریم کی روشنی میں	۷۸
۲۴		۲۰ رکعت تراویح	۸۳

۲۵	زکوٰۃ وصدقات	زکوٰۃ کے مسائل	۹۴
۲۶		صدقۂ فطر اور عیدالفطر کے مسائل	۹۷
۲۷		قرض حسن اور انفاق فی سبیل اللہ کا بدلہ	۹۹
۲۸		قرض لینے اور دینے کے مسائل	۱۱۰
۲۹	حج/عمرہ	عمرہ کا طریقہ (Urdu and English)	۱۱۳
۳۰		حج کا مختصر وآسان طریقہ	۱۱۷
۳۱		دوسرے کی طرف سے حج/عمرہ کی ادائیگی	۱۱۸
۳۲		حج/عمرہ میں حلق یا قصر	۱۲۰
۳۳		ریاض سے جدہ جاتے ہوئے حج/عمرہ کی ادائیگی	۱۲۱
۳۴		حج/عمرہ سے روک دیا جانا	۱۲۵
۳۵		حج/عمرہ سے متعلق چند سوالات کے جوابات	۱۲۶
۳۶		احرام کی دو رکعت اور حجر اسود کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اس کو بوسہ لینا	۱۲۷
۳۷	چند بابرکت مہینے	ماہِ رجب	۱۲۸
۳۸		ماہِ شعبان اور شب برأت	۱۳۱
۳۹		ماہِ ذی الحجہ کا پہلا عشرہ	۱۳۷
۴۰		ماہِ محرم الحرام اور عاشورہ کا روزہ	۱۳۹
۴۱	فیملی سے متعلق مسائل	خواتین کے خصوصی مسائل	۱۴۲
۴۲		اسلام اور ضبط ولادت Birth Control in Islam	۱۴۵
۴۳		بچے کی پیدائش کے وقت کان میں اذان اور اقامت	۱۵۲
۴۴		عقیقہ کے مسائل	۱۵۳
۴۵		بچی اللہ کی رحمت	۱۵۶
۴۶		والدین کی فرمانبرداری	۱۵۹
۴۷		والدین کے حقوق	۱۶۱
۴۸		مُحرم کا بیان	۱۶۲
۴۹	تاریخ	انبیاء ورسل	۱۶۴
۵۰		حضرت ابراہیم علیہ السلام	۱۶۶

۵۱		خلفاءِ راشدین کی زندگی کے مختصر احوال	۱۶۸
۵۲		فاتح سندھ: محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ	۱۷۱
۵۳		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا ؒ	۱۷۲
۵۴		الشیخ شاہ محمد اسماعیل شہید ؒ اور ان کی کتاب تقویۃ الایمان	۱۷۹
۵۵		دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن ؒ	۱۸۱
۵۶		مجاہد آزادی و شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سنبھلی ؒ	۱۸۲
۵۷	جدید مسائل	Riba, Mutul Funds and Life Insurance	۱۸۳
۵۸		قسطوں پر گاڑی یا مکان خریدنا	۱۸۶
۵۹	مختلف فیہ مسائل	تین طلاق کا مسئلہ	۱۸۸
۶۰		فاتحہ خلف الامام	۱۹۸
۶۱		فجر کی دو رکعت سنت	۲۰۰
۶۲		قرآن کریم پڑھنے کا ثواب میت کو پہنچنے کا حکم (ایصال ثواب)	۲۰۴
۶۳	متفرقات	امتحانات اور وہم	۲۱۰
۶۴		کبیرہ گناہوں سے اجتناب	۲۱۲
۶۵		حقوق العباد (بندوں کے حقوق)	۲۱۴
۶۶		قسم کھانے کا بیان (حلف باللہ)	۲۱۵
۶۷		نذر یعنی منت ماننے کے مسائل	۲۱۶
۶۸		رزق کی کنجیاں	۲۱۸
۶۹		غلط معلومات کو انٹرنیٹ کے ذریعہ رواج دینا (Forwarding Emails)	۲۲۰
۷۰	تعارف	مصنف کا تعارف	۲۲۲

كل عام وأنتم بخير

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْن۔

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ اس نے سعودی عرب میں قیام کے دوران ذاتی مصروفیات کے باوجود روزمرہ کی زندگی کے مسائل سے متعلق مختلف موضوعات پر مضامین لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر کردہ یہ مضامین انٹرنیٹ کے مختلف گروپ پر Circulate کئے گئے ہیں، اکثر مضامین فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی زیرسرپرستی چلنے والی ویب سائٹ www.deeneislam.com پر Upload ہیں، ان مضامین کو کتاب کی شکل میں لانے کی متعدد مرتبہ کاوش ہوئی مگر ظروف کی وجہ سے خواہش کی تکمیل نہ ہوسکی۔

موجودہ زمانہ میں تعلیم وتعلم کے لئے انٹرنیٹ کا بھی استعمال کیا جارہا ہے، یہ بھی اللہ کی ایک نعمت ہے بشرطیکہ اس کا صحیح استعمال کیا جائے۔ چنانچہ امسال رمضان کی بابرکت گھڑیوں میں ان مضامین کو جمع کرکے ایک Electronic Book تیار کرنے کی خصوصی کوشش کی جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق سے پایۂ تکمیل تک پہونچی، جو www.deeneislam.com پر پڑھی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس Electronic Book کو اپنے دین اسلام کی خدمت کے لئے قبول فرمائے اور دنیا وآخرت میں اجرعظیم عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔ نیز اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کا شائع ہونا بھی آسان بنائے تاکہ استفادہ عام ہوسکے۔

اپنے ان اساتذۂ کرام کے لئے بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دونوں جہاں کی کامیابی وکامرانی عطا فرمائے، جنہوں نے دارالعلوم دیوبند کے میرے چھ سالہ طالب علمی کی زمانے میں بہت خلوص کے ساتھ پڑھا کر مجھے اس قابل بنایا۔

اس موقع پر والد محترم جناب ڈاکٹر محمد شعیب صاحب اور والدہ محترمہ کے لئے بارگاہِ الٰہی میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔ والدین کی بہترین تربیت بھی اس خدمت کی توفیق کا سبب بنی۔ والد محترم کا ۱۵ شعبان ۱۴۳۲ھ (۱۸ جولائی ۲۰۱۱) کو فجر بعد انتقال ہوا۔

آخر میں حضرت مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنی انتہائی مصروفیات کے باوجود چند ستائشی سطریں تحریر فرمائیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

طالب دعاء:

محمد نجیب قاسمی سنبھلی (ریاض)

۳ رمضان ۱۴۳۲ھ

Ph.: (01336) 222429 Fax: 222768 بسم اللہ الرحمن الرحیم E-mail: mohtamim@darululoom-deoband.com

دار العلوم دیوبند

Darul-Uloom, Deoband. U. P. India

التاریخ.................... حوالہ....................

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

نحمد اللہ العلی العظیم، ونصلی ونسلم علی رسولہ النبی الامین، سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، امابعد!

یہ جان کر بہت مسرت ہوئی کہ مولانا محمد نجیب قاسمی سنبھلی جو ایک علمی خاندان کے چشم وچراغ ہیں اور خود بھی ستھرا علمی ذوق رکھتے ہیں، فی الحال ریاض (سعودیہ عربیہ) میں مقیم ہیں اور وقتاً فوقتاً مختلف دینی موضوعات پر علمی واصلاحی مضامین انٹرنیٹ کے ذریعہ شائع کرتے رہتے ہیں۔ اب موصوف نے ان مضامین میں سے اہم اجزاء کا انتخاب الیکٹرانک بک کی شکل میں مرتب فرمایا ہے۔ میں نے مضامین کی فہرست دیکھی جنھیں مفید پایا۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائے۔ اور امت کے جوانوں اور دینی ذوق رکھنے والوں کو ان کی تحریروں سے بھرپور استفادہ کی توفیق بخشے۔

والسلام

ابوالقاسم نعمانی غفرلہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

یکم رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ

تقریظ

باسم سبحانہ تعالیٰ

نحمداللہ العلی العظیم ، ونصلی ونسلم علی رسولہ النبی الامین ، سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ، امابعد !

یہ جان کر بہت مسرت ہوئی کہ مولانا محمد نجیب قاسمی سنبھلی جوایک علمی خاندان کے چشم وچراغ ہیں اور خود بھی ستھرا علمی ذوق رکھتے ہیں، فی الحال ریاض (سعودی عربیہ) میں مقیم ہیں اور وقتاً فوقتاً مختلف دینی موضوعات پر علمی واصلاحی مضامین انٹرنیٹ کے ذریعے شائع کرتے رہتے ہیں۔ اب موصوف نے ان مضامین میں سے اہم اجزاء کا انتخاب الیکٹرانک بک کی شکل میں مرتب فرمایا ہے۔ میں نے مضامین کی فہرست دیکھی جنہیں مفید پایا۔ دعا کرتا ہوں کے اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کوقبول فرمائے، اورامت کے جوانوں اوردینی ذوق رکھنے والوں کوان کی تحریروں سے بھرپوراستفادہ کی توفیق بخشے۔ والسلام،،،

ابوالقاسم نعمانی غفرلہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

یکم رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلیٰ آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْن۔

سورۂ الم نشرح کی مختصر تفسیر

(اس سورہ میں نبی اکرم ﷺ کے چند اوصاف حمیدہ ذکر کئے گئے ہیں)

ترجمہ: (اے نبی) کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا؟۔ (یقیناً ہم نے تیرا سینہ کھول دیا) اور تجھ پر سے تیرا بوجھ ہم نے اتار دیا، جس نے تیری پیٹھ بوجھل کردی تھی۔ اور ہم نے تیرا ذکر بلند کردیا۔ پس یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ پس جب تو فارغ ہو' عبادت میں محنت کر۔ اور اپنے پروردگار ہی کی طرف دل لگا۔

یہ مکی سورت ہے اسمیں ۸ آیات ہیں۔ ابتدائی چار آیات میں نبی اکرم ﷺ کے تین اوصاف حمیدہ بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ ہم نے تیرے سینے کو کھول دیا۔ یعنی ہم نے تیرے سینے کو منور کردیا، اسمیں علوم ومعارف کے سمندر اتار دئے۔ اور لوازم نبوت اور فرائضِ رسالت برداشت کرنے کے لئے بڑا وسیع حوصلہ دیا۔ اس آیت سے شق صدر بھی مراد لیا گیا ہے، جو دومرتبہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ پیش آیا۔ ایک مرتبہ بچپن میں، دوسری مرتبہ معراج کی رات میں۔ شق صدر میں آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کرکے دل نکالا گیا، اسے آب زمزم سے دھوکر اپنی جگہ پر رکھ دیا گیا، اور اسے ایمان وحکمت سے بھر دیا گیا۔

۲۔ تجھ پر سے تیرا بوجھ ہم نے اتار دیا، جس نے تیری پیٹھ بوجھل کردی تھی۔ یعنی منصبِ رسالت کی ذمہ داریوں کو محسوس کرکے آپ ﷺ پر گرانی گزرتی ہوگی، وہ دور کردی گئی۔ یا وزر (بوجھ) سے وہ جائز امور مراد ہیں جو وقتاً فوقتاً آپ قرین حکمت وصواب سمجھ کر کرلیتے تھے، اور بعد میں ان کا خلافِ حکمت یا خلافِ اولی ہونا ظاہر ہوتا تھا، اور آپ ﷺ بوجہ علوشان اور غایت قرب کے اس سے ایسے ہی مغموم ہوتے تھے جس طرح کوئی گناہ سے مغموم ہوتا ہے، تو اس آیت میں مواخذہ نہ ہونے کی بشارت دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف فرمادئے تھے۔ نبوت سے قبل' ۴۰ سالہ زندگی میں بھی اللہ نے آپ کو گناہوں سے محفوظ رکھا تھا۔

۳۔ اور ہم نے تیرا ذکر بلند کردیا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں یعنی جہاں میرا (اللہ کا) ذکر کیا جائے گا وہاں تیرا (نبی کا) بھی ذکر کیا جائے گا، جیسے اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا ذکر بلند کیا، کوئی خطیب، کوئی واعظ، کوئی کلمہ گو، کوئی مؤذن، کوئی نمازی ایسا نہیں جو اللہ کی وحدانیت کے ساتھ آپ ﷺ کی رسالت کا کلمہ نہ پڑھتا ہو۔ غرض دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا ذکر بلند فرمایا۔

پانچویں اور چھٹی آیت میں ایک اصول بیان کیا گیا کہ دشواری کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانی ملتی ہے۔

آخری دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سے فرمایا: اے نبی: جب تو فارغ ہو، تو اتنی عبادت کرکہ تو تھک جائے۔ یعنی نماز، تبلیغ، جہاد اور دعا وغیرہ میں اتنا مشغول ہو کہ تو تھک جائے۔ اور اپنے پروردگار ہی کی طرف دل لگا۔ محمد نجیب قاسمی، ریاض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِيْم وَعَلیٰ آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِيْن.

برادرِ مکرم جناب محمد کاظم علی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،،،

میں نے سورۂ الم نشرح کی مختصر تفسیر میں لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف فرمادئے ہیں ------ جس پر آپ کا یہ سوال ہے کہ کیا نبی اکرم ﷺ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے گناہ بھی کئے تھے۔ حالانکہ نبی اکرم ﷺ اور سارے انبیاء کرام معصوم ہیں۔

آپ کے سوال کا جواب' قرآن وحدیث کی روشنی میں عرض ہے۔ اللہ تعالیٰ صحیح بات لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

جواب: قرآن وحدیث کی روشنی میں ہمارا یہ ایمان ہے کہ سارے انبیاء، اور تمام نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ معصوم ہیں۔ لیکن معصوم ہونے کے یہ معنی ومفہوم نہیں ہیں کہ انبیاء کرام' کوئی اجتہادی غلطی یا خطا بھی نہیں کرسکتے، کیونکہ کبھی کبھی انبیاء کرام اور نبی اکرم ﷺ سے کچھ اجتہادی غلطیاں ہوئی ہیں، البتہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو اجتہادی غلطی پر قائم وباقی رہنے سے محفوظ رکھتا ہے، یعنی اگر کوئی اجتہادی غلطی ان سے ہوتی ہے تو فوراً ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم الٰہی لے کر حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لاتے ہیں تاکہ اس اجتہادی غلطی پر نبی قائم وباقی نہ رہ سکے۔ یہی معصوم ہونے کا اصل معنی ومفہوم ہے۔ اور جہاں تک گناہوں کا تعلق ہے، تو تمام انبیاء کرام' صغیرہ وکبیرہ تمام گناہوں سے بالکل پاک وصاف ہیں--- غرض اس طرح کی عبارت لکھنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے گناہ کئے اور ان گناہوں کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا، بلکہ جو بھی اجتہادی غلطی آپ ﷺ سے ہوئی، وہ بھی اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادی ہے۔

قرآن وحدیث کے دلائل:

(۱) سورۂ الفتح کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُبِيْناً. لِيَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَہُ عَلَيْکَ وَيَهْدِيَکَ صِرَاطاً مُّسْتَقِيْماً﴾ بیشک (اے نبی) ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی ہے۔ تاکہ جو کچھ تیرے گناہ آگے ہوئے اور جو پیچھے سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ اور تجھ پر اپنا احسان پورا کردے۔ اور تجھے سیدھی راہ پر چلائے--- اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آپ ﷺ نے گناہ کئے، اور وہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادئے، بلکہ مراد وہ امور ہیں جو آپ ﷺ نے اپنے فہم واجتہاد سے کئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ناپسند فرمایا، جیسے حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کا واقعہ جس پر سورہ عبس کا نزول ہوا، اس طرح کے امور اگرچہ گناہ اور منافی عصمت نہیں ہیں، لیکن آپ ﷺ کی شان ارفع کے پیش نظر انہیں بھی کوتاہیاں شمار کرلیا گیا، جس پر معافی کا اعلان فرمایا جارہا ہے۔

(۲) حضور اکرم ﷺ رات میں اتنی عبادت کیا کرتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آجاتا تھا۔ حضرت عائشہؓ نبی اکرم ﷺ سے فرماتیں کہ اے اللہ کے رسول! آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں ؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف فرمادئے ہیں۔ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟ (صحیح بخاری)۔ اس حدیث میں حضرت عائشہؓ نے نبی اکرم ﷺ کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف فرمادئے ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب۔ محمد نجیب قاسمی سنبھلی، ریاض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِين، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیمِ وَعَلیٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْن.

سورۂ العصر کی مختصر تفسیر

﴿وَالْعَصْرِ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔

اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔﴾

ترجمہ: قسم ہے زمانے کی کہ ہر انسان بڑے خسارے میں ہے، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے، اور انہوں نے اچھے کام کئے۔ اور آپس میں تاکید کرتے رہے سچے دین کی۔ اور آپس میں تاکید کرتے رہے صبر وتحمل کی۔

سورۂ العصر کی خاص فضیلت: یہ قرآن کریم کی بہت مختصر سی سورت ہے، جس میں صرف تین آیات ہیں، لیکن ایسی جامع ہے کہ بقول حضرت امام شافعیؒ کہ اگر لوگ اس سورت کو غور وفکر اور تدبر کے ساتھ پڑھ لیں تو دین ودنیا کی درستی کے لئے کافی ہوجائے۔ حضرت عبداللہ ابن حصینؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے دو شخص آپس میں ملتے تو اس وقت تک جدا نہ ہوتے جب تک ان میں سے ایک دوسرے کے سامنے سورۂ العصر نہ پڑھ لے۔ (طبرانی)

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے العصر کی قسم کھائی ہے، جس سے مراد زمانہ ہے، کیونکہ انسان کے تمام حالات، اسکی نشو ونما، اسکی حرکات وسکنات، اعمال اور اخلاق سب زمانے کے لیل ونہار میں ہی ہونگے۔

جہاں تک قسم کا تعلق ہے، اللہ تعالیٰ کے کلام میں قسم کے بغیر بھی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ بندوں پر رحم فرماکر، کسی حکم کی خصوصی تاکید اور اسکی اہمیت کی وجہ سے قسم کھا کر کوئی حکم بندوں کو کرتا ہے، تاکہ بندے اس حکم کی اہمیت کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوں، اور حکم بجالانے میں کوئی کوتاہی نہ کریں۔ البتہ یاد رکھیں کہ انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے، جیساکہ نبی اکرم ﷺ کی واضح تعلیمات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اس سورت میں خالقِ انسان: اللہ تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ ہر انسان بڑے خسارے اور نقصان میں ہے، اور اس خسارے سے صرف وہی لوگ بچ سکتے ہیں جن کے اندر یہ چار صفات موجود ہوں۔

۱۔ ایمان: اللہ اوراس کے رسول پرایمان لائیں، اوراسی طرح نبی اکرم ﷺ کی تمام تعلیمات پرایمان لائیں۔
۲۔ اعمال صالحہ (نیک اعمال): ہرعمل' اللہ کے حکم، اور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق کریں۔
۳۔ حق کی نصیحت کرنا: ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والے لوگ' ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کریں۔
۴۔ صبر کی تلقین کرنا: اوراسی طرح ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہیں۔

غرض دین ودنیا کے خسارے سے بچنے اور نفع عظیم حاصل کرنے کا یہ قرآنی نسخہ چار اجزاء سے مرکب ہے جن میں پہلے دو جزء (ایمان واعمال صالحہ) اپنی ذات کی اصلاح کے متعلق ہیں۔ اور دوسرے دو جزء دوسروں کی ہدایت واصلاح سے متعلق ہیں۔ یعنی ہم اپنی ذات سے بھی اللہ تعالی کے احکامات نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق بجالائیں، اور ساتھ میں یہ کوشش اور فکر کریں کہ میری اولاد، میرے رشتے دار اور میرے پڑوسی سب اللہ کی مرضی کے مطابق اس دنیاوی فانی زندگی کو گزارنے والے بنیں، تاکہ ہم سب بڑے خسارے سے بچ کر، ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی حاصل کرنے والے بن جائیں۔

اب ہر شخص اپنی زندگی کا جائزہ لے کہ اس کے اندر یہ چار اوصاف موجود ہیں یا نہیں۔ قرآن کریم کے اس واضح اعلان سے معلوم ہوا کہ اگر یہ چار اوصاف یا ان میں سے کوئی ایک وصف بھی ہمارے اندر موجود نہیں ہیں تو ہم دنیا وآخرت میں ناکامی اور بڑے خسارے کی طرف جارہے ہیں۔

لہذا ابھی وقت ہے، موت کب آجائے، کسی کو نہیں معلوم، ہم سب یہ عزم مصمم کریں کہ دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل کرنے اور بڑے خسارے سے بچنے کے لئے یہ چار اوصاف اپنی زندگی میں آج، بلکہ ابھی سے لانے کی مخلصانہ کوشش کریں گے۔ اللہ ہم سب کو زندگی کے باقی ایام ان چار اوصاف سے متصف ہوکر گزارنے والا بنائے۔آمین، ثم آمین۔

محمد نجیب قاسمی سنبھلی، ریاض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلام عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم وَعَلیٰ آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْن.

حجیتِ حدیث

حدیث کی تعریف:

اُس کلام کو حدیث کہا جاتا ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کے قول یا عمل یا کسی صحابی کے عمل پر آپ ﷺ کے سکوت، یا آپ ﷺ کی صفات میں سے کسی صفت کا ذکر کیا گیا ہو۔ حدیث کے دو اہم جزء ہوتے ہیں۔

(۱) سند: جن واسطوں سے نبی اکرم ﷺ کا قول یا عمل یا تقریر یا آپ ﷺ کی کوئی صفت امت تک پہونچی ہو۔

(۲) متن: وہ کلام جس میں نبی اکرم ﷺ کے قول یا عمل یا تقریر یا آپ ﷺ کی کوئی صفت ذکر کی گئی ہو۔

مثال کے طور پر:

عن فلان عن فلان عن عمر بن الخطاب ؓ عن رسول اللہ قال:	انما الاعمال بالنیات.....
فلاں شخص نے فلاں شخص سے اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم نے فرمایا:	اعمال کا دارومدار نیت پر ہے --------
یہ سند حدیث ہے۔	یہ نبی اکرم ﷺ کا قول ہے جو متن حدیث ہے۔

حجیت کے معنی:

حجیت کے معنی استدلال (کسی حکم کو ثابت کرنا) کرنے کے ہیں، یعنی قرآن کریم کی طرح احادیث مبارکہ سے بھی عقائد و احکام و فضائل اعمال ثابت ہوتے ہیں، البتہ اس کا درجہ قرآن کریم کے بعد ہے۔

حجیت حدیث قرآن کریم سے:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پاک کلام قرآن کریم میں متعدد مرتبہ حدیث رسول ﷺ کے قطعی دلیل ہونے کو بیان فرمایا ہے، جن میں سے چند آیات مندرجہ ذیل ہیں:

☆ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ (سورۃ النحل ۴۴)

یہ کتاب ہم نے آپ ﷺ کی طرف اتاری ہے کہ لوگوں کی جانب جو حکم نازل فرمایا گیا ہے، آپ ﷺ اسے کھول کھول کر بیان کردیں، شاید کہ وہ غوروفکر کریں۔

☆ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَھُمُ الَّذِیْ اخْتَلَفُوْا فِیْہِ (سورۃ النحل ۶۴)

یہ کتاب ہم نے آپ ﷺ پر اس لئے اتاری ہے کہ آپ ﷺ ان کے لئے ہر چیز کو واضح کردیں جس میں وہ اختلاف کررہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آیات میں واضح طور پر فرمادیا کہ قرآن کریم کے مفسر اول حضور اکرم ﷺ ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ آپ امت مسلمہ کے سامنے قرآن کریم کے احکام و مسائل کھول کھول کر بیان کریں۔

☆ وَمَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَانَهَاکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (سورۃ الحشر ۷)

تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ۔

☆ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ (سورۃ آل عمران ۱۳۲)

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

☆ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (سورۃ النساء ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔

☆ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَایُحِبُّ الْکَافِرِیْنَ (سورۃ آل عمران ۳۲)

اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ اگر یہ منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔

☆ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ...... (سورۃ النساء ۵۹)

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول اکرم ﷺ کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ اور اس کے رسول کی طرف۔

☆ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا، فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ (سورۃ المائدہ ۹۲)

تم اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور ڈرتے رہو۔ اگر منہ پھیرو گے تو یہ جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

☆ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ (سورۃ الانفال ۱)

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر تم ایمان والے ہو۔

☆ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ (سورۃ الانفال ۲۰)

اے ایمان والو! اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرو۔ اس کی فرمانبرداری سے روگردانی نہ کرو سنتے جانتے ہوئے۔

☆ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا (سورۃ الانفال ۴۶)

اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرو۔ آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبر کرو۔

☆ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، اُولٰٓئِکَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ (سورۃ التوبہ ۷۱)

(مومن مرد اور مومن عورتیں سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا کام کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں)، نماز قائم کرتے ہیں، زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی۔

☆ اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَهُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (سورۃ النور ۵۱)

ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس لئے بلایا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ان میں فیصلہ کر دے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔

☆ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (سورۃ النور ۵۲)

جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے، اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی سے بچے، وہی لوگ کامیاب ہیں۔

☆ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ، فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ (سورۃ النور ۵۴)

اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمہ تو صرف وہی ہے جو اس پر لازم کیا گیا ہے اور تم پر اسکی جوابدہی ہے جو تم پر لازم کیا گیا ہے۔

☆ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (سورۃ النور ۵۶)

نماز کی پابندی کرو، زکاۃ کی ادائیگی کرو، اور رسول کی اطاعت کرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

☆ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ (سورۃ محمد ۳۳)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔

☆ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (سورۃ المجادلہ ۱۳)

تو اب نمازوں کو قائم رکھو، زکاۃ دیتے رہو اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے رہو۔

☆ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ، فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ (سورۃ التغابن ۱۲)

اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ پس اگر تم اعراض کرو تو ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

ان تمام آیات میں اتباع رسول کا حکم دیا گیا ہے۔ کہیں فرمایا: ﴿اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول﴾، کہیں فرمایا: ﴿اطیعوا اللہ ورسولہ﴾، کسی جگہ ارشاد ہے: ﴿اطیعوا اللہ والرسول﴾ اور کسی آیت میں ارشاد ہے: ﴿اطیعوا الرسول﴾۔ ان سب جگہوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں سے ایک ہی مطالبہ ہے کہ فرمانِ الٰہی کی تعمیل کرو اور ارشادِ نبوی ﷺ کی اطاعت کرو۔

☆ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا (سورۃ النساء ۸۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اطاعت الٰہی قرار دیتے ہوئے فرمایا: جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی، اس نے دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

☆ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (سورۃ آل عمران ۳۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اطاعتِ رسول کو حبِ الٰہی کا معیار قرار دیا یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت رسول اکرم ﷺ کی اطاعت میں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے نبی! لوگوں سے کہہ دیں کہ اگر تم حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔

☆ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِیْنَ فِیْهَا، وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ. وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهُ يُدْخِلْهُ نَاراً خَالِدًا فِيْهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (سورۃ النساء ۱۳۔۱۴)

جو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا اسے اللہ تعالٰی ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور جو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا، اور اسکی مقررہ حدوں سے آگے نکلے گا، اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، ایسوں ہی کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔

غرضیکہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہ کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

☆ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ، وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَاباً اَلِيْماً (سورۃ الفتح ۱۷)

جو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا اسے اللہ تعالٰی ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور جو منہ پھیرے گا، اسے وہ دردناک عذاب دے گا۔

ان دو آیات میں اللہ تعالٰی نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر ہمیشہ ہمیشہ کی جنت اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی پر ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب کا فیصلہ فرمایا۔

☆ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰئِکَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰئِکَ رَفِيْقًا (سورۃ النساء ۶۹)

جو لوگ اللہ تعالٰی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالٰی نے انعام نازل فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔ اس آیت میں اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کا حشر انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیک لوگوں کے ساتھ ہوگا۔

☆ وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَمْراً اَنْ يَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ. وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً مُّبِيْناً (سورۃ الاحزاب ۳۶)

کسی مومن مرد و مومنہ عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر اسے اس معاملہ میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اور جو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا، وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔

☆ فَلَا وَرَبِّکَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَکِّمُوْکَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً (سورۃ النساء ۶۵)

(اے میرے نبی ﷺ!) تیرے رب کی قسم! یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ ﷺ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو، اس پر اپنے دلوں میں تنگی بھی محسوس نہ کریں بلکہ سر تسلیم خم کر لیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں کی نافرمانی کو عدم ایمان کی نشانی اور آپ ﷺ کی اطاعت کو ایمان کی علامت قرار دیا۔

☆ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (سورۃ البقرہ ۱۲۹) اے ہمارے رب! ان میں انہیں میں سے رسول بھیج جو ان کے پاس تیری آیتیں پڑھے، انہیں کتاب وحکمت سکھائے۔ (کتاب سے مراد قرآن کریم اور حکمت سے مراد حدیث ہے)

☆ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ (سورۃ الانفال ۲۴)
اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو جبکہ رسول ﷺ تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔

☆ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (سورۃ الاحزاب ۲۱)
یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ موجود ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے۔ یعنی نبی اکرم ﷺ کی زندگی جو احادیث کے ذخیرہ کی شکل میں ہمارے پاس محفوظ ہے کل قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے بہترین نمونہ ہے کہ ہم اپنی زندگیاں اسی نمونہ کے مطابق گزاریں۔

☆ وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (سورۃ النساء ۱۱۵)
اس آیت میں اللہ تعالیٰ حکم رسول ﷺ اور سنت نبوی ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کو جہنم کی سزا سناتے ہوئے فرماتا ہے: جو شخص رسول ﷺ کا خلاف کرے اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور کے راستے پر چلے جبکہ ہدایت اس پر واضح ہو چکی ہے تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے، جو بدترین ٹھکانا ہے۔

غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں متعدد جگہوں پر یہ بات واضح طور پر بیان کر دی کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول ﷺ کی اطاعت بھی ضروری ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رسول کی اطاعت کا حکم دیا اور رسول کی اطاعت جن واسطوں سے ہم تک پہونچی ہے یعنی احادیث کا ذخیرہ، ان پر اگر ہم شک وشبہ کرنے لگیں تو گویا یا تو ہم قرآن کریم کی ان مذکورہ تمام آیات کے منکر ہیں یا زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی چیز کا حکم دیا ہے یعنی اطاعت رسول، جو ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔

حجیت حدیث نبی اکرم ﷺ کے اقوال سے:

سارے انبیاء کے سردار وآخری نبی حضور اکرم ﷺ نے بھی قرآن کریم کے ساتھ سنت رسول ﷺ کی اتباع کو ضروری قرار دیا ہے، حدیث کی تقریباً ہر کتاب میں نبی اکرم ﷺ کے ارشادات تواتر کے ساتھ موجود ہیں، ان میں سے صرف تین احادیث پیش خدمت ہیں:

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ (بخاری ومسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو اس سے باز آجاؤ اور جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو حسب استطاعت اس کی تعمیل کرو۔ (بخاری ومسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کے تمام افراد جنت میں جائیں گے، سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے انکار کیا۔ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! دخول جنت سے کون انکار کرسکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگیا، اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے (دخول جنت سے) انکار کیا۔ (بخاری ومسلم)

حجیت حدیث اجماع سے:

نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں اور انتقال کے بعد صحابۂ کرام کے عمل سے امت مسلمہ نے سنت رسول ﷺ کے حجت ہونے پر اجماع کیا ہے، کیونکہ صحابۂ کرام کسی بھی مسئلہ کا حل پہلے قرآن کریم میں تلاش کیا کرتے تھے، پھر نبی اکرم ﷺ کی سنت میں۔ اسی وجہ سے جمہور علماء کرام نے وحی کی دو قسمیں کی ہیں، جیسا کہ سورۃ النجم کی ابتدائی آیات ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے) سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے:

(۱) وحی متلو: وہ وحی جس کی تلاوت کی جاتی ہے، یعنی قرآن کریم، جس کا ایک ایک حرف کلام الٰہی ہے۔

(۲) وحی غیر متلو: وہ وحی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی ہے، یعنی سنت رسول ﷺ، جس کے الفاظ نبی اکرم ﷺ کے ہیں، البتہ بات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

بعض حضرات قرآن کریم کی چند آیات مثلاً ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ سورۃ النحل ۸۹﴾ اور ﴿تَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ سورۃ الانعام ۱۵۴﴾ سے غلط مفہوم لے کر یہ بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہر مسئلہ کا حل ہے اور قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے حدیث کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ حدیث رسول ﷺ بھی قرآن کریم کی طرح شریعت اسلامیہ میں قطعی دلیل اور حجت ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں متعدد مقامات پر مکمل وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے، یعنی نبی اکرم ﷺ کے اقوال وارشاد سے بھی احکام شرعیہ ثابت ہوتے ہیں۔

قرآن کریم میں عموماً احکام کی تفصیل مذکور نہیں ہے، نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنے اقوال واعمال سے ان مجمل احکام کی تفصیل بیان کی ہے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نبی ورسل کو بھیجتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام اپنے اقوال واعمال سے امتیوں کے لئے بیان کریں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بے شمار مقامات پر نماز پڑھنے، رکوع کرنے اور سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے، لیکن نماز کی تفصیل قرآن کریم میں مذکور نہیں ہے کہ ایک دن میں کتنی نمازیں ادا کرنی ہیں؟ قیام یا رکوع یا سجدہ کیسے کیا جائے گا اور کب کیا جائے گا؟ اور اس میں کیا پڑھا جائے گا؟ ایک وقت میں کتنی رکعت ادا کرنی ہیں؟

اسی طرح قرآن کریم میں زکاۃ کی ادائیگی کا تو حکم ہے لیکن تفصیلات مذکور نہیں ہیں کہ زکاۃ کی ادائیگی روزانہ کرنی ہے یا سال بھر میں یا پانچ سال میں یا زندگی میں ایک مرتبہ؟ پھر یہ زکاۃ کس حساب سے دی جائے گی؟ کس مال پر زکاۃ واجب ہے اور اس کے لئے کیا کیا شرائط ہیں؟
غرضیکہ اگر حدیث کی حجیت پر شک کریں تو قرآن کریم کی وہ سینکڑوں آیات جن میں نماز پڑھنے، رکوع کرنے یا سجدہ کرنے کا حکم ہے یا زکاۃ کی ادائیگی کا حکم ہے، وہ سب نعوذ باللہ بے معنی ہو جائیں گی۔

اسی طرح قرآن کریم (سورۃ المائدہ ۳۸) میں حکم ہے کہ چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھوں کو کاٹ دیا جائے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ دونوں ہاتھ کاٹیں یا ایک ہاتھ؟ اور اگر ایک ہاتھ کاٹیں تو داہنا کاٹیں یا بایاں؟ پھر اسے کاٹیں تو کہاں سے؟ بغل سے؟ یا کہنی سے؟ یا کلائی سے؟ یا ان کے بیچ میں کسی جگہ سے؟ پھر کتنے مال کی قیمت کی چوری پر ہاتھ کاٹیں؟ اس مسئلہ کی مکمل وضاحت حدیث میں ہی ملتی ہے، معلوم ہوا کہ قرآن کریم کو حدیث کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔

اسی طرح قرآن کریم (سورۃ الجمعہ) میں یہ ارشاد ہے کہ جب جمعہ کی نماز کے لئے پکارا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔ سوال یہ ہے کہ جمعہ کا دن کونسا ہے؟ یہ اذان کب دی جائے؟ اس کے الفاظ کیا ہوں؟ جمعہ کی نماز کب ادا کی جائے؟ اس کو کیسے پڑھیں؟ خرید وفروخت کی کیا کیا شرائط ہیں؟ اس مسئلہ کی مکمل وضاحت احادیث میں ہی مذکور ہے۔

بعض حضرات سند حدیث کی بنیاد پر ہوئی احادیث کی اقسام یا راویوں کو ثقہ قرار دینے میں محدثین وفقہاء کے اختلاف کی وجہ سے حدیث رسول ﷺ کو ہی شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم قیامت تک آنے والے تمام عرب وعجم کی رہنمائی کے لئے نبی اکرم ﷺ پر نازل فرمایا ہے اور قیامت تک اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ اور اسی قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہوں (مثلاً سورۃ النحل ۴۴، ۶۴) پر ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی! یہ کتاب ہم نے آپ پر نازل فرمائی ہے تاکہ آپ ﷺ اس کلام کو کھول کھول کر لوگوں کے لئے بیان کردیں۔ تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے الفاظ کی حفاظت کی ہے، اس کے معانی

ومفاہیم جو نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمائے ہیں وہ بھی کل قیامت تک محفوظ رہیں گے، ان شاء اللہ۔ قرآن کریم کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے معنی ومفہوم کی حفاظت بھی مطلوب ہے ورنہ نزول قرآن کا مقصد ہی فوت ہوجائے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ احادیث کے ذخیرہ میں بعض باتیں غلط طریقہ سے نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کردی گئی ہیں۔ لیکن محدثین وعلماء کی بے لوث قربانیوں سے تقریباً تمام ایسے غلط اقوال کی تحدید ہوگئی ہے جو حدیث کے کامل ذخیرہ کا ادنی سا حصہ ہے۔ جہاں تک راویوں کے سلسلہ میں محدثین وعلماء کے اختلافات کا تعلق ہے تو اس اختلاف کی بنیاد پر حدیث کی حجیت پر شک نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اختلاف کا اصل مقصد خلوص کے ساتھ احادیث کے ذخیرہ میں موضوعات کو الگ کرنا اور احکام شرعیہ میں ان ہی احادیث کو قابل عمل بنانا ہے جس پر کسی طرح کا کوئی شک وشبہ نہ رہے۔ جہاں کوئی شک وشبہ ہوا تو ان احادیث کو احکام کے بجائے صرف اعمال کی فضیلت کی حد تک محدود رکھا جائے۔

مثلاً مریض کے علاج میں ڈاکٹروں کا اختلاف ہونے کی صورت میں ڈاکٹری پیشہ کو ہی رد نہیں کیا جاتا ہے۔ اسی طرح مکان کا نقشہ تیار کرنے میں انجینئروں کے اختلاف کی وجہ سے انجینئروں کے بجائے مزدوروں سے نقشہ نہیں بنوایا جاتا ہے۔ موجودہ طرقی یافتہ دور میں بھی تعلیم وتعلم کے لئے ایک ہی کورس کے مختلف طریقے رائج ہیں۔ ہر علاقہ میں زندگی گزارنے کے طریقے مختلف ہیں، غرضیکہ زندگی کے تقریباً ہر شعبہ میں اختلاف موجود ہے، ان اختلافات کے باوجود ہم زندگی کے ہی منکر نہیں بن جاتے ہیں تو احادیث کی تقسیم اور راویوں کو ثقہ قرار دینے میں اختلاف کی وجہ سے حدیث کا ہی انکار کیوں؟ بلکہ بسا اوقات یہ اختلافات امت کے لئے رحمت بنتے ہیں کہ زمانے کے خدوخال کے اعتبار سے مسئلہ کا فیصلہ کسی ایک رائے کے مطابق کردیا جاتا ہے۔ نیز ان اختلافات کی وجہ سے تحقیق کا دروازہ بھی کھلا رہتا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کریم میں تدبر وتفکر کرنے کا حکم دیا ہے، مگر یہ تدبر وتفکر مفسر اول حضور اکرم ﷺ کے اقوال وافعال کی روشنی میں ہی ہونا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے متعدد جگہوں پر ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی! یہ کتاب ہم نے آپ پر نازل فرمائی ہے تاکہ آپ ﷺ اس کلام کو کھول کھول کر لوگوں کے لئے بیان کردیں۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی اس ذمہ داری کو بخوبی انجام دیا۔ لیکن کچھ حضرات قرآن کریم کی تفسیر میں نبی اکرم ﷺ کے اقوال وارشادات کو ضعیف یا موضوع قرار دے کر اپنی رائے تھوپنا شروع کردیتے ہیں، جو کہ سراسر گمراہی ہے۔ یقیناً ہر شخص کو قرآن کریم سمجھ کر پڑھنا چاہئے، کیونکہ یہ کتاب ہماری ہدایت اور رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے نیز نبی اکرم ﷺ نے قرآن کریم کے احکام کھول کھول کر بیان فرمادئے ہیں، لیکن ہمارے لئے ضروری ہے کہ واقف حضرات کی سرپرستی میں قرآن وسنت کی روشنی میں قرآن کریم کو سمجھیں پھر اس کا درس دیں۔ یاد رکھیں کہ علماء حق کا موقف ہے کہ جس مسئلہ میں بھی نبی اکرم ﷺ کے اقوال یا اعمال سے رہنمائی مل سکتی ہے خواہ اس حدیث کی سند میں تھوڑا ضعف بھی ہو، ان مسائل میں اپنے اجتہاد وقیاس اور اپنے عقلی گھوڑے دوڑانے کے بجائے نبی اکرم ﷺ کے اقوال واعمال کے مطابق ہی عمل کیا جائے۔

حدیث کی قسمیں: سندِ حدیث (جن واسطوں سے نبی اکرم ﷺ کا قول یا عمل یا تقریر یا آپ ﷺ کی کوئی صفت امت تک پہونچی ہے) کے اعتبار سے حدیث کی مختلف قسمیں بیان کی گئی ہیں، جو اختصار کے ساتھ حسب ذیل ہیں:

متواتر: جس حدیث کی روایت کرنے والوں کی تعداد ہر زمانہ میں اتنی زیادہ ہو کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا ناممکن ہو۔

مشہور: جس حدیث کی روایت کرنے والوں کی تعداد ایک بڑی جماعت ہو۔

آحاد: جس حدیث کی روایت کرنے میں کسی ایک زمانہ میں صرف ایک ہی راوی ہو۔

مرفوع: جس کی سند حضور اکرم ﷺ تک پہونچتی ہو۔

موقوف: جس کی سند کسی صحابی تک پہونچتی ہو۔

مقطوع: جس کی سند کسی تابعی تک پہونچتی ہو۔

صحیح لذاتہ: وہ حدیث مرفوع جسکی سند میں ہر راوی علم وتقویٰ دونوں میں کمال کو پہونچا ہوا ہو، اور ہر راوی نے اپنے شیخ سے حدیث سنی ہو۔ نیز حدیث کے متن میں کسی دوسرے مضبوط راوی کی روایت سے کوئی تعارض بھی نہ ہو، اور کوئی دوسری علت (نقص) بھی نہ ہو ------- جمہور محدثین کا ان احادیث سے عقائد واحکام ثابت کرنے میں اتفاق ہے۔

صحیح لغیرہ: وہ حدیث مرفوع جسکی سند میں ہر راوی تقویٰ میں تو کمال کو پہونچا ہوا ہو، اور ہر راوی نے اپنے شیخ سے حدیث بھی سنی ہو، نیز متن حدیث میں کسی دوسرے مضبوط راوی کی روایت سے کوئی تعارض بھی نہ ہو، لیکن کوئی ایک راوی علم میں اعلیٰ پایہ کا نہ ہو، اور کوئی دوسری علت (نقص) بھی نہ ہو، البتہ یہ حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہو جس کے تمام راوی علم میں بھی اپنے کمال کو پہونچے ہوئے ہوں تو یہ حدیث صحیح لغیرہ کہلائی جائے گی ------- جمہور محدثین کا ان احادیث سے عقائد واحکام ثابت کرنے میں اتفاق ہے۔

حسن لذاتہ: وہ حدیث مرفوع جسکی سند میں ہر راوی تقویٰ میں تو کمال کو پہونچا ہوا ہو، اور ہر راوی نے اپنے شیخ سے حدیث بھی سنی ہو، نیز حدیث کے متن میں کسی دوسرے مضبوط راوی کی روایت سے کوئی تعارض بھی نہ ہو۔ لیکن کوئی ایک راوی علم میں اعلیٰ پایہ کا نہ ہو ---------- جمہور محدثین کا ان احادیث سے عقائد واحکام ثابت کرنے میں اتفاق ہے، البتہ اس کا درجہ صحیح سے کم ہے۔

حسن لغیرہ: حدیثِ حسن کی شرائط میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہو، البتہ یہ حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہو جس میں وہ شرط موجود ہے تو یہ حدیث حسن لغیرہ بن جاتی ہے۔ ان احادیث سے عقائد یا احکام ثابت کرنے میں محدثین کی رائے مختلف ہیں۔

ضعیف: حدیثِ حسن کی شرائط میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہو۔ جمہور محدثین کا اتفاق ہے کہ ضعیف حدیث سے عقائد یا احکام ثابت نہیں ہوتے، البتہ قرآن یا احادیث صحیحہ سے ثابت شدہ اعمال کی فضیلت کیلئے ضعیف حدیث قبول کی جاتی ہے۔

حدیث قدسی: اُس حدیث کو حدیث قدسی کہاجاتا ہے جس میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے پیغام کو اللہ تعالیٰ ہی کے الفاظ میں ذکر کیا جائے تو وہ حدیث حدیث قدسی کہلائی جاتی ہے۔ جبکہ حدیث نبوی میں نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو اپنے الفاظ کے ذریعہ بیان فرماتے ہیں۔

احادیث قدسیہ کی تعداد: احادیث قدسیہ کی تعداد کے متعلق علماء ومحدثین کی رائے متعدد ہیں۔ علامہ ابن حجرؒ کی تحقیق کے مطابق احادیث قدسیہ کی تعداد سو سے کچھ زیادہ ہے۔

قرآن اور حدیث قدسی میں فرق: اگرچہ حدیث قدسی بھی اللہ تعالیٰ کے کلام پر مشتمل ہوتی ہے لیکن حدیث قدسی اور قرآن کریم کے درمیان واضح فرق موجود ہیں، چند فرق مثال کے طور پر مذکور ہیں:

۱) قرآن معجزہ ہے، اس کے مثل ایک آیت پیش نہ کئے جاسکنے کا قیامت تک کے لوگوں کو چیلنج ہے۔ جبکہ حدیث قدسی معجزہ نہیں ہے۔

۲) قرآن کریم فصاحت وبلاغت کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے برخلاف حدیث قدسی کے۔

۳) قرآن کریم تواتر کے ساتھ امت تک پہونچا ہے، اس کے ایک ایک لفظ کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔

۴) قرآن کریم کو بغیر وضو کے چھو نہیں سکتے، نیز ناپاک شخص اس کی تلاوت نہیں کرسکتا ہے برخلاف حدیث قدسی کے۔

۵) قرآن کریم کی تلاوت عبادت ہے، نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کرنا ضروری ہے برخلاف حدیث قدسی کے۔

حدیث قدسی کی مثال: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ، وَاَنَا مَعَهُ اِذَا ذَكَرَنِیْ، فَاِنْ ذَكَرَنِی فِیْ نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِیْ نَفْسِهِ، وَاِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ مَلاءٍ ذَكَرْتُهُ فِی مَلاءٍ خَیْرٍ مِنْهُمْ (بخاری ومسلم) نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے۔ اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اسکے ساتھ ہوتا ہوں، پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے تو میں اس مجمع سے بہتر یعنی فرشتوں کے مجمع (جو معصوم اور بے گناہ ہیں) میں تذکرہ کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزارنے والا بنائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

محمد نجیب قاسمی سنبھلی (ریاض) (najeebqasmi@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيمِ وَعَلىٰ آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْن.

مختصر سیرت نبوی ﷺ

☆ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ مکہ مکرمہ میں دوشنبہ کے روز ۹ ربیع الاول (۵۷۱ء) کو پیدا ہوئے۔

☆ ابھی ماں کے پیٹ میں ہی تھے کہ آپ کے والد عبداللہ کا انتقال ہوگیا۔

☆ جب ۶ سال کی عمر ہوئی تو آپ کی والدہ آمنہ کا انتقال ہوگیا۔

☆ جب ۸ سال ۲ ماہ ۱۰ دن کے ہوئے تو آپ کے دادا عبدالمطلب بھی فوت ہوگئے۔

☆ جب ۱۲ سال کے ہوئے، تو چچا ابو طالب کے ساتھ تجارت کی غرض سے ملک شام روانہ ہوئے مگر راہ سے ہی واپس آگئے۔

☆ جوان ہوکر آپ ﷺ نے کچھ دنوں تجارت کی۔

☆ ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے آپ ﷺ کی شادی ہوئی۔ شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر ۴۰ سال تھی۔

☆ ۳۵ سال کی عمر میں جب قبیلۂ قریش میں کعبہ کی تعمیر پر جھگڑا ہوا، آپ ﷺ نے اس جھگڑے کا بہترین حل پیش کیا، جس سے سارا مسئلہ ہی حل ہوگیا، جس پر سب نے آپ کو صادق اور امین کے لقب سے نوازا۔

☆ ۴۰ سال کی عمر میں آپ ﷺ کو نبوت عطا کی گئی۔

☆ تین سال تک نبی اکرم ﷺ چپکے چپکے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ پھر کھلم کھلا اسلام کی دعوت دینے لگے۔

☆ کھلم کھلا اسلام کی دعوت دینے پر مسلمانوں کو بہت زیادہ ستایا جانے لگا۔ ۲ سال تک مسلمانوں کو بہت تکلیفیں دی گئیں۔

☆ مسلمانوں نے تنگ آکر مکہ مکرمہ سے چلے جانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ۵ نبوت میں صحابہ کی ایک جماعت حبشہ ہجرت کر گئی۔

☆ ۶ نبوت: آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ، اور ان کے تین دن بعد حضرت عمر فاروقؓ مسلمان ہوئے۔

☆ ان دونوں کے ایمان لانے سے قبل تک مسلمان چھپ چھپ کر نماز پڑھا کرتے تھے، اب کھل کر نماز پڑھنے لگے۔

☆ ۷ نبوت: قریش نے آپس میں ایک عہد نامہ تحریر کیا کہ کوئی شخص مسلمانوں اور ہاشمی قبیلہ کے ساتھ لین دین اور رشتہ ناطہ نہیں کرے گا۔ اس ظلم کی وجہ سے مسلمان اور ہاشمی قبیلے کے لوگ تقریباً تین سال تک ایک پہاڑی کی کھوہ میں بند رہے۔

☆ ۱۰ نبوت: آپ ﷺ کے چچا ابو طالب اور ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا، آپ کو بہت زیادہ رنج وغم ہوا۔

☆ ۱۰ نبوت: ابو طالب کے انتقال کے بعد کفار مکہ نے کھل کر آپ ﷺ کو اذیت اور تکلیف دینی شروع کردی۔

☆ ۱۰ نبوت: آپ نے طائف جاکر لوگوں کے سامنے اسلام کی دعوت دی، لیکن وہاں پر بھی آپ ﷺ کو بہت ستایا گیا۔

☆ ۱۱ نبوت: آپ ﷺ کے وعظ ونصائح پر مدینہ منورہ کے چھ حضرات مسلمان ہوئے۔

☆ ۲۷ رجب ۱۲ نبوت: ۵۱ سال ۵ مہینہ کی عمر میں نبی اکرم ﷺ کو معراج ہوئی۔ مسلمانوں پر پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔

☆ ۱۲ نبوت: موسم حج میں ۱۸ شخص مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آئے، انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

☆ ۱۳نبوت: ۲ عورتیں اور ۷۳ مرد مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آئے، انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے مدینہ چلنے کی درخواست کی، نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے لئے راضی ہوگئے۔

☆ ۱۳نبوت (یکم ربیع الاول): آپ ﷺ مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے لئے مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے۔

☆ آپ ﷺ نے سفرِ ہجرت میں مدینہ منورہ کے قریب بنوعمرو بن عوف کی بستی قبا میں چند روز کا قیام فرمایا اور مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ قُبا سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے بنوسالم بن عوف کی آبادی میں پہونچ کر اُس مقام پر جمعہ پڑھایا جہاں اب مسجد (مسجد جمعہ) بنی ہوئی ہے۔

☆ ۱ ہجری: مدینہ منورہ پہونچکر نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ مل کر مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی۔ ظہر، عصر اور عشاء کی نماز میں اب تک فرض رکعات کی تعداد ۲ تھی، مدینہ منورہ پہونچکر ۴ رکعات مقرر ہوئیں۔ مہاجرین صحابہ کا انصار صحابہ کے ساتھ بھائی چارا قائم کیا گیا۔ مدینہ کے یہودیوں اور آس پاس کے رہنے والے قبیلوں سے امن اور دوستی کے عہد نامے ہوئے۔

☆ ۲ ہجری: نماز کے لئے اذان دی جانے لگی۔ کعبہ (بیت اللہ) کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی جانے لگی۔

☆ ۲ ہجری: ماہِ رمضان کے روزے فرض ہوئے۔

☆ ۳ ہجری: زکاۃ فرض ہوئی۔

☆ ۴ ہجری: شراب پینا حرام ہوا۔

☆ ۵ ہجری: عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم ہوا۔

☆ ۶ ہجری: صلح حدیبیہ ہوئی۔ آپ ﷺ عمرہ کی ادائیگی کے بغیر مدینہ منورہ واپس آگئے۔ اس وقت کے مشہور بادشاہوں کو نبی اکرم ﷺ نے اسلام کی دعوت دی۔ آپ ﷺ کی دعوت پر بادشاہوں اور حکمرانوں کے علاوہ عرب کے بڑے بڑے قبیلے مسلمان ہوئے۔

☆ ۷ ہجری: آپ ﷺ نے عمرہ کی قضا کی، کیونکہ آپ ﷺ ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کی وجہ سے عمرہ ادا نہیں کرسکے تھے۔

☆ ۸ ہجری: مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک وصاف کیا گیا۔

☆ ۹ ہجری: حج فرض ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی سرپرستی میں صحابہ کرام کی ایک جماعت نے حج ادا کیا۔ حضرت علیؓ نے میدان حج میں نبی اکرم ﷺ کے حکم سے اعلان کیا کہ اب آئندہ کوئی مشرک خانہ کعبہ کے اندر داخل نہیں ہوگا۔

☆ ۱۰ ہجری: آپ ﷺ نے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام کے ساتھ حج (حجۃ الوداع) ادا کیا۔

☆ ۱۱ ہجری: ۶۳ سال اور پانچ دن کی عمر میں ۱۲ ربیع الاول کو پیر کے روز آپ ﷺ اس دارِ فانی سے کوچ فرماگئے۔

غرض نبوت کے بعد آپ ﷺ تقریباً ۲۳ سال حیات رہے، ۱۳ سال مکہ مکرمہ میں، اور ۱۰ سال مدینہ منورہ میں۔

غزوات: نبی اکرم ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد دشمنوں کے ساتھ ۲ ہجری سے ۹ ہجری کے دوران آٹھ سال میں متعدد جنگیں ہوئیں، جن میں سے مشہور غزوات یہ ہیں: غزوہ بدر ۲ ہجری۔ غزوہ احد ۳ ہجری۔ غزوہ خندق ۵ ہجری۔ غزوہ خیبر ۵ ہجری۔ غزوہ فتح مکہ ۸ ہجری۔ غزوہ حنین ۸ ہجری۔ غزوہ تبوک ۹ ہجری۔ محمد نجیب قاسمی سنبھلی، ریاض (najeebqasmi@yahoo.com)

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْكَرِيْم وَعَلیٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْن۔

نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات

ازواج مطہرات (نبی اکرم ﷺ کی بیویوں) کے متعلق اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام (سورہ احزاب ۔آیت ۳۲) میں ارشاد فرماتا ہے ۔ ﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ اے نبی ﷺ کی ازواج (مطہرات) تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تم بلند مقام کی حامل ہو۔ تمہاری ایک غلطی پر دوگنا عذاب دیا جائے گا۔ اوراسی طرح تم میں سے جو کوئی اللہ اوراس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک کام کرے گی ہم اسے اجر (بھی) دوہرا دیں گے اوراس کے لئے ہم نے بہترین روزی تیار کر رکھی ہے۔۔۔۔ جیسا کہ سورہ احزاب آیت ۳۰ اور ۳۱ میں مذکور ہے۔

قرآن کریم' روز قیامت تک کے لئے لوگوں سے مخاطب ہے: ﴿وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا﴾ (سورہ احزاب ۔آیت ۵۳) اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد ان کی ازواج مطہرات میں سے کسی سے نکاح کرو۔ یعنی ازواج مطہرات (نبی اکرم ﷺ کی بیویوں) تمام ایمان والوں کے لئے ماں (ام المؤمنین) کا درجہ رکھتی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے چند نکاح فرمائے۔ ان میں سے صرف حضرت عائشہؓ کنواری تھیں، باقی سب بیوہ یا مطلقہ تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلا نکاح' ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے کیا۔ حضرت خدیجہؓ کی عمر نکاح کے وقت ۴۰ سال تھی، یعنی حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ سے عمر میں ۱۵ سال بڑی تھیں۔ نیز وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نکاح کرنے سے پہلے دو شادیاں کرچکی تھیں، اور اُن کے پہلے شوہروں سے بچے بھی تھے۔ جب نبی اکرم ﷺ کی عمر ۵۰ سال کی ہوئی تو حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوگیا۔ اس طرح نبی اکرم ﷺ نے اپنی پوری جوانی (۲۵ سے ۵۰ سال کی عمر) صرف ایک بیوہ عورت حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گزاردی۔

۵۰ سے ۶۰ سال کی عمر میں آپ ﷺ نے چند نکاح کئے۔ یہ نکاح کسی شہوت کو پوری کرنے کے لئے نہیں کئے کہ شہوت ۵۰ سال کی عمر کے بعد اچانک ظاہر ہوگئی ہو۔ اگر شہوت پوری کرنے کے لئے آپ ﷺ نکاح فرماتے تو کنواری لڑکیوں سے شادی کرتے۔ نیز حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے کسی عورت سے شادی نہیں کی اور نہ کسی بیٹی کا نکاح کرایا مگر اللہ کی طرف سے حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے۔ بلکہ چند سیاسی ودینی واجتماعی اسباب کو سامنے رکھ کر آپ ﷺ نے یہ نکاح کئے۔ ان سیاسی ودینی واجتماعی اسباب کا بیان مضمون کے آخر میں آرہا ہے۔

سب سے قبل، نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کا مختصر تعارف:

۱) امّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ :

یہ نبی اکرم ﷺ کی پہلی بیوی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی دیانت، مال اور برکت کو دیکھ کر انہوں نے خود شادی کی درخواست کی تھی۔ نکاح کے وقت آپ ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر ۴۰ سال تھی۔ آپ ﷺ کی چاروں بیٹیاں (زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ) اور ابراہیمؓ کے علاوہ دونوں بیٹے (قاسمؓ اور عبداللہؓ) حضرت خدیجہؓ ہی سے پیدا ہوئے۔ حضرت فاطمہؓ کے علاوہ آپ ﷺ کی ساری اولاد آپ ﷺ کی زندگی میں ہی انتقال فرما گئی تھی۔ حضرت فاطمہؓ کا انتقال نبی اکرم ﷺ کے انتقال کے چھ ماہ بعد ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ کی پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے وقت آپ ﷺ کی عمر ۵۰ سال تھی۔ حضرت خدیجہؓ کا انتقال نبوت کے دسویں سال ہوا، اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر ۶۵ سال تھی۔ حضرت خدیجہؓ کی سچائی اور غمگساری کو نبی اکرم ﷺ ان کی وفات کے بعد بھی ہمیشہ یاد فرماتے تھے۔

۲) امّ المؤمنین حضرت سودہؓ :

یہ اپنے شوہر (سکران بن عمرو) کے ساتھ مسلمان ہوئی تھیں، ان کی ماں بھی مسلمان ہو گئی تھیں، ماں اور شوہر کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ چلی گئیں تھیں۔ وہاں ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا۔ جب اُن کا کوئی بظاہر دنیاوی سہارا نہ رہا تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد نبوت کے دسویں سال اِن سے نکاح کر لیا۔ اُس وقت آپ ﷺ کی عمر ۵۰ سال اور حضرت سودہؓ کی عمر ۵۵ سال تھی۔ اور یہ اسلام میں سب سے پہلی بیوہ عورت تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد تقریباً تین چار سال تک صرف حضرت سودہؓ ہی آپ ﷺ کے ساتھ رہیں، کیونکہ حضرت عائشہؓ کی رخصتی' نکاح کے تین یا چار سال بعد مدینہ منورہ میں ہوئی۔ غرض تقریباً ۵۵ سال کی عمر تک آپ ﷺ کے ساتھ صرف ایک ہی عورت رہی اور وہ بھی بیوہ۔ حضرت سودہؓ کا انتقال ۵۴ ہجری میں ہوا۔

۳) امّ المؤمنین حضرت عائشہؓ :

یہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی آرزو تھی کہ میری بیٹی نبی کے گھر میں ہو۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کا نکاح نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مکہ ہی میں ہو گیا تھا۔ مگر نبی کریم ﷺ کے گھر (مدینہ منورہ) میں ۲ ہجری کو آئیں۔ یعنی ۳ ، ۴ سال بعد رخصتی ہوئی۔ اُس وقت نبی اکرم ﷺ کی عمر ۵۵ سال تھی۔ جیسے باپ نے اسلام کی بڑی بڑی خدمات انجام دی تھیں، بیٹی بھی ایسی ہی عالمہ و فاضلہ ہوئیں کہ بڑے بڑے صحابہ کرام اُن سے مسائل دریافت فرمایا کرتے تھے۔ ۲۲۱۰ احادیث کی روایت اُن سے ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بعد سب سے زیادہ احادیث حضرت عائشہؓ سے ہی مروی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی صرف حضرت عائشہؓ ہی کنواری بیوی تھیں، باقی سب بیوہ یا مطلقہ تھیں۔ نبی اکرم ﷺ حضرت عائشہؓ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں ہی آپ ﷺ کی وفات ہوئی اور اسی میں آپ ﷺ مدفون ہیں۔ حضرت عائشہؓ کا ۵۷ یا ۵۸ ہجری میں انتقال ہوا۔

۴) امّ المؤمنین حضرت حفصہ ؓ بنت عمر :

یہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق ؓ کی بیٹی ہیں۔ انہوں نے اپنے پہلے شوہر کے ساتھ حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ ان کے شوہر غزوہ احد میں زخمی ہو گئے تھے اور انہیں زخموں سے تاب نہ لا کر انتقال فرما گئے تھے۔ اس طرح حضرت حفصہ ؓ بیوہ ہو گئیں، تو نبی اکرم ﷺ نے ان سے ۳ ہجری میں نکاح فرمالیا۔ اُس وقت آپ ﷺ کی عمر ۵۶ سال کی تھی۔ حضرت حفصہ ؓ بہت زیادہ عبادت گزار تھیں۔ حضرت حفصہ ؓ کا انتقال ۴۱ یا ۴۵ ہجری میں ہوا۔

۵) امّ المؤمنین حضرت زینب ؓ بنت خزیمہ :

ان کا پہلا نکاح طفیل بن حارث سے، پھر عبیدہ بن حارث سے ہوا تھا۔ یہ دونوں نبی اکرم ﷺ کے حقیقی چچیرے بھائی تھے۔ تیسرا نکاح حضرت عبداللہ بن جحش ؓ سے ہوا تھا، یہ نبی اکرم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے، وہ جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت زینب ؓ کے تیسرے شوہر کے انتقال کے بعد ان سے ۳ ہجری میں نکاح کرلیا۔ اُس وقت آپ ﷺ کی عمر ۵۶ سال کی تھی۔ وہ نکاح کے بعد صرف تین ماہ زندہ رہیں۔ یہ غریبوں کی اتنی مدد اور پرورش کیا کرتی تھیں کہ ان کا لقب امّ المساکین (مسکینوں کی ماں) پڑ گیا تھا۔

۶) امّ المؤمنین حضرت ام سلمہ ؓ :

ان کا پہلا نکاح حضرت ابوسلمہ ؓ سے ہوا تھا، جو نبی اکرم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ اِن کے شوہر حضرت ابوسلمہ ؓ کی جنگ احد کے زخموں سے وفات ہوگئی تھی۔ چار بچے یتیم چھوڑے۔ جب کوئی بظاہر دنیاوی سہارا نہ رہا تو نبی اکرم ﷺ نے بے کس بچوں اور ان کی حالت پر رحم کھا کر ان سے ۳ ہجری میں نکاح کرلیا۔ نکاح کے وقت آپ ﷺ کی عمر ۵۶ سال اور حضرت ام سلمہ ؓ کی عمر ۶۵ سال تھی۔ ۵۸ یا ۶۱ ہجری میں حضرت ام سلمہ ؓ کا انتقال ہوگیا۔ امہات المؤمنین میں سب سے آخر میں انہیں کا انتقال ہوا۔

غرضیکہ حضرت حفصہ ؓ، حضرت زینب بنت خزیمہ ؓ اور حضرت ام سلمہ ؓ کے شوہر غزوہ احد (۳ ہجری) میں شہید ہوئے، یا زخموں کی تاب نہ لا کر انتقال فرما گئے تو آپ ﷺ نے ان بیوہ عورتوں سے ان کے لئے دنیاوی سہارے کے طور پر نکاح فرمالیا۔

۷) امّ المؤمنین حضرت زینب بنت جحش ؓ :

یہ نبی اکرم ﷺ کی سگی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان کا نکاح کوشش کر کے اپنے منہ بولے بیٹے (آزاد کردہ غلام) حضرت زید ؓ سے کرا دیا تھا۔ لیکن شوہر کی حضرت زینب ؓ کے ساتھ نہیں بنی اور بیوی کو چھوڑ دیا۔ اگرچہ نبی اکرم ﷺ نے زید ؓ کو بہت سمجھایا مگر دونوں کا ملاپ نہیں ہو سکا۔ حضرت زینب ؓ کی اس مصیبت کا بدلہ اللہ نے یہ دیا کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اُن کا نکاح ۵ ھجری میں ہوگیا، یعنی اُس وقت

آپ ﷺ کی عمر ۵۸ سال تھی۔ زمانہ جاہلیت میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھ کر اس کی مطلقہ یا بیوہ عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت زیدؓ کی مطلقہ عورت سے نکاح کر کے امتِ مسلمہ کو یہ تعلیم دی کہ منہ بولے بیٹے کا حکم حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہے، یعنی منہ بولے بیٹے کی مطلقہ یا بیوہ عورت سے شادی کی جاسکتی ہے۔ یاد رکھیں کہ باپ اپنے حقیقی بیٹے کی مطلقہ یا بیوہ عورت سے کبھی بھی شادی نہیں کرسکتا۔ حضرت زینبؓ کا انتقال ۲۰ ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں ہوا۔

۸) امّ المؤمنین حضرت جویریہؓ :

لڑائی میں پکڑی گئی تھیں اور حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئیں، حضرت ثابت بن قیسؓ ۲۰ سال کے نوجوان تھے۔ حضرت ثابت بن قیسؓ نے حضرت جویریہؓ سے اُن کو آزاد کرنے کے لئے کچھ پیسہ مانگا۔ حضرت جویریہؓ مالی تعاون کے لئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور یہ بھی ظاہر کیا کہ میں مسلمان ہوچکی ہوں۔ نبی اکرم ﷺ نے ساری رقم ادا کر کے اُن کو آزاد کرادیا۔ پھر فرمایا کہ بہتر ہے کہ میں تمہارے ساتھ نکاح کرلوں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اُن کا نکاح ۵ ہجری میں ہوگیا، یعنی اُس وقت آپ ﷺ کی عمر ۵۸ سال کی تھی۔ جب لشکر نے یہ سنا کہ سارے قیدی نبی اکرم ﷺ کے رشتہ دار بن گئے تو صحابہ کرام نے سب قیدیوں کو آزاد کردیا۔ اس طرح نبی اکرم ﷺ کی اس چھوٹی سی تدبیر نے ۱۰۰ سے زیادہ انسانوں کو لونڈی و غلام بنائے جانے سے بچادیا۔ نیز حضرت جویریہؓ کے ساتھ نکاح کرنے کی وجہ سے قبیلہ بنو مصطلق کی ایک بڑی جماعت نے اسلام قبول کرلیا۔ (یاد رکھیں کہ اسلام نے ہی عربوں میں زمانہ جاہلیت سے جاری انسانوں کو غلام ولونڈی بنانے کا رواج رفتہ رفتہ ختم کیا ہے)۔ حضرت جویریہؓ کا انتقال ۵۰ ہجری میں ہوا۔

۹) امّ المؤمنین حضرت صفیہؓ بنت حیی بن اخطب:

ان کا تعلق یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر سے ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کے باپ، بھائی اور ان کے شوہر کو جنگ میں قتل کردیا گیا تھا۔ یہ قید ہو کر آئیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کو اختیار دیا کہ چاہیں اسلام لے آئیں یا اپنے مذہب پر باقی رہیں۔ اگر اسلام لاتی ہیں تو میں نکاح کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ورنہ ان کو آزاد کردیا جائے گا تا کہ اپنے خاندان کے ساتھ جاملیں۔ حضرت صفیہؓ اپنے خاندان کے لوگوں میں واپسی کے بجائے اسلام قبول کر کے نبی اکرم ﷺ سے نکاح کرنے کے لئے تیار ہوگئیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کو آزاد کردیا، پھر ۷ ہجری میں ان سے نکاح کرلیا۔ نکاح کے وقت نبی اکرم ﷺ کی عمر ۶۰ سال تھی۔ حضرت صفیہؓ کا انتقال ۵۰ ہجری میں ہوا۔

۱۰) امّ المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ :

حضرت ابو سفیان امویؓ کی بیٹی ہیں۔ جن دنوں ان کے والد نبی کریم ﷺ کے ساتھ لڑائی لڑ رہے تھے، یہ مسلمان ہوئی تھیں، اسلام کے لئے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ پھر شوہر کو لیکر حبشہ کی طرف ہجرت کی، وہاں جا کر اُن کا شوہر مرتد ہوگیا۔ ایسی سچی اور ایمان میں پکی عورت کے

لئے یہ کتنی مصیبت تھی کہ اسلام کے واسطے باپ، بھائی، خاندان، قبیلہ اور اپنا ملک وطن چھوڑا تھا۔ پردیس میں خاوند کا سہارا تھا۔ اس کی بے دینی سے وہ بھی جاتا رہا۔ نبی کریم ﷺ نے ایسی صابرہ عورت کے ساتھ حبشہ ہی میں ۷ ہجری میں نکاح کیا، یعنی اُس وقت آپ ﷺ کی عمر ۶۰ سال تھی۔ ۴۴ ہجری میں حضرت ام حبیبہؓ کا انتقال ہوگیا۔

۱۱) امّ المؤمنین حضرت میمونہ ؓ :

ان کے دو نکاح ہو چکے تھے۔ اُن کی ایک بہن حضرت عباسؓ کے، ایک بہن حضرت حمزہؓ کے، ایک بہن حضرت جعفر طیارؓ کے گھر میں تھیں۔ ایک بہن حضرت خالد بن ولیدؓ کی ماں تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کے کہنے پر ۷ ھجری میں حضرت میمونہ ؓ سے نکاح کرلیا۔ اُس وقت آپ ﷺ کی عمر ۶۰ سال تھی۔ ۵۱ ہجری میں حضرت میمونہؓ کی وفات ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ان ازواج مطہرات میں سے حضرت خدیجہ ؓ اور حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کا انتقال آپ ﷺ کی زندگی میں ہوگیا تھا، باقی سب کا انتقال آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ سب نکاح اُس آیت سے پہلے ہو چکے تھے، جس میں ایک مسلمان کے واسطے بیویوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ (بشرطِ عدل) چار تک مقرر کی گئی ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی بیویوں کو دوسروں کے لئے حرام قرار دیا۔ جیسا کہ مضمون کے شروع میں گزر چکا ہے۔ نیز سورہ احزاب ۵۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ﴾ اس کے بعد اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں ہیں۔ اور نہ یہ درست ہے کہ ان کے بدلے اور عورتوں سے نکاح کرو، اگر چہ ان کی صورت اچھی بھی لگتی ہو۔ یعنی آپ ﷺ کو اِن ازواج مطہرات کے علاوہ (جن کی تعداد اس آیت کے نزول کے وقت ۹ تھی) دیگر عورتوں سے نکاح کرنے یا ان میں سے کسی کو طلاق دیکر اس کی جگہ کسی اور سے نکاح کرنے سے منع فرمادیا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی اکرم ﷺ نے کوئی دوسرا نکاح بھی نہیں کیا۔

یاد رکھیں کہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تمام نکاح اللہ کے حکم سے ہی کئے۔ نیز عربوں میں ایک سے زیادہ شادی کرنے کا عام رواج تھا۔ نیز صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو چالیس مرد کی طاقت دی گئی تھی۔ غور فرمائیں کہ چالیس مرد کی طاقت رکھنے کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے پوری جوانی اس بیوہ عورت کے ساتھ گزاردی جو پہلے دو شادیاں کرچکی تھیں، نیز اُن کے پہلے شوہروں سے بچے بھی تھے۔ اسکے بعد تین چار سال ایک دوسری بیوہ حضرت سودہؓ کے ساتھ گزاردئے۔ اس طرح ۵۵ سال کی عمر تک آپ ﷺ کے ساتھ صرف ایک ہی بیوہ عورت رہی۔

۵۰ سے ٦۰ سال کی عمر میں آپ ﷺ نے چندنکاح کئے جن کے سیاسی ودینی واجتماعی چند اسباب یہ ہیں:

۱) خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی بیٹی حضرت عائشہؓ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق ؓ کی بیٹی حضرت حفصہ ؓ سے آپ ﷺ نے نکاح کئے۔ خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ اور خلیفہ رابع حضرت علی ؓ کے ساتھ حضور اکرم ﷺ نے اپنی صاحبزادیوں کا نکاح کیا۔ غرضیکہ نکاح کے ذریعہ (آپکی وفات کے بعد آنے والے) چاروں خلفاء کے ساتھ داماد یا سسر کا رشتہ قائم ہوگیا۔ جس سے صحابہ کے درمیان تعلق مضبوط اور مستحکم ہوا، اور امت میں اتحاد و اتفاق پیدا ہوا۔

۲) جنگوں میں بعض صحابہ کرام شہید ہوئے یا کفار مکہ نے مسلمان عورتوں کو طلاق دیدی تو نبی اکرم ﷺ نے اُن بیوہ یا مطلقہ عورتوں پر شفقت وکرم کا معاملہ فرمایا، اوران سے نکاح کرلیا تا کہ ان بیوہ یا مطلقہ عورتوں کو کسی حد تک دلی تسکین مل سکے۔ نیز انسانیت کو بیوہ اور مطلقہ عورتوں سے نکاح کرنے کی ترغیب دی۔

۳) نبی اکرم ﷺ نے سارے نکاح بیوہ یا مطلقہ عورتوں سے کئے۔ لیکن صرف ایک نکاح کنواری لڑکی حضرت عائشہ ؓ سے کیا، انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی صحبت میں رہ کر مسائل سے اچھی طرح واقفیت حاصل کی۔ عربی میں محاورہ ہے: (اَلْعِلْمُ فِی الصِّغَرِ کَالنَّقْشِ عَلَی الْحَجَرِ) چھوٹی عمر میں علم حاصل کرنا پتھر پر نقش کی طرح ہوتا ہے۔تقریباً ۲۲۱۰ احادیث حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہیں۔نبی اکرم ﷺ کے انتقال کے ۴۲ سال بعد حضرت عائشہ ؓ کا انتقال ہوا۔ یعنی نبی ﷺ کی وفات کے بعد ۴۲ سال تک علومِ نبوت کو امت محمدیہ تک پہونچاتی رہیں۔

۴) یہود ونصاریٰ میں سے جو حضرات مسلمان ہوئے، ان کے ساتھ آپ ﷺ نے شفقت ورحمت کا معاملہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت صفیہؓ مسلمان ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان کو آزاد کیا، اوران کی رضامندی پر آپ ﷺ نے ان سے شادی کی۔ اسی طرح حضرت ماریہؓ جو عیسائی تھیں، ایمان لائیں تو آپ ﷺ نے ان کو عزت دیکر انہیں اپنے ساتھ رکھا۔ آپ کے بیٹے ابراہیمؓ حضرت ماریہؓ سے ہی پیدا ہوئے۔

غرض نبی اکرم ﷺ نے مرد ہونے کی حیثیت سے صرف ایک نکاح کیا، اور وہ حضرت خدیجہ ؓ سے کیا۔ اور پوری جوانی انہیں بیوہ عورت کے ساتھ گزاردی۔ البتہ باقی نکاح رسول ہونے کی حیثیت سے کئے۔ جسکی تفصیل اوپر گزرچکی ہے۔

محمد نجیب قاسمی سنبھلی، ریاض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد

نبی اکرم ﷺ کی ساری اولاد آپ ﷺ کی پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ سے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئی، سوائے آپ کے بیٹے حضرت ابراہیمؓ کے، وہ حضرت ماریہ القبطیہؓ سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

نبی اکرم کے تین بیٹے: ۱۔ قاسمؓ ۲۔ عبداللہؓ ۳۔ ابراھیمؓ

قاسمؓ: مکہ مکرمہ میں نبوت سے قبل پیدا ہوئے۔ دو سال چھ ماہ کے ہوئے تو ان کا انتقال ہوگیا۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ قاسمؓ ۷ ماہ کی عمر میں ہی اللہ کو پیارے ہوگئے تھے۔ مکہ مکرمہ میں مدفون ہیں۔ انہیں کی طرف نسبت کرکے آپ ﷺ کو ابو القاسم کہا جاتا ہے۔

عبداللہؓ: مکہ مکرمہ میں نبوت کے بعد پیدا ہوئے۔ ۲ سال سے کم عمر ہی میں ان کا انتقال ہوگیا۔ مکہ مکرمہ میں مدفون ہیں۔ ان کو طیب و طاہر بھی کہا جاتا ہے۔ ان ہی کی موت پر کسی شخص نے آپ ﷺ کو ابتر کہا (وہ شخص جسکی کوئی اولاد نہ ہو)، تو سورہ الکوثر نازل ہوئی، جسمیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرا دشمن ہی بے اولاد رہے گا۔

ابراہیمؓ: ان کی پیدائش مدینہ منورہ میں ۸ ہجری میں ہوئی۔ ابراہیمؓ کی پیدائش پر آپ ﷺ اور صحابہ کرام بہت خوش ہوئے۔ سات دن کے ہونے پر آپ ﷺ نے ان کا عقیقہ کیا، بال منڈوائے، بالوں کے وزن کے برابر مسکینوں کو صدقہ دیا، اور بالوں کو دفن کردیا۔ ۱۰ ہجری میں ۱۶ یا ۱۸ ماہ کی عمر میں بیماری کی وجہ سے ابراہیمؓ کا انتقال ہوگیا۔ ابراہیمؓ کے انتقال پر آپ ﷺ کافی رنجیدہ و مغموم ہوئے۔ مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان (البقیع) میں مدفون ہیں۔ انہیں کے انتقال کے دن سورج گرہن ہوا، لوگوں نے سمجھا کہ ابراہیمؓ کی موت کی وجہ سے یہ سورج گرہن ہوا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، یہ کسی کی زندگی یا موت پر گرہن نہیں ہوتے ہیں۔

نبی اکرم کی چار بیٹیاں: ۱۔ زینبؓ ۲۔ رقیۃؓ ۳۔ ام کلثومؓ ٤۔ فاطمۃؓ

آپ ﷺ کی تین بیٹیاں آپ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں انتقال فرما گئیں، البتہ حضرت فاطمہؓ کا انتقال' آپ ﷺ کی رحلت کے چھ ماہ بعد ہوا۔ چاروں بیٹیاں مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان (البقیع) میں مدفون ہیں۔

زینبؓ : آپ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی عمر جب ۳۰ سال کی تھی، یہ پیدا ہوئیں۔ ان کے شوہر حضرت ابوالعاص بن ربیعؓ تھے۔ ان سے دو بچے علیؓ اور امامہؓ پیدا ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد حضرت زینبؓ اپنے شوہر کے ساتھ کافی دنوں تک مکہ مکرمہ ہی میں مقیم رہیں۔ جب اسلام نے مشرکین کے ساتھ نکاح کرنے کو حرام قرار دیا تو حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر سے اپنے والد کے پاس جانے کی خواہش ظاہر کی، کیونکہ وہ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ چنانچہ حضرت زینبؓ کافی تکلیفوں اور پریشانیوں سے گزر کر مدینہ منورہ اپنے والد کے پاس پہونچیں۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت ابوالعاص بن ربیعؓ بھی ایمان لے آئے، آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ کا حضرت ابوالعاص بن ربیعؓ کے ساتھ دوبارہ نکاح کردیا۔ لیکن مدینہ منورہ پہونچکر حضرت زینبؓ صرف ۷ یا ۸ ماہ ہی حیات رہیں، چنانچہ ۳۰ سال کی عمر میں ۸ ہجری میں انتقال فرما گئیں۔

رقیہؓ : آپ ﷺ کی دوسری صاحبزادی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی عمر جب ۳۳ سال کی تھی، یہ پیدا ہوئیں۔ اسلام سے پہلے ان کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا۔ جب سورہ تبت نازل ہوئی تو باپ کے کہنے پر عتبہ نے حضرت رقیہؓ کو طلاق دیدی۔ پھر ان کی شادی حضرت عثمانؓ بن عفان سے ہوئی۔ ان سے ایک بیٹا عبداللہؓ پیدا ہوا جو بچپن میں ہی انتقال فرما گیا۔ حضرت رقیہؓ ۲ ہجری میں انتقال فرما گئیں۔ انتقال کے وقت حضرت رقیہؓ کی عمر تقریباً ۲۰ سال تھی۔

ام کلثومؓ: آپ ﷺ کی تیسری صاحبزادی ہیں۔ اسلام سے پہلے ان کا نکاح ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ کے ساتھ ہوا تھا۔ جب سورہ تبت نازل ہوئی تو ابولہب کے کہنے پر اس بیٹے نے بھی حضرت ام کلثومؓ کو طلاق دیدی۔ حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد، ان کی شادی حضرت عثمانؓ بن عفان سے ہوئی۔ ۹ ہجری میں انتقال فرما گئیں۔ انتقال کے وقت حضرت ام کلثومؓ کی عمر تقریباً ۲۵ سال تھی۔ حضرت ام کلثومؓ کے انتقال کے وقت آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر میرے پاس کوئی دوسری لڑکی (غیر شادی شدہ) ہوتی تو میں اسکا نکاح بھی حضرت عثمان غنیؓ سے کردیتا۔

فاطمہ الزہراءؓ: آپ ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ آپ ﷺ حضرت فاطمہؓ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کی عمر جب ۳۵ یا ۴۱ سال تھی، یہ پیدا ہوئیں۔ ان کا نکاح مدینہ منورہ میں حضرت علیؓ بن طالب کے ساتھ ہوا۔ سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر کی تسبیحات' حضرت فاطمہؓ کی دن بھر کی تھکان کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کے پاس لے کر آئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے انتقال کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہؓ ۲۴ یا ۲۹ سال کی عمر میں انتقال فرما گئیں۔

حضرت فاطمہؓ بنت النبی ﷺ کی اولاد: حسنؓ، حسینؓ، زینبؓ، اور ام کلثومؓ

حضرت حسنؓ: رمضان ۳ ہجری میں پیدا ہوئے۔ حضرت حسنؓ سر سے سینے تک نبی اکرم ﷺ کے مشابہ تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام حسن نام کو جنت کے ریشم میں لپیٹ کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لے کر آئے تھے، اور حسین، حسن سے ماخوذ ہے۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ۴۱ ہجری میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی اور ان کو امیر المؤمنین کالقب دیا گیا۔ ربیع الاول ۴۱ ہجری میں حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی۔ اس طرح حضرت حسنؓ ۶ ماہ اور ۲۰ دن امیر المؤمنین رہے۔ حضرت حسنؓ کو زہر دیا گیا، ۴۰ دن تک زہر سے متاثر رہے اور ربیع الاول ۴۹ ہجری میں انتقال فرما گئے۔ مدینہ منورہ (البقیع) میں مدفون ہیں۔

حضرت حسینؓ: ۴ ہجری میں پیدا ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت حسنؓ کی طرح حضرت حسینؓ کا بھی عقیقہ کیا۔ حضرت حسینؓ سینے سے ٹانگوں تک نبی اکرم ﷺ کے مشابہ تھے۔ ۱۰ محرم الحرام، جمعہ کے دن، ۶۱ ہجری میں ملکِ عراق میں کوفہ شہر کے قریب میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔

حضرت ام کلثومؓ: یہ حضرت عمر فاروقؓ کی اہلیہ ہیں۔ ان سے حضرت زیدؓ اور حضرت رقیہؓ پیدا ہوئے۔

حضرت زینبؓ: ان کا نکاح، حضرت عبداللہ بن جعفر الطیارؓ بن ابی طالب کے ساتھ ہوا۔ ان سے جعفرؓ، عون الاکبرؓ، ام کلثومؓ اور علیؓ پیدا ہوئے۔

حضرت زینبؓ بنت النبی ﷺ کی اولاد: ۱۔ علیؓ ۲۔ امامہؓ

حضرت علی بن زینبؓ: ان کے والد حضرت ابوالعاصؓ ہیں جو ان کی والدہ حضرت زینبؓ کے خالہ زاد بھائی تھے۔

حضرت امامہ بنت زینبؓ: نبی اکرم ﷺ ان سے بہت محبت فرماتے تھے۔ نماز کے دوران کبھی کبھی وہ اپنے نانا کے کندھے پر بیٹھ جاتی تھیں۔ حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد حضرت فاطمہؓ کی وصیت کے مطابق امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے ان سے نکاح فرمالیا تھا۔

محمد نجیب قاسمی سنبھلی، ریاض

* All children were born from Khadija R.A. except Ibrahim R.A.
* All three sons died in childhood.
* All daughters except Fatima R.A. died in the life of Prophet Muhammad (P.B.U.H)
* Fatima R.A. died after six months of the death of her Father P.B.U.H.
* All daughters & Ibrahim R.A. are buried in Baqee Al-Madinah.
* Qasim & Abdullah R.A. are buried in Makkah.

Prepared by Najeeb Qasmi

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْن.

درود شریف کی اهمیت اور اس کے فضائل

☆ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ. يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (سورہ احزاب۔آیت ۵۶) اللہ تعالیٰ نبی پر رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اور فرشتے نبی کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی نبی پر درود وسلام بھیجا کرو۔

اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کے اس مقام کا بیان ہے جو آسمانوں میں آپ ﷺ کو حاصل ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں میں آپ ﷺ کا ذکر فرماتا ہے اور آپ ﷺ پر رحمتیں بھیجتا ہے۔ اور فرشتے بھی آپ ﷺ کی بلندی درجات کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو حکم دیا کہ وہ بھی آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجا کریں۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! سلام کا طریقہ تو ہم جانتے ہیں، یعنی نماز میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ ۔۔۔ پڑھنا۔ ہم درود کس طرح پڑھیں؟ اس پر آپ ﷺ نے درود ابراہیم بیان فرمایا، جو نماز میں التحیات پڑھنے کے بعد پڑھا جاتا ہے۔ (بخاری)

معنی صلاۃ: اللہ تعالیٰ کا نبی پر درود بھیجنے کا مطلب: آپ ﷺ پر رحمتیں نازل کرنا اور فرشتوں میں ان کا ذکر فرماتا ہے۔فرشتوں یا مسلمانوں کا آپ ﷺ پر درود بھیجنے کا مطلب: آپ پر رحمت نازل کرنے اور بلندی درجات کے لئے اللہ سے دعا کرنا ہے۔

درود شریف پڑھنے کے فضائل:

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا، اللہ تعالیٰ اس پر ۱۰ مرتبہ رحمتیں نازل فرمائے گا۔ (مسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا، اللہ تعالیٰ اس پر ۱۰ مرتبہ رحمتیں نازل فرمائے گا۔ اور اس کے ۱۰ گناہ معاف فرمائے گا۔ اور اس کے ۱۰ درجے بلند فرمائے گا۔ (نسائی)

درود شریف پڑھنے والے کے خلوص وتقوی کی وجہ سے درود شریف پڑھنے کا ثواب احادیث میں مختلف ذکر کیا گیا ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھ پر بکثرت درود بھیجتا ہے، قیامت کے روز سب سے زیادہ میرے قریب ہوگا۔ (ترمذی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کثرت سے درود بھیجنا (صغائر) گناہوں کی معافی کا سبب بنے گا۔ (ترمذی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تک مجھ پر درود نہ بھیجا جائے، دعا قبولیت سے روک دی جاتی ہے۔ (طبرانی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رسوا ہو وہ شخص جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ درود نہ پڑھے۔ (ترمذی)

☆ رسول اللہ ﷺ کا اسم مبارک سن کر درود نہ پڑھنے والے کے لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بد دعا فرمائی۔ ہلاکت ہو اس شخص کیلئے جس کے سامنے آپ ﷺ کا نام لیا جائے اور وہ درود نہ بھیجے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر آمین کہا۔ (حاکم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ درود نہ پڑھے وہ بخیل ہے۔ (ترمذی)

درود شریف کے مختلف الفاظ احادیث میں وارد ہوئے ہیں، البتہ مذکورہ الفاظ (درود ابراہیم) سب سے افضل ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ. اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اے اللہ! محمدؐ اور آل محمد پر اسی طرح رحمتیں نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر نازل فرمائیں۔

آل محمد سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں علماء کے چند اقوال ہیں۔۔۔ البتہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ آل محمد سے نبی اکرم ﷺ کی اولاد، ازواجات مطہرات، صحابہ کرام اور دین اسلام کے متبعین مراد ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

درود پڑھنے کے بعض اہم مواقع

۱) نبی اکرم ﷺ کا اسم مبارک سنتے، پڑھتے یا لکھتے وقت درود شریف پڑھنا چاہئے جیسا کہ احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔ صرف ﴿صلی اللہ علیہ وسلم﴾ بھی کہا جاسکتا ہے۔

۲) آخری تشہد میں التحیات پڑھنے کے بعد:

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے آغاز کرے۔۔۔۔ پھر تشہد میں اللہ تعالیٰ کے نبی پر درود بھیجے، اور اس کے بعد دعا مانگے۔ (ترمذی)

نماز کے آخری تشہد میں التحیات پڑھنے کے بعد درود شریف پڑھنا واجب ہے یا سنت مؤکدہ۔ اس سلسلہ میں علماء کی رائے مختلف ہیں۔ البتہ ہمیں ہر نماز کے آخری تشہد میں (خواہ نماز فرض ہو یا نفل) درود شریف پڑھنے کا خاص اہتمام کرنا چاہئے۔

۳) اذان سننے کے بعد دعا مانگنے سے پہلے:

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مؤذن کی اذان سنو تو وہی کلمات دہراؤ جو مؤذن کہتا ہے۔ پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ مجھ پر درود پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔۔۔۔۔ (پھر اذان کے بعد کی دعا پڑھو)۔۔۔ (مسلم)

۴) جمعہ کے دن کثرت سے درود شریف پڑھیں:

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے روز مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو، جو آدمی جمعہ کے روز مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ (حاکم وبیہقی)

۵) کوئی بھی دعا مانگنے سے قبل اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد درود شریف پڑھیں:

☆ ایک شخص (مسجد میں) آیا، نماز پڑھی اور نماز سے فراغت کے بعد دعا کرنے لگا۔ یا اللہ مجھے معاف فرما، مجھ پر رحم فرما۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے شخص! تو نے دعا مانگنے میں جلدی کی۔ جب نماز پڑھو اور دعا کے لئے بیٹھو تو پہلے حمد وثنا پڑھو، پھر مجھ پر درود بھیجو، پھر اپنے لئے دعا کرو۔ (ترمذی)

۶) جب بھی موقع ملے درود شریف پڑھیں:

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری قبر کو میلہ نہ بناؤ اور نہ ہی اپنے گھر کو قبرستان بناؤ۔ تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود بھیجتے رہو۔ تمہارا درود مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔ (مسند احمد)

محمد نجیب قاسمی سنبھلی (ریاض)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْن.

اذان، وضو اور مسواک کے فضائل کا مختصر بیان

اذان:

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن' اذان دینے والے سب سے زیادہ لمبی گردن والے ہوں گے یعنی سب سے ممتاز نظر آئیں گے۔۔۔۔۔۔ (مسلم ۔ باب فضل الاذان)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤذن کی آواز جہاں جہاں تک پہنچتی ہے وہاں تک اس کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ ہر جاندار اور بےجان جو اُس کی آواز کو سنتے ہیں، اُس کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔۔۔۔۔ (مسند احمد)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: مؤذن کی آواز کو جو درخت، مٹی کے ڈھیلے، پتھر، جن اور انس سنتے ہیں وہ سب قیامت کے دن مؤذن کے لئے گواہی دیں گے۔۔۔۔۔۔۔ (ابن خزیمہ)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے بارہ سال اذان دی اس کے لئے جنت واجب ہوگئی (ان شاءاللہ)۔ (حاکم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اذان دینے والوں کو قیامت کی سخت گھبراہٹ کا خوف نہیں ہوگا اور نہ ہی ان کو حساب دینا ہوگا، بلکہ وہ مشک کے ٹیلے پر تفریح کریں گے۔۔۔۔۔۔۔۔ (ترمذی، طبرانی، مجمع الزوائد۔باب فضل الاذان)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جوشخص اذان سننے کے بعد اذان کے بعد کی دعا پڑھے تو اس کے لئے قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ کی شفاعت واجب ہوگئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (بخاری ۔ باب الدعاءعندالنداء)

وضو:

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جس نے اچھی طرح وضو کیا یعنی سنتوں اور آداب و مستحبات کا اہتمام کیا تو اس کے (چھوٹے) گناہ جسم سے نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں۔ (مسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب مؤمن بندہ وضو کرتا ہے اور اس دوران کلی کرتا ہے تو اسکے منہ کے تمام (چھوٹے) گناہ دھل جاتے ہیں۔ جب وہ ناک صاف کرتا ہے تو ناک کے تمام (چھوٹے) گناہ دھل جاتے ہیں۔ جب چہرا دھوتا ہے تو چہرے کے تمام (چھوٹے) گناہ دھل جاتے ہیں یہاں تک کہ پلکوں کی جڑوں سے بھی نکل جاتے ہیں۔ (نسائی۔باب مسح الاذنین مع الراس)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری اُمت قیامت کے دن اس حال میں بلائی جائے گی کہ ان کے ہاتھ پاؤں اور چہرے وضو میں

دھلنے کی وجہ سے روشن اور چمکدار ہوں گے ۔۔۔۔۔ (بخاری ۔ باب فضل الوضو)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمن کا زیور قیامت کے دن وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے یعنی اعضاء کے جن حصوں تک وضو کا پانی پہنچے گا وہاں تک زیور پہنایا جائے گا۔۔۔ (مسلم ۔باب تبلیغ الحلیہ)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص مستحبات اور آداب کا اہتمام کرتے ہوئے اچھی طرح وضو کرے پھر یہ پڑھے ﴿اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِىْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس سے چاہے داخل ہو جائے ۔۔۔۔۔۔۔۔
(مسلم ۔ الذکر المستحب عقب الوضو)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص وضو ہونے کے باوجود دوبارہ وضو کرتا ہے تو اسے دس نیکیاں ملتی ہیں۔ (ابو داؤد۔ باب الرجل یجدد الوضو) (وضاحت: اس کی شکل یہ ہے کہ مثلاً وضو کرکے مغرب کی نماز مغرب کے وقت میں ادا کرلی، اب عشاء کی نماز عشاء کے وقت میں ادا کرنی ہے تو بہتر ہے کہ دوسرا وضو کرلیں خواہ پہلا وضو ابھی باقی ہو)۔

مسواک:

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسواک کرنا تمام انبیاء کی سنت ہے۔ (ترمذی ۔ باب ماجاء فی فضل التزویج..)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسواک منہ کو صاف کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔ (نسائی۔الترغیب فی السواک)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسواک کرکے دو رکعت نماز پڑھنا بغیر مسواک کے ستر رکعت پڑھنے سے افضل ہے۔
(رواہ البزاز، مجمع الزوائد۔ باب ماجاء فی السواک)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دن یا رات میں جب بھی نبی اکرم ﷺ سوکر اٹھتے تو وضو سے پہلے مسواک ضرور کرتے۔
(ابو داؤد ۔ باب السواک لمن قام باللیل)

☆ رسول اللہ ﷺ جب تہجد کے لئے اٹھتے تو مسواک سے اپنے منہ کو اچھی طرح صاف کرتے ۔۔۔ رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے مسواک کیا کرتے تھے۔ (مسلم ۔ باب السواک)

یا اللہ! ہم سب کو قرآن وحدیث کے مطابق زندگی گزارنے والا بنا۔ یا اللہ! ہمارا خاتمہ ایمان پر فرما۔ محمد نجیب قاسمی سنبھلی، ریاض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْن.

﴿ نماز کی اہمیت ﴾

نماز ایمان کے بعد اسلام کا اہم ترین رُکن ہے۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ شریفہ میں نماز کی اہمیت وفضیلت کو کثرت سے ذکر کیا گیا ہے جن میں نماز کو قائم کرنے پر بڑے بڑے وعدے اور نماز کو ضائع کرنے پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ یہاں بعض آیات واحادیث شریفہ کا ذکر کیا جارہا ہے۔

آیاتِ قرآنیہ:

☆ اُتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَاَقِمِ الصَّلاةَ، اِنَّ الصَّلاةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے اسے پڑھئے اور نماز قائم کیجئے، یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ (سورۃ العنکبوت ۴۵)

﴿وضاحت﴾ نماز میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت وتاثیر رکھی ہے کہ وہ نمازی کو گناہوں اور برائیوں سے روک دیتی ہے مگر ضروری ہے کہ اس پر پابندی سے عمل کیا جائے اور نماز کو اُن شرائط وآداب کے ساتھ پڑھا جائے جو نماز کی قبولیت کے لئے ضروری ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ فلاں شخص راتوں کو نماز پڑھتا ہے مگر دن میں چوری کرتا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اُس کی نماز عنقریب اُس کو اِس برے کام سے روک دے گی۔ (مسند احمد، صحیح ابن حبان، بزاز)

☆ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اسْتَعِيْنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلاةِ، اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْن اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد چاہو، بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (سورۃ البقرۃ ۱۵۳)

﴿وضاحت﴾ جب بھی کوئی پریشانی یا مصیبت سامنے آئے تو مسلمان کو چاہئے کہ وہ اُس پر صبر کرے اور نماز کا خاص اہتمام کرکے اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرے۔ حضور اکرم ﷺ بھی ہر پریشانی کے وقت نماز کی طرف متوجہ ہوتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے: حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو جب بھی کوئی اہم معاملہ پیش آتا، آپ فوراً نماز کا اہتمام فرماتے (ابوداؤد ومسند احمد)۔

نبی اکرم ﷺ پانچ فرض نمازوں کے علاوہ نمازِ تہجد، نمازِ اشراق، نمازِ چاشت، تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد کا بھی اہتمام فرماتے۔ اور پھر خاص خاص مواقع پر اپنے رب کے حضور توبہ استغفار کے لئے نماز ہی کو ذریعہ بناتے۔ سورج گرہن یا چاند گرہن ہوتا تو مسجد تشریف لے جاتے۔ زلزلہ، آندھی یا طوفان حتی کہ تیز ہوا بھی چلتی تو مسجد تشریف لے جاکر نماز میں مشغول ہوجاتے۔ فاقہ کی نوبت آتی یا کوئی دوسری پریشانی یا تکلیف پہنچتی تو مسجد تشریف لے جاتے۔ سفر سے واپسی ہوتی تو پہلے مسجد تشریف لے جاکر نماز ادا کرتے۔

☆ وَاَقِيْمُوا الصَّلاةَ.......... وَاسْتَعِيْنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلاةِ، وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْن اس لئے ہمیں بھی چاہئے کہ نماز کا خاص اہتمام کریں۔ اور اگر کوئی پریشانی یا مصیبت آئے تو نمازوں کی ادائیگی اور صبر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں، یہ چیز شاق وبھاری ہے مگر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے مشکل نہیں۔ (سورۃ البقرہ ۴۵)

☆ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّی مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم رکھو گے اور زکاۃ دیتے رہو گے۔ (سورۃ المائدہ ۱۲)

﴿وضاحت﴾ یعنی نماز کی پابندی کرنے سے بندہ اللہ تعالیٰ کے بہت زیادہ قریب ہوجاتا ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بندہ کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب سجدے کی حالت میں حاصل ہوتا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالانے، خاص کر نماز کا اہتمام کرنے سے اللہ تعالیٰ بندے کے ساتھ ہوجاتا ہے۔

☆ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ یقیناً ان ایمان والوں نے فلاح (کامیابی) پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں ------------ اور جو اپنی نمازوں کی خبر رکھتے ہیں، یہی وہ وارث ہیں جو (جنت) الفردوس کے وارث ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ (سورۃ المؤمنون ۱۔۱۱)

﴿وضاحت﴾ ان آیات میں کامیابی پانے والے مؤمنین کی چھ صفات بیان کی گئی ہیں: پہلی صفت ’خشوع وخضوع کے ساتھ نمازیں ادا کرنا ------- اور آخری صفت پھر ’ نمازوں کی پوری طرح حفاظت کرنا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کا اللہ تعالیٰ کے پاس کیا درجہ ہے اور کس قدر مہتم بالشان چیز ہے کہ مؤمنین کی صفات کو نماز سے شروع کرکے نماز ہی پر ختم فرمایا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جو جنت کے وارث یعنی حق دار ہوں گے، جنت بھی جنت الفردوس‘ جو جنت کا اعلیٰ حصہ ہے جہاں سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ غرض جنت الفردوس کو حاصل کرنے کے لئے نماز کا اہتمام بےحد ضروری ہے۔

☆ ----- اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ------- بیشک انسان بڑے کچے دل والا بنایا گیا ہے جب اسے مصیبت پہنچتی ہے تو ہڑبڑا اٹھتا ہے اور جب راحت ملتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے، مگر وہ نمازی جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں ----- اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ جنتوں میں عزت والے ہوں گے۔ (سورۃ المعارج ۱۹۔۳۵)

﴿وضاحت﴾ ان آیات میں جنتیوں کی آٹھ صفات بیان کی گئی ہیں جن کو نماز سے شروع اور نماز ہی پر ختم کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ نماز‘ اللہ کی نظر میں کس قدر مہتم بالشان عبادت ہے۔

احادیثِ نبویہ:

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن آدمی کے اعمال میں سب سے پہلے فرض نماز کا حساب لیا جائیگا۔ اگر نماز درست ہوئی تو وہ کامیاب وکامران ہوگا، اور اگر نماز درست نہ ہوئی تو وہ ناکام اور خسارہ میں ہوگا۔ (ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد، مسند احمد)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔ اگر نماز اچھی ہوئی تو باقی اعمال بھی اچھے ہوں گے، اور اگر نماز خراب ہوئی تو باقی اعمال بھی خراب ہوں گے۔ (طبرانی)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ کو کونسا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ

نے ارشاد فرمایا: نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے کہا کہ اس کے بعد کونسا عمل اللہ کو زیادہ پسند ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: والدین کی فرمانبرداری۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے کہا کہ اس کے بعد کونسا عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔ (بخاری، مسلم)

☆ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے رسول سے بیعت نہیں کرتے؟ آپ ﷺ نے تین مرتبہ اسکو کہا، تو ہم نے اپنے ہاتھ بیعت کے لئے بڑھا دئے اور بیعت کی۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم نے کس چیز پر بیعت کی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور نمازوں کی پابندی کرو۔ اس کے بعد آہستہ آواز میں کہا: لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرو۔ (نسائی، ابن ماجہ، ابوداؤد، مسند احمد)

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ نے نماز کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: جو شخص نماز کا اہتمام کرتا ہے تو نماز اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگی، اس (کے پورے ایماندار ہونے) کی دلیل ہوگی اور قیامت کے دن عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہوگی۔ اور جو شخص نماز کا اہتمام نہیں کرتا اس کے لئے قیامت کے دن نہ نور ہوگا، نہ اس (کے پورے ایماندار ہونے) کی کوئی دلیل ہوگی، نہ عذاب سے بچنے کا کوئی ذریعہ ہوگا۔ اور وہ قیامت کے دن فرعون، قارون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (صحیح ابن حبان، طبرانی، بیہقی، مسند احمد)

﴿وضاحت﴾ علامہ ابن قیمؒ نے (کتاب الصلاۃ) میں ذکر کیا ہے کہ ان کے ساتھ حشر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر ان ہی باتوں کی وجہ سے نماز میں سستی ہوتی ہے جو ان لوگوں میں پائی جاتی تھیں۔ پس اگر اسکی وجہ مال و دولت کی کثرت ہے تو قارون کے ساتھ حشر ہوگا اور اگر حکومت و سلطنت ہے تو فرعون کے ساتھ اور وزارت (یا ملازمت) ہے تو ہامان کے ساتھ اور تجارت ہے تو ابی بن خلف کے ساتھ حشر ہوگا۔ جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہنے کے باوجود بالکل نماز ہی نہیں پڑھتے یا کبھی کبھی پڑھ لیتے ہیں، وہ غور کریں کہ ان کا انجام کیا ہوگا۔ یا اللہ! اس انجامِ بد سے ہماری حفاظت فرما۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نماز نور ہے، صدقہ دلیل ہے، صبر کرنا روشنی ہے اور قرآن تمہارے حق میں دلیل ہے یا تمہارے خلاف دلیل ہے (یعنی اگر اسکی تلاوت کی اور اس پر عمل کیا تو یہ تمہاری نجات کا ذریعہ ہوگا، ورنہ تمہاری پکڑ کا ذریعہ ہوگا)۔ (مسلم)

☆ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھا۔ ایک دن میں آپ ﷺ کے قریب تھا، ہم سب چل رہے تھے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے پیغمبر! آپ مجھے ایسا عمل بتا دیجئے جسکی بدولت میں جنت میں داخل ہو جاؤں اور جہنم سے دور ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے بڑی بات پوچھی ہے۔ لیکن اللہ جس کے لئے آسان کر دے اس کے لئے آسان ہے۔ اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکاۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور اللہ کے گھر کا حج کرو۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں اس معاملہ کی اصل، اس کا ستون اور اسکی عظمت نہ بتا دوں؟ میں نے کہا ضرور۔ آپ ﷺ نے فرمایا: معاملہ کی اصل اسلام ہے، اس کا ستون نماز ہے اور اسکی عظمت اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔ (ابن ماجہ، ترمذی، مسند احمد)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: اللہ تعالی نے بندوں پر پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں، جو اِن نمازوں کواس طرح لیکر آئے کہ ان میں لاپرواہی سے کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے تو حق تعالی شانہ کا عہد ہے کہ اس کو جنت میں ضرور داخل فرمائیں گے۔اور جوشخص ایسانہ کرے تو اللہ تعالی کا کوئی عہد اس سے نہیں، چاہے اسکو عذاب دیں چاہے جنت میں داخل کردیں۔ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں، جو اِن نمازوں کو(قیامت کے دن) اس طرح لیکر آئے کہ ان میں لاپرواہی سے کسی قسم کی کوتاہی نہ کی ہو تو اللہ تعالی قیامت کے دن اس بندے سے عہد کرکے اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے اور جو اِن نمازوں کو اس طرح لیکر آئے کہ ان میں لاپرواہیوں سے کوتاہیاں کی ہیں تو اللہ کا اس سے کوئی عہد نہیں چاہے اسکو عذاب دیں، چاہے معاف فرمادیں. (مؤطامالک، ابن ماجہ، مسنداحمد) غور فرمائیں کہ نماز کی پابندی پر جس میں زیادہ مشقت بھی نہیں ہے، مالک الملک دو جہاں کا بادشاہ جنت میں داخل کرنے کا عہد کرتا ہے پھر بھی ہم اس اہم عبادت سے لاپرواہی کرتے ہیں۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جوشخص پانچوں نمازوں کی اس طرح پابندی کرے کہ وضو اور اوقات کا اہتمام کرے، رکوع اور سجدہ اچھی طرح کرے اوراس طرح نماز پڑھنے کواللہ تعالی کی طرف سے اپنے ذمہ ضروری سمجھے تو اس آدمی کو جہنم کی آگ پر حرام کردیا گیا۔ (مسنداحمد)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جنت کی کنجی نماز ہے، اور نماز کی کنجی پاکی (وضو) ہے۔ (ترمذی، مسنداحمد)

☆ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کے پاس (آپکی خدمت کیلئے) رات گزارتا تھا، ایک رات میں نے آپ کے لئے وضو کا پانی اور ضرورت کی چیزیں پیش کیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کچھ سوال کرنا چاہتے ہو تو کرو۔ میں نے کہا: میں چاہتاہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے علاوہ کچھ اور۔میں نے کہا: بس یہی۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لئے زیادہ سے زیادہ سجدے کرکے میری مدد کرو۔ (یعنی نماز کے اہتمام سے یہ خواہش پوری ہوگی)۔
خوش نصیب ہیں اللہ کے وہ بندے جو اِس دنیاوی زندگی میں نمازوں کا اہتمام کرکے جنت الفردوس میں تمام نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مرافقت پائیں۔ (مسلم)

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔ (نسائی، بیہقی، مسنداحمد)

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلا آخری کلام (نماز، نماز اور غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرو) تھا۔ (ابوداؤد، مسنداحمد)

☆ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آخری وصیت یہ ارشادفرمائی: نماز، نماز۔ اپنے غلاموں (اور ماتحت لوگوں) کے بارے میں اللہ سے ڈرو، یعنی ان کے حقوق ادا کرو۔ جس وقت آپ ﷺ نے یہ وصیت فرمائی آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے پورے لفظ نہیں نکل رہے تھے۔ (مسنداحمد)

☆ حضرت عمرو اپنے والد اور وہ اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم کرو۔ دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر انہیں مارو، اور اس عمر میں علیحدہ علیحدہ بستروں پر سلاؤ۔ (ابوداؤد)

﴿وضاحت﴾ والدین کو حکم دیا گیا کہ جب بچہ سات سال کا ہوجائے تو اسکی نماز کی نگرانی کریں، دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر پٹائی بھی کریں تاکہ بلوغ سے قبل نماز کا پابند ہوجائے، اور بالغ ہونے کے بعد اس کی ایک نماز بھی فوت نہ ہو کیونکہ ایک وقت کی نماز جان بوجھ کر چھوڑنے پر احادیث میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، بلکہ بعض علماء کی رائے کے مطابق وہ ملتِ اسلامیہ سے نکل جاتا ہے۔

☆ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو یہ حکم جاری فرمایا کہ میرے نزدیک تمہارے امور میں سب سے زیادہ اہمیت نماز کی ہے۔ جس نے نمازوں کی پابندی کرکے اسکی حفاظت کی، اس نے پورے دین کی حفاظت کی اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ نماز کے علاوہ دین کے دیگر ارکان کو زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔ (موطا امام مالک)

﴿وضاحت﴾ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ جو شخص نماز میں کوتاہی کرتا ہے، وہ یقیناً دین کے دوسرے کاموں میں بھی سستی کرنے والا ہوگا۔ اور جس نے وقت پر خشوع وخضوع کے ساتھ نمازوں کا اہتمام کرلیا، وہ یقیناً پورے دین کی حفاظت کرنے والا ہوگا۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شبِ معراج میں نبی اکرم ﷺ پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں، پھر کم ہوتے ہوتے پانچ رہ گئیں۔ آخر میں (اللہ تعالی کی طرف سے) اعلان کیا گیا۔ اے محمد! میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی، لہذا پانچ نمازوں کے بدلے پچاس ہی کا ثواب ملے گا۔ (ترمذی)

﴿وضاحت﴾ صرف نماز ہی دینِ اسلام کا ایک ایسا عظیم رُکن ہے جسکی فرضیت کا اعلان زمین پر نہیں بلکہ ساتوں آسمانوں کے اوپر بلند واعلی مقام پر معراج کی رات ہوا۔ نیز اسکا حکم حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ تک نہیں پہنچا، بلکہ اللہ تعالی نے فرضیتِ نماز کا تحفہ بذاتِ خود اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمایا۔

☆ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن بھیجا تو ارشاد فرمایا: تم ایسے لوگوں کے پاس جارہے ہو جو اہل کتاب ہیں، لہذا سب سے پہلے ان کو اس بات کی دعوت دینا کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ جب اس بات کو مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالی نے روزانہ پانچ نمازیں ان پر (ہر مسلمان پر) فرض کی ہیں۔۔۔۔۔ (بخاری، مسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سات قسم کے آدمی ہیں جن کو اللہ تعالی اپنی (رحمت کے) سایہ میں ایسے دن جگہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ اُن سات لوگوں میں سے ایک وہ شخص بھی ہے جس کا دل مسجد سے اٹکا ہوا ہو (یعنی وقت پر نماز ادا کرتا ہو)۔ (بخاری، مسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جب کوئی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اللہ سے مناجات (سرگوشی) کرتا ہے۔ (بخاری)

محمد نجیب قاسمی سنبھلی (najeebqasmi@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم وَعَلٰی آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْن۔

نماز کے اوقات

اللہ تبارک وتعالی نے ہر مسلمان بالغ مرد وعورت پر روزانہ پانچ اوقات کی نمازیں فرض فرمائی ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں بے شمار جگہوں پر اللہ جل شانہ نے ہمیں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے مثلاً:

اِنَّ الصَّلَاۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَاباً مَوْقُوْتاً (سورہ النساء ۱۰۳) یقیناً نماز مؤمنوں پر مقررہ وقتوں میں فرض ہے۔

اَقِمِ الصَّلاۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ اللَّیْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ، اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْداً (سورہ بنی اسرائیل ۷۸) نماز کو قائم کرو آفتاب کے ڈھلنے سے لیکر رات کی تاریکی تک اور فجر کا قرآن پڑھنا بھی۔ یقیناً فجر کا قرآن پڑھنا حاضر کیا گیا ہے، یعنی اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔۔۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت میں دلوک الشمس سے ظہر اور عصر کی نمازیں، غسق اللیل سے مغرب اور عشاء کی نمازیں اور قرآن الفجر سے فجر کی نماز مراد ہے۔

وَاَقِمِ الصَّلاۃَ طَرَفَيِ النَّھَارِ وَزُلَفاً مِّنَ اللَّیْلِ، اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ (سورہ ہود ۱۱۴)

دن کے دونوں سروں میں نماز قائم رکھ اور رات کے کچھ حصہ میں بھی۔ یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کردیتی ہیں۔

نماز کے اوقات، رکعات اور طریقہ نماز کا تفصیلی ذکر قرآن کریم میں بیان نہیں کیا گیا ہے بلکہ قرآن کریم کے مفسر اول رسول اکرم ﷺ نے اپنے اقوال وافعال سے مکمل وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا قول وعمل بھی اللہ تعالی کی وحی ہی ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے: وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (سورہ النجم ۳-۴)۔ آپ ﷺ تو وحی کے بغیر لب کشائی ہی نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو دو دن نماز پڑھائی، پہلے دن تمام نمازیں اول وقت میں اور دوسرے دن تقریباً آخری وقت میں ادا فرمائیں اور ارشاد فرمایا کہ تمہاری پانچوں نمازوں کے وقت انہی اوقات کے درمیان میں ہے، جن کو تم نے دیکھا (مسلم۔کتاب المساجد)۔

پانچوں نمازوں کے اوقات کیا ہیں؟

نمازِ فجر: صبح صادق سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک۔

(زمان ومکان کے اختلاف کے ساتھ عموماً ایک گھنٹہ ۲۰ منٹ سے لیکر ایک گھنٹہ ۳۰ منٹ تک نمازِ فجر کا وقت رہتا ہے)

نمازِ ظہر: زوالِ آفتاب (سورج کے ڈھلنے) سے نمازِ عصر کا وقت شروع ہونے تک۔

نمازِ عصر: جب ہر چیز کا سایہ اصلی سایہ کے علاوہ دو مثل ہوجائے تو ظہر کا وقت ختم ہوکر عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور غروبِ آفتاب تک رہتا ہے۔۔۔ احادیث کی روشنی میں ظہر کا وقت ختم ہونے اور عصر کا وقت شروع ہونے میں اختلاف ہے، موجودہ رائے امام ابوحنیفہؒ کی ہے۔ دیگر علماء کی رائے یہ ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ اصلی سایہ کے علاوہ ایک مثل ہوجائے تو ظہر کا وقت ختم ہوکر عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ البتہ تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ نمازِ عصر کی اتنی تاخیر سے ادائیگی کرنا کہ سورج زرد ہوجائے، مکروہ ہے۔

نمازِ مغرب: غروبِ آفتاب سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک۔ البتہ احادیث میں مذکور ہے کہ نمازِ مغرب میں زیادہ تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

نمازِعشاء: سورج چھپنے کے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد سے صبح صادق تک۔البتہ آدھی رات کے بعد عشاء کی نماز کے لئے مکروہ وقت شروع ہوجاتا ہے۔ نمازِوتر کا وقت بھی صبح صادق تک ہے، البتہ وتر' نمازِعشاء کی ادائیگی کے بعد ہی پڑھ سکتے ہیں۔

اوقاتِ مکروھه:

نماز کے مکروہ اوقات پانچ ہیں: ان میں سے تین ایسے ہیں جن میں فرض اور نفل دونوں نمازیں مکروہ تحریمی ہیں۔ وہ تین اوقات یہ ہیں:

۱) سورج کے طلوع ہونے کے وقت۔

۲) زوالِ آفتاب کے وقت۔

۳) سورج کے غروب ہونے کے وقت۔

﴿وضاحت﴾ اگر عصر کی نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ سورج کے غروب ہونے کا وقت قریب آگیا تو کراہت کے ساتھ اس دن کی عصر کی نماز سورج کے ڈوبنے کے وقت بھی ادا کی جاسکتی ہے۔

ان اوقات کے علاوہ دو اوقات ایسے ہیں کہ جن میں صرف نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے، البتہ فوت شدہ فرض نماز کی قضا کی جاسکتی ہے۔

۴) نمازِ فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک۔

۵) عصر کی نماز کے بعد سے سورج کے غروب ہونے تک۔

☆ حضرت عمرو سلمی ﷛ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ مجھے ایسی چیز بتلایئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتائی ہو اور مجھے معلوم نہ ہو، خاص طور پر نماز کے متعلق بتلایئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: صبح کی نماز پڑھ کر کوئی اور نماز پڑھنے سے رُکے رہو تا آنکہ آفتاب طلوع ہوکر بلند ہوجائے، کیونکہ آفتاب شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور اس وقت سورج پرست کفار اسے سجدہ کرتے ہیں۔ جب سورج کچھ بلند ہوجائے تو پھر نماز پڑھو کیونکہ ہر نماز بارگاہِ الٰہی میں پیش کی جاتی ہے، البتہ جب نیزہ بے سایہ ہوجائے (زوال کے وقت) تو نماز نہ پڑھو، کیونکہ یہ جہنم کو دہکانے کا وقت ہے اور جب سایہ بڑھنا شروع ہوجائے تو پھر نماز پڑھو، کیونکہ نماز اللہ کے حضور پیش کی جاتی ہے۔ جب عصر کی نماز پڑھ چکو تو پھر دوسری نماز سے رک جاؤ تا آنکہ سورج غروب ہوجائے، کیونکہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت سورج پرست کفار سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ (مسلم، الاوقات التی نھی عن الصلاۃ فیھا)

☆ حضرت ابوسعید خدری ﷛ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: صبح کی نماز کے بعد آفتاب کے بلند ہونے تک اور کوئی نماز نہیں ہے اور عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک اور کوئی نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔ (بخاری، لایتحری الصلاۃ قبل الغروب)۔

مسئلہ: اگر فرض نماز' اس کے وقت مقرر پر ادا نہ کی گئی تو وقت نکل جانے کے بعد بھی پڑھنی ہوگی، البتہ یہ ادا نہیں بلکہ قضا ہوگی۔ یاد رکھیں کہ نماز کو شرعی عذر کے بغیر وقت پر ادا نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے اگرچہ بعد میں قضا کرلی جائے، لیکن قضا بھی نہ کرنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے، قرآن وحدیث میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نمازوں کو وقت پر ادا کرنے والا بنائے، آمین۔ محمد نجیب قاسمی، ریاض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْن۔

فرض نماز جماعت کے ساتھ

مرد حضرات' حتی الامکان فرض نماز جماعت ہی کے ساتھ ادا کریں کیونکہ فرض نماز کی مشروعیت جماعت کے ساتھ وابستہ ہے جیسا کہ قرآن کریم کی آیات، احادیث شریفہ اور صحابہ کرام کے اقوال میں مذکور ہے۔۔۔ فرض نماز جماعت کے بغیر ادا کرنے پر فرض تو ذمہ سے ساقط ہو جائیگا، مگر معمولی معمولی عذر کی بناء پر جماعت کا ترک کرنا یقیناً گناہ ہے۔

آیاتِ قرآنیہ کا ترجمہ :

☆ جس دن پنڈلی کھول دی جائیگی اور سجدہ کے لئے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کرسکیں گے۔ نگاہیں نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت وخواری طاری ہوگی حالانکہ یہ سجدہ کے لئے (اس وقت بھی) بلائے جاتے تھے جبکہ صحیح سالم یعنی صحت مند تھے (سورۃ القلم، آیت ۴۲)

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میدانِ قیامت میں اپنی ساق (پنڈلی) ظاہر فرمائے گا جس کو دیکھ کر مؤمنین سجدہ میں گر پڑیں گے مگر کچھ لوگ سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی کمر نہ مڑ یگی بلکہ تختہ (کی طرح سخت) ہوکر رہ جائیگی۔ یہ کون لوگ ہیں؟ تو حضرت کعب الاحبارؒ (صحابی رسول) قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ یہ آیت صرف ان لوگوں کے لئے نازل ہوئی ہے جو جماعت کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتے ہیں۔ حضرت سعید بن مسیبؒ (ایک بہت بڑے تابعی) فرماتے ہیں: حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح کو سنتے تھے مگر صحیح سالم، تندرست ہونے کے باوجود مسجد میں جا کر نماز ادا نہیں کرتے تھے۔

غور فرمائیں کہ نمازیں نہ پڑھنے والوں یا جماعت سے ادا نہ کرنے والوں کو قیامت کے دن کتنی سخت رسوائی اور ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا کہ ساری انسانیت اللہ جل شانہ کے سامنے سجدہ میں ہوگی مگر بے نمازیوں کی کمریں تختے کے مانند کردیجائیں گی اور وہ سجدہ نہیں کرسکیں گے۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ! ہم سب کی اس انجام بد سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

☆ اور نمازوں کو قائم کرو، زکوۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع ادا کرو۔ (سورۃ البقرہ، آیت) قرآن کریم میں جگہ جگہ نماز کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ نماز کو قائم کرنے سے مراد فرض نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہے۔

☆ جب تو ان میں ہو اور ان کے لئے نماز کھڑی کرو، تو چاہئے کہ ان میں سے ایک جماعت تمہارے ساتھ کھڑی ہو (جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے)۔ (سورۃ النساء ۱۰۲)

جب مسلمان اور کافروں کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل جنگ کے لئے تیار کھڑی ہوں اور ایک لمحہ کی بھی غفلت مسلمانوں کے لئے سخت

خطرناک ثابت ہوسکتی ہوتو ایسی صورت میں بھی جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جائیگی جیسا کہ اس آیت میں اوراحادیثِ شریفہ میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔۔۔۔ جب خوف کی حالت میں نماز جماعت سے ادا کرنے کا حکم ہے تو امن کی حالت میں توبدرجہ اولیٰ فرض نماز جماعت کے ساتھ ہی ادا کی جائیگی،،، اِلاّ یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو۔

احادیث نبویہ کا ترجمہ :

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نے کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ لکڑیاں اکھٹی کرنے کا حکم دوں اور ساتھ ہی نماز کے لئے اذان کہنے کا حکم دوں پھر کسی آدمی کو نماز کے لئے لوگوں کا امام مقرر کردوں اور خود ان لوگوں کے گھروں کو جاکرآگ لگادوں جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے۔ (یعنی گھر یا دوکان میں اکیلے ہی نماز پڑھ لیتے ہیں)۔(بخاری)

جوحضرات شرعی عذر کے بغیر فرض نماز مسجد میں جاکر جماعت کے ساتھ ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں، اُن کے گھروں کے سلسلہ میں اُس ذات کی جس کی اتباع کے ہم دعویدار ہیں، اورجس کو ہماری ہر تکلیف نہایت گراں گزرتی ہو، جو ہمیشہ ہمارے فائدے کی خواہش رکھتا ہو اور ہم پرنہایت شفیق اور مہربان ہو، یہ خواہش ہے کہ ان کو آگ لگادی جائے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جوشخص اذان کی آواز سنے اور بلاکسی عذر کے مسجد کو نہ جائے (بلکہ وہیں پڑھ لے) تو وہ نماز قبول نہیں ہوتی۔صحابہ نے عرض کیا کہ عذر سے کیامراد ہے؟ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: مرض یا خوف۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک نابینا صحابی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، کہنے لگے: یارسول اللہ! میرے پاس کوئی آدمی نہیں جو مجھے مسجد میں لائے۔ یہ کہکر انھوں نے نماز گھر پر پڑھنے کی رخصت چاہی۔رسول اکرم ﷺ نے انہیں رخصت دیدی لیکن جب وہ واپس ہونے لگے تو انہیں پھر بلایا اور پوچھا: کیاتم اذان سنتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہ! ۔۔۔ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: پھر تو مسجد میں ہی آکرنماز پڑھاکرو۔ (مسلم)

غورفرمائیں کہ جب اس شخص کو جو نابینا ہے، مسجد تک پہنچانے والا بھی کوئی نہیں ہے اور گھر بھی مسجد سے دور ہے، نیز گھر سے مسجد تک کا راستہ بھی ہموار نہیں ہے (جیسا کہ دوسری احادیث میں مذکور ہے)، نبی اکرم ﷺ نے گھر میں فرض نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی تو بینا اور تندرست کو بغیر شرعی عذر کے کیونکر گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جس گاؤں یا جنگل میں تین آدمی ہوں اور وہاں باجماعت نماز نہ ہوتی ہو تو ان پر شیطان مسلّط ہوجاتا ہے۔اس لئے جماعت کو ضروری سمجھو۔بھیڑیا اکیلی بکری کو کھاجاتا ہے، اورآدمیوں کا بھیڑیا شیطان ہے۔ (ابوداؤد، نسائی، مسنداحمد، حاکم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جماعت کی نماز اکیلے کی نماز سے اجروثواب میں ۲۷ درجہ زیادہ ہے۔ (مسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جوشخص عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے، گویا اس نے آدھی رات عبادت کی اور جو فجر کی نماز بھی جماعت کے ساتھ پڑھ لے گویا اس نے پوری رات عبادت کی۔ (مسلم)

صحابہ کے ارشادات کا ترجمہ :

☆ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارشادفرماتے ہیں کہ جوشخص یہ چاہے کہ کل قیامت کے دن اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں مسلمان بن کر حاضر ہو وہ نمازوں کو ایسی جگہ ادا کرنے کا اہتمام کرے جہاں اذان ہوتی ہے (یعنی مسجد میں) اِس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے تمہارے نبی ﷺ کے لئے ایسی سنتیں جاری فرمائی ہیں جوسراسر ہدایت ہیں، اُن ہی میں سے یہ جماعت کی نمازیں بھی ہیں۔ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگو گے جیسا کہ فلاں شخص پڑھتا ہے تو تم نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑنے والے ہوگے اور یہ سمجھ لو کہ اگر تم نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔۔۔ ہم تو اپنا حال یہ دیکھتے تھے کہ جوشخص کھلم کھلا منافق ہوتا وہ تو جماعت سے رہ جاتا (ورنہ حضور کے زمانے میں عام منافقوں کو بھی جماعت چھوڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی) یا کوئی سخت بیمار، ورنہ جوشخص دو آدمیوں کے سہارے سے گھسٹتا ہوا جاسکتا تھا وہ بھی صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔ (مسلم)

☆ حضرت علیؓ فرماتے ہیں مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے علاوہ نہیں ہوتی۔ پوچھا گیا کہ مسجد کا پڑوسی کون ہے؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا: جوشخص اذان کی آواز سنے وہ مسجد کا پڑوسی ہے۔ (مسند احمد)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جوشخص اذان کی آواز سنے اور جماعت میں حاضر نہ ہو اس کے کان پگھلے ہوئے سیسہ سے بھر دئے جائیں، یہ بہتر ہے۔ (مسند احمد)

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کسی نے پوچھا کہ ایک شخص دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نفلیں پڑھتا ہے مگر جمعہ اور جماعت میں شریک نہیں ہوتا، (اس کے متعلق کیا حکم ہے؟) حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ شخص جہنمی ہے۔ (گو مسلمان ہونے کی وجہ سے سزا بھگت کر جہنم سے نکل جائے)۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو پانچوں فرض نمازیں، جماعت کے ساتھ ادا کرنے والا بنائے۔ آمین۔ ثم آمین۔ محمد نجیب قاسمی، ریاض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيمِ وَعَلىٰ آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْن.

قرآن وحدیث میں فجر اور عصر نمازوں کی خصوصی تاکید

نماز پڑھنے والوں میں سے ہمارے کچھ بھائی' فجر اورعصر خاص کر نماز فجر میں کوتاہی کرتے ہیں حالانکہ قرآن وحدیث میں اِن دونوں نمازوں (فجر اورعصر) کی خاص تاکید واہمیت مذکور ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات اوراحادیث سے معلوم ہوتا ہے:

☆ ﴿نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص درمیان والی نماز (یعنی عصر) کی۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ادب سے کھڑے رہو﴾۔ (سورہ البقرہ ۲۳۸)

☆ ﴿نماز کو قائم کرو آفتاب کے ڈھلنے سے لیکر رات کی تاریکی تک اور فجر کا قرآن پڑھنا بھی۔ یقیناً فجر کا قرآن پڑھنا حاضر کیا گیا ہے﴾ (یعنی اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں)۔ (سورہ بنی اسرائیل ۷۸)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص دو ٹھنڈی نمازیں (یعنی فجر اورعصر) پابندی سے پڑھتا ہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔(بخاری) تجربہ ہے کہ نمازِ فجر وعصر کا اہتمام کرنے والا' یقیناً دیگر تین نمازوں کا بھی اہتمام کرنے والا ہوگا۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص ہرگز جہنم میں داخل نہیں ہوگا جس نے سورج کے طلوع ہونے سے پہلے یعنی فجر اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے یعنی عصر کی نمازیں پابندی سے پڑھی ہونگی۔ (مسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارے پاس رات اور دن کے فرشتے باری باری آتے رہتے ہیں اور وہ فجر اورعصر کی نمازوں میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ پھر وہ فرشتے جو تمہارے پاس ہوتے ہیں، آسمان پر چلے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ سب سے زیادہ جانتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ہم انہیں نماز کی حالت میں چھوڑ کر رخصت ہوئے اور نماز ہی کی حالت میں انکے پاس پہنچے تھے۔ (بخاری ومسلم)

☆ آپ ﷺ نے چودھویں کے چاند کو دیکھا تو فرمایا: تم اپنے رب کو ایسے ہی دیکھوگے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو، تمہیں ذرا بھی شک وشبہ نہ ہوگا، لہذا تم اگر سورج کے طلوع اور غروب ہونے سے کی قبل نمازوں (فجر اورعصر) کا اہتمام کرسکو تو ضرور کرو۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ترجمہ: ﴿سورج کے طلوع اور غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی پاکی بیان کر﴾ (بخاری ومسلم)۔۔۔۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازوں کی پابندی، خاص کر فجر اورعصر کی نمازوں کے اہتمام سے جنت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار ہوگا جو جنت کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص فجر کی نماز پڑھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے (لہذا اسے نہ ستاؤ) اور اس بات کا خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں لئے ہوئے شخص کو ستانے کی وجہ سے تم سے کسی چیز کا مطالبہ نہ فرمائیں کیونکہ جس سے اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں لئے ہوئے شخص کے بارے میں مطالبہ فرمائیں گے اسکی پکڑ فرمائیں گے پھر اسے اوندھے منہ جہنم کی آگ میں ڈالدیں گے۔ (مسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے، گویا اس نے آدھی رات عبادت کی اور جو فجر کی نماز بھی جماعت کے ساتھ پڑھ لے گویا اس نے پوری رات عبادت کی۔ (مسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہوگئی، وہ ایسا ہے کہ گویا اس کے گھر کے لوگ اور مال و دولت سب چھین لیا گیا ہو۔ (بخاری و مسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی، اس کے سارے اعمال ضائع ہوگئے۔ (بخاری)

☆ نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایسے شخص کا تذکرہ کیا گیا جو صبح ہونے تک سوتا رہتا ہے (یعنی فجر کی نماز ادا نہیں کرتا ہے)۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایسے شخص کے کانوں میں شیطان پیشاب کردیتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

نمازِ فجر کی باجماعت ادائیگی میں معاون چند امور

اگر مندرجہ ذیل چند امور کا خاص اہتمام رکھا جائے تو ان شاء اللہ فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا آسان ہوگا:

۱) فجر کی نماز جماعت سے ادا کرنے کے فضائل ہمارے سامنے ہوں۔

۲) فجر کی نماز جماعت سے ادا نہ کرنے کی وعیدیں ہمیں معلوم ہوں۔

۳) رات کو حتی الامکان جلدی سوئیں۔

۴) سوتے وقت' فجر کی نماز جماعت سے ادا کرنے کا پختہ ارادہ کریں اور ارادہ کرنے میں مخلص بھی ہوں۔

۵) ایسے اسباب اختیار کریں جن سے فجر کی نماز کے لئے اٹھنا آسان ہو۔ مثلاً الارم Alarm والی گھڑی میں مناسب وقت پر الارم سیٹ کرکے اسکو مناسب جگہ پر رکھیں، یا کسی ایسے شخص سے جو فجر کی نماز کے لئے پابندی سے اٹھتا ہے گھنٹی بجانے یا کواڑ کھٹکھٹانے کی تاکید کردیں وغیرہ۔

۶) وضو کرکے اور اللہ کے ذکر کے ساتھ سوئیں کیونکہ اللہ کا نام لے کر سونے کی وجہ سے شیطان کے حملے سے حفاظت رہے گی۔

۷) اگر ممکن ہو تو دوپہر کا کھانا کھا کر تھوڑی دیر آرام کرلیا کریں۔

۸) مغرب سے قبل اور مغرب وعشاء کے درمیان نہ سوئیں۔

۹) دیگر چار نمازوں کی پابندی کریں، اسکی بدولت پانچویں کی توفیق ہوگی (ان شاء اللہ)۔

اگر ان امور کی رعایت کرکے سوئیں گے تو ان شاء اللہ فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا آسان ہوگا، پھر بھی اگر کسی دن اتفاق سے بیدار ہونے میں تاخیر ہوجائے تو جس وقت بھی آنکھ کھلے سب سے پہلے نماز ادا کرلیں۔ ان شاء اللہ تاخیر کا کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِیْن.

حضور اکرم ﷺ کا نماز کے ساتھ شغف اور تعلق

حضور اکرم ﷺ کا نماز کے ساتھ جو گہرا تعلق تھا، اور نماز میں جو آپ کی حالت اور کیفیت ہوا کرتی تھی، اس کا اندازہ قرآن وحدیث سے ادنی سی واقفیت رکھنے والا شخص بھی کرسکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ راتوں کو اتنی لمبی لمبی نمازیں ادا کرتے تھے۔ یہ نماز کے ساتھ خاص شغف اور تعلق کا ہی نتیجہ تھا۔۔۔ اس موضوع سے متعلق بے شمار واقعات احادیث میں موجود ہیں، جن میں سے چند احادیث وواقعات لکھ رہا ہوں :

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔۔۔۔ (مسند احمد، نسائی)

☆ جب نماز کا وقت ہوتا تو آپ ﷺ مسجد نبوی کے مؤذن حضرت بلالؓ سے ارشاد فرماتے: بلالؓ! اٹھو، نماز کا بندوبست کرکے ہمارے دل کو چین اور آرام پہنچاؤ ۔۔۔ (مسند احمد، ابوداؤد)

☆ حضور اکرم ﷺ کا نماز کے ساتھ گہرے تعلق کا واضح اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ ہجرت سے قبل آپ کو مکہ والوں نے طرح طرح سے ستایا، انھوں نے آپ پر ظلموں کے پہاڑ توڑے۔ چنانچہ کبھی آپ کی گردن میں چادر کا پھندا ڈالا گیا، کبھی آپ کے اوپر اونٹنی کی اوجھڑی اور گھر کا کوڑا ڈالا گیا، طائف میں آپ پر پتھر برسائے گئے، اسی طرح جنگ اُحد میں دشمنوں نے آپ کو زخمی کیا مگر آپ نے ان کے حق میں ایک مرتبہ بھی بددعا نہیں کی، لیکن غزوۂ خندق کے موقع پر جب دشمنوں نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کررکھی تھی، ایک دن آپ ﷺ کو عصر کی نماز سورج کے غروب ہونے تک پڑھنے کی مہلت نہیں ملی تو آپ ﷺ نے اُن دشمنانِ اسلام کے لئے اتنی سخت بددعا دی کہ ایسی سخت بددعا کسی دوسرے موقع پر آپ نے نہیں دی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿شَغَلُوْنِی عَنْ صَلاۃِ الْوُسْطٰی صَلاۃِ الْعَصْرِ مَلأَ اللّٰهُ بُیُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَاراً﴾ (ان لوگوں نے مجھے عصر کی نماز نہیں پڑھنے دی، اللہ ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھردے)۔ (بخاری، مسلم)

☆ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ رات کو قیام فرماتے یہاں تک کہ آپ کے پاؤں مبارک میں ورم آجاتا۔ میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا : اے اللہ کے رسول! آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ (اگر ہوتے بھی تو) معاف کردئے گئے ہیں، پھر آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں اپنے پروردگار کا شکرگزار بندہ نہ بنوں۔ (بخاری)۔

☆ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی عجیب بات جو آپ نے دیکھی ہو وہ سنادیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی کونسی بات عجیب نہ تھی۔ ایک رات میرے پاس تشریف لائے اور میرے ساتھ

میرے لحاف میں لیٹ گئے، پھر فرمانے لگے: چھوڑو، میں تو اپنے رب کی عبادت کروں۔ یہ فرما کر بستر سے اٹھے، وضو فرمایا پھر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور رونا شروع کر دیا یہاں تک کہ آنسو سینہ مبارک تک بہنے لگے۔ پھر رکوع فرمایا، اس میں بھی اسی طرح روتے رہے۔ پھر سجدہ فرمایا، اس میں بھی روتے رہے، پھر سجدہ سے اٹھے اور اسی طرح روتے رہے یہاں تک کہ حضرت بلالؓ نے صبح کی نماز کے لئے آواز دی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اتنا کیوں رو رہے ہیں جب کہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ (اگر ہوتے بھی تو) اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دئے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو کیا پھر میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ اور میں ایسا کیوں نہ کروں جب کہ آج رات مجھ پر ﴿اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالارْضِ وَاخْتِلافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ لآیَاتٍ لأُولِی الاَلْبَاب.. اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَاماً وَّقُعُوداً وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ﴾ سے سورہ آل عمران کے ختم تک کی آیات نازل ہوئی ہیں۔ (صحیح ابن حبان)

☆ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے رونے کی ایسی مسلسل آواز (سانس رکنے کی وجہ سے) آ رہی تھی جیسے چکی کی آواز ہوتی ہے۔ (ابو داؤد)

☆ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات' میں نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرا۔ آپ ﷺ مسجد میں (نفل) نماز پڑھ رہے تھے۔ میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا اور مجھے یہ خیال تھا کہ آپ ﷺ کو یہ معلوم نہیں کہ میں آپ کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے سورہ بقرہ شروع فرمائی۔ میں نے (اپنے دل میں کہا) کہ سو آیتوں پر رکوع فرمائیں گے لیکن جب آپ ﷺ نے سو آیتیں پڑھ لیں اور رکوع نہ فرمایا تو میں نے سوچا کہ دو سو آیتوں پر رکوع فرمائیں گے مگر دو سو آیتوں پر بھی رکوع نہ فرمایا تو مجھے خیال ہوا کہ سورہ کے ختم پر رکوع فرمائیں گے۔ جب آپ ﷺ نے سورہ ختم فرما دی تو اَللّٰهُمَّ! لَکَ الْحَمْدُ، تین مرتبہ پڑھا۔ پھر سورہ آل عمران شروع فرمائی تو میں نے خیال کیا کہ اس کے ختم پر تو رکوع فرما ہی لیں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ سورہ ختم فرمائی لیکن رکوع نہیں فرمایا اور تین مرتبہ اَللّٰهُمَّ! لَکَ الْحَمْدُ، پڑھا۔ پھر سورہ مائدہ شروع فرما دی۔ میں نے سوچا کہ سورہ مائدہ کے ختم پر رکوع فرمائیں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سورہ مائدہ کے ختم پر رکوع فرمایا تو میں نے آپ ﷺ کو رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیم پڑھتے سنا اور آپ اپنے ہونٹوں کو ہلا رہے تھے (جسکی وجہ سے) میں سمجھا کہ آپ ﷺ اس کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھ رہے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے سجدہ فرمایا اور میں نے آپ ﷺ کو سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الاعْلٰی پڑھتے سنا اور آپ اپنے ہونٹوں کو ہلا رہے تھے (جسکی وجہ سے) میں سمجھا کہ آپ ﷺ اس کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھ رہے ہیں جسکو میں نہیں سمجھ رہا تھا۔ پھر (دوسری رکعت میں) سورہ انعام شروع فرمائی تو میں آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے چھوڑ کر چلا گیا۔ (کیونکہ میں مزید رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کی ہمت نہ کر سکا)۔ (مصنف عبدالرزاق)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات' میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ نماز (تہجد) پڑھنے لگا، آپ ﷺ نے اتنا لمبا قیام فرمایا کہ میرے دل میں ایک غلط چیز کا خیال آنے لگا۔ پوچھا گیا کہ کس چیز کا خیال آنے لگا۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ خیال آیا کہ بیٹھ جاؤں یا نماز کو چھوڑ دوں (کیونکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اتنی لمبی نماز پڑھنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا)۔ (بخاری ومسلم)

☆ نبی اکرم ﷺ کا نماز کے ساتھ جو خاص تعلق تھا اسکا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مرض الوفات میں مرض کی شدت کے باوجود وفات سے چار دن پہلے یعنی جمعرات کی مغرب تک تمام نمازیں آپ ﷺ خود ہی پڑھایا کرتے تھے۔ عشاء کے وقت بیماری کی شدت کی وجہ سے مسجد جانے کی طاقت نہ رہی، پھر بھی دو تین مرتبہ غسل کیا تاکہ صحابہ کرام کو عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھائیں مگر ہر بار غشی طاری ہوگئی۔ بالآخر آپ ﷺ کے فرمان پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے نماز پڑھائی۔ ہفتہ یا اتوار کو نبی اکرم ﷺ نے جب اپنی طبیعت میں بہتری دیکھی تو دو آدمیوں کے سہارے سے چل کر ظہر کی نماز ادا کرنے کے لئے مسجد تشریف لائے۔ اگلے روز دوشنبہ کو نبی اکرم ﷺ انتقال فرما گئے۔

☆ حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلا آخری کلام (نماز، نماز اور غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرو) تھا۔ (ابوداؤد)

☆ حضرت ام سلمہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آخری وصیت یہ ارشاد فرمائی: نماز، نماز، اپنے غلاموں (اور ماتحت لوگوں) کے بارے میں اللہ سے ڈرو، یعنی ان کے حقوق ادا کرو۔ جس وقت آپ ﷺ نے یہ وصیت فرمائی، آپ کی زبان مبارک سے پورے لفظ نہیں نکل رہے تھے۔ (مسند احمد)

غرض نبی اکرم ﷺ نے زندگی کے آخری لمحات تک نماز کا اہتمام فرمایا اور امت کو بھی آخری وقت میں نماز کے اہتمام کرنے کی وصیت فرما گئے، یہ صرف نماز کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کا خاص تعلق اور شغف کا نتیجہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی آخری وقت تک نمازوں کا اہتمام کرنے والا بنائے۔ آمین۔ ثم آمین۔۔۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلیٰ آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْن.

بے نمازی اور نماز میں سستی کرنے والے کا شرعی حکم

تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فرض نماز جان بوجھ کر چھوڑنا بہت بڑا گناہ ہے۔ شریعت اسلامیہ میں زنا کرنے، چوری کرنے اور شراب پینے سے بھی بڑا گناہ' نماز کا ترک کرنا ہے۔ نماز' بالکلیہ نہ پڑھنے والوں یا صرف جمعہ وعیدین یا کبھی کبھی پڑھنے والوں کا قرآن وحدیث کی روشنی میں شرعی حکم کیا ہے۔ اس سلسلہ میں فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمینؒ نے اپنی کتاب ﴿رسالۃ فی حکم تارک الصلاۃ﴾ میں علماء کی مختلف رائیں تحریر کی ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

☆) حضرت امام احمد ابن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص کافر ہے اور ملتِ اسلامیہ سے نکل جاتا ہے۔ اسکی سزا یہ ہے کہ اگر توبہ کرکے نماز کی پابندی نہ کرے تو اسکو قتل کردیا جائے۔

☆) حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ نمازوں کو چھوڑنے والا کافر تو نہیں، البتہ اسکو قتل کیا جائیگا۔

☆) حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اسکو قتل نہیں کیا جائیگا، البتہ حاکم وقت اسکو جیل میں ڈال دے گا۔ اور وہ جیل ہی میں رہے گا یہاں تک کہ توبہ کرکے نماز شروع کردے یا پھر وہیں مرجائے۔

نماز کو ترک کرنے یا اس میں سستی کرنے پر قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ یہاں کیا جارہا ہے:

آیاتِ قرآنیہ:

☆ پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ انھوں نے نماز ضائع کردی اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے، وہ غی میں ڈالے جائیں گے۔ (سورہ مریم آیت ۵۹)۔ نماز نہ پڑھنے والوں کو جہنم کی انتہائی گہری اور شدید گرم وادی غی میں ڈالا جائے گا، جہاں خون اور پیپ بہتا ہے۔

☆ تمہیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے، نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ (سورۃ المدثر ۴۲ ۴۴) اہل جنت، جنت کے بالاخانوں میں بیٹھے جہنمیوں سے سوال کریں گے کہ کس وجہ سے تمہیں جہنم میں ڈالا گیا؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ہم دنیا میں نہ نماز پڑھتے تھے اور نہ ہی مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔۔۔ غور فرمائیں کہ جہنمی لوگوں نے جہنم میں ڈالے جانے کی سب سے پہلی وجہ نماز نہ پڑھنا بتلایا کیونکہ نماز ایمان کے بعد اسلام کا اہم اور بنیادی رکن ہے جو ہر مسلمان کے ذمہ ہے۔

☆ ان نمازیوں کے لئے خرابی (اور ویل نامی جہنم کی جگہ) ہے جو نماز سے غافل ہیں۔ (سورۃ الماعون ۴، ۵) اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو نماز یا تو پڑھتے ہی نہیں، یا پہلے پڑھتے رہے ہیں پھر سست ہو گئے یا جب جی چاہتا ہے پڑھ لیتے ہیں یا تاخیر سے پڑھنے کو معمول بنا لیتے ہیں یہ سارے مفہوم اس میں آجاتے ہیں' اس لئے نماز کی مذکورہ ساری کوتاہیوں سے بچنا چاہئے۔

☆ وہ (منافقین) کاہلی سے ہی نماز کو آتے ہیں اور بُرے دل سے ہی خرچ کرتے ہیں۔ (سورۃ التوبہ ۵۴) معلوم ہوا کہ نماز کو کاہلی یا سستی سے ادا کرنا منافقین کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔

احادیث شریفہ :

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمارے (اہل ایمان) اور ان کے (اہل کفر) درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے، لہذا جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔ (مسند احمد، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نماز کا چھوڑنا مسلمان کو کفر وشرک تک پہنچانے والا ہے۔ (صحیح مسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جان کر نماز نہ چھوڑو، جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے وہ مذہب سے نکل جاتا ہے۔(طبرانی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسلام میں اس شخص کا کوئی بھی حصہ نہیں جو نماز نہیں پڑھتا۔ (بزار)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص قرآن پاک یاد کر کے بھلا دیتا ہے اور جو فرض نماز چھوڑ کر سوتا رہتا ہے اس کا سر (قیامت کے دن) پتھر سے کچلا جائیگا۔ (بخاری)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ کسی کو نماز پڑھانے کا حکم دوں، پھر جمعہ نہ پڑھنے والوں کو ان کے گھروں سمیت جلا ڈالوں۔ (مسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے تین جمعہ غفلت کی وجہ سے چھوڑ دئے، اللہ تعالی اس کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں۔ (نسائی، ترمذی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص نماز کا اہتمام کرتا ہے تو نماز اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگی، اس (کے پورے ایماندار ہونے) کی دلیل ہوگی اور قیامت کے دن عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہوگی۔ اور جو شخص نماز کا اہتمام نہیں کرتا اس کے لئے قیامت کے دن نہ نور ہوگا، نہ (اسکے پورے ایماندار ہونے کی) کوئی دلیل ہوگی، نہ عذاب سے بچنے کا کوئی ذریعہ ہوگا۔ اور وہ قیامت کے دن فرعون، قارون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (صحیح ابن حبان، مسند احمد، طبرانی، بیہقی)

نماز پڑھئے قبل اس کے کہ آپ کی نماز پڑھی جائے۔ اللہ تعالی ہم سب کو نماز کا اہتمام کرنے والا بنائے۔ محمد نجیب قاسمی، ریاض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْم وَعَلىٰ آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْن.

نمازی کے سامنے سے گزرنے کی سزا

نمازی کے آگے سے گزرنا بڑا گناہ ہے۔ لہٰذا گزرنے والوں کو چاہئے کہ وہ نمازی کا خیال رکھیں۔ اسی طرح نماز پڑھنے والوں کو بھی چاہئے کہ وہ ایسی جگہ نماز پڑھیں جہاں سے گزرنے والوں کو پریشانی نہ ہو، اور اگر ایسی جگہ نہ ملے تو انہیں چاہئے کہ وہ اپنے سامنے کوئی چیز مثلاً کرسی یا لکڑی کا تختہ سُترہ کے طور پر رکھ لیں، جس کی اونچائی تقریباً ایک ذراع کے قریب (ایک فٹ سے کچھ زیادہ) ہو۔

نمازی کے سامنے سے گزرنے اور سُترہ کے متعلق چند احادیث:

☆ حضرت ابوجہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نمازی کے سامنے سے گزرنے والا اگر جان لے کہ اس پر کتنی بڑی سزا ہے تو وہ اس کے سامنے سے گزرنے کی بجائے چالیس تک ٹھہرا رہتا، تو یہ بہتر تھا۔ (بخاری۔ مسلم۔ موطا مالک)
ابو النضرؒ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں، آپ کی مراد چالیس دن تھی یا چالیس مہینہ یا چالیس سال۔ البتہ مسند احمد اور ابن ماجہ کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس سے آپ کی مراد چالیس سال ہے، یعنی نمازی کے آگے سے گزرنا نہیں چاہئے، خواہ ۴۰ سال تک کھڑا رہنا پڑے۔

☆ حضرت کعب احبارؓ فرماتے ہیں کہ اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو معلوم ہوجائے کہ اس پر کتنی سخت سزا ہے تو اس کے بدلے اگر وہ زمین میں دھنس جائے تو اس کے لئے نمازی کے سامنے سے گزرنے سے یہ بہتر ہے۔ (موطا مالک، باب التشدید فی ان یمر احد بین یدی المصلی)

☆ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے نماز کے سُترہ کی بابت پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: مؤخرۃ الرحل (کجاوہ کی کیل) کی طرح۔ (مسلم، سترۃ المصلّی)

علامہ نوویؒ اس کی تشریح فرماتے ہیں سُترہ کی کم از کم مقدار کجاوہ کی کیل جتنی ہوتی ہے جو کہ کلائی کی ہڈی اور دو تہائی ذراع کے برابر ہوتی ہے اور اسی طرح کی کوئی چیز کھڑی کرنے سے یہ مقصد حاصل ہوجائے گا۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عیدگاہ تشریف لے جاتے اور آپ کے آگے نیزہ بردار ہوتا۔ یہ نیزہ عیدگاہ میں آپ کے سامنے گاڑ دیا جاتا پھر آپ اس طرف نماز پڑھتے۔ (مسلم، سترۃ المصلّی)

چند ضروری مسائل :

☆ باجماعت نماز میں امام کا سُترہ سب کی طرف سے کافی ہے۔ پھر سُترہ کی موجودگی میں اگر کوئی شخص سامنے سے گزر جائے تو گنہگار نہیں ہوگا۔

☆ مسجدِ حرام (مکہ مکرمہ) میں نماز پڑھنے والوں کے آگے سے گزرنے کی گنجائش ہے۔ مسجد نبوی (مدینہ منورہ) کا حکم بھی مسجد حرام کی طرح ہے کہ وہاں پر بھی ازدحام زیادہ ہونے کی صورت میں نماز پڑھنے والوں کے آگے سے گزر سکتے ہیں۔ مگر دونوں مسجدوں (مسجد حرام اور مسجد نبوی) میں بھی نمازی کے آگے گزرنے سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کریں۔

☆ احادیث میں نمازی کے آگے سے گزرنے سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص مسجد میں بیٹھا ہوا ہے اور اس کے پیچھے کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے، تو یہ شخص نمازی کے آگے سے اٹھ کر جا سکتا ہے، کیونکہ یہ نمازی کے آگے سے گزرنا نہیں کہلایا جائے گا۔

☆ نمازی اگر کسی شخص کو اُس کے آگے سے گزرتا ہوا دیکھے، تو ایک ہاتھ کے اشارہ سے نمازی اُس گزرنے والے شخص کو روک سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص گزر ہی جائے تو نماز پڑھنے والے کی نماز اس سے فاسد نہیں ہوگی۔

☆ اگر سُترہ نہیں رکھا ہے تو تین چار صفوں کے بعد نمازی کے آگے سے گزرنے کی گنجائش ہے۔ دیگر علماء نے ایک صف کے بعد گزرنے کی اجازت دی ہے۔ مگر احتیاط اسی میں ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنے سے حتی الامکان بچیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات نمازی کے آگے سے گزرنے سے بچنے کی ہیں۔

☆ کسی ستون کے پیچھے نماز پڑھنے کی صورت میں ستون سُترہ کا بدل ہوجائے گا۔

☆ فرض نماز سے فراغت کے بعد فوراً ہی سنن یا نوافل کی نیت نہ باندھیں بلکہ کچھ دیر اللہ کا ذکر کرلیں یا دعائیں کرلیں۔ تاکہ جن حضرات کو کوئی ضرورت یا تقاضہ ہو تو وہ مسجد سے نکل سکیں۔

☆ یاد رکھیں کہ سنن و نوافل کا گھر پر پڑھنا زیادہ بہتر ہے، البتہ اگر کسی شخص کے لئے گھر پر سنن یا نوافل کا اہتمام دشوار ہے، تو وہ شخص فرض نماز سے فراغت کے بعد مسجد میں ہی سنن ادا کرلے۔

☆ خواتین گھر کے کسی کونے میں اس طرح نماز ادا کریں کہ کسی شخص کو اُس کے آگے سے گزرنا نہ پڑے۔ کسی کونے میں جگہ نہ ملنے کی صورت میں کوئی چیز سُترہ کے طور پر رکھ کر اس کے پیچھے نماز پڑھیں۔

محمد نجیب قاسمی سنبھلی، ریاض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ اَجْمَعِین۔

جمعہ کے فضائل، اہمیت، مسائل اور احکامات

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ساری کائنات پیدا فرمائی اور ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت دی...... سات دن بنائے، اور جمعہ کے دن کو دیگر ایام پر فوقیت دی۔ جمعہ کے فضائل واہمیت میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ہفتہ کے تمام ایام میں صرف جمعہ کے نام سے ہی قرآن کریم میں سورہ نازل ہوئی ہے جسکی رہتی دنیا تک تلاوت ہوتی رہے گی ان شاء اللہ۔

سورۂ جمعہ کا مختصر بیان:

سورۂ جمعہ مدنی سورہ ہے۔ اس سورہ میں ۱۱ آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ اس سورہ کی ابتدا اللہ جل شانہ کی تسبیح اور تعریف سے کی گئی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی چار صفتیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) الملک (بادشاہ) حقیقی ودائمی بادشاہ، جسکی بادشاہت پر کبھی زوال نہیں ہے۔

(۲) القدوس (پاک ذات) جو ہر عیب سے پاک وصاف ہے۔

(۳) العزیز (زبردست) جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں ہے، ساری کائنات کے بغیر سب کچھ کرنے والا ہے۔

(۴) الحکیم (حکمت والا) اُس کا ہر فیصلہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کی رسالت ونبوت کا ذکر کیا گیا ہے کہ ہم نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُنہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، اُن کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ پھر یہود ونصاریٰ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس سورہ کی آخری ۳ آیات میں نماز جمعہ کا تذکرہ ہے، جن کا ترجمہ یہ ہے:

> اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے، یعنی نماز کی اذان ہوجائے، تو اللہ کی یاد کے لئے جلدی کرو۔ اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہت ہی بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ﴿آیت ۹﴾
>
> اور جب نماز ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو یعنی رزق حلال تلاش کرو۔ اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔ یعنی نماز تو صرف اِسی جگہ ادا کرسکتے ہو لیکن ذکر ہر جگہ کرسکتے ہو۔ دیکھو مجھے بھول نہ جانا، کام کرتے ہوئے، محنت مزدوری وملازمت کرتے ہوئے ہر جگہ مجھے یاد رکھنا ﴿آیت ۱۰﴾
>
> جب لوگ سودا بکتا دیکھتے ہیں یا تماشہ ہوتا ہوا دیکھتے ہیں، تو اُدھر بھاگ جاتے ہیں اور تجھے کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔ تو فرمادیجئے جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے تماشے سے اور سودے سے، اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والے ہیں ﴿آیت ۱۱﴾

آخری آیت (نمبر ۱۱) کا شانِ نزول:

ابتداءِ اسلام میں جمعہ کی نماز پہلے اور خطبہ بعد میں ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کی نماز سے فراغت کے بعد خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک دحیہ بن خلیفہ کا قافلہ ملک شام سے غلّہ لیکر مدینہ منورہ پہنچا۔ اُس زمانے میں مدینہ منورہ میں غلّہ کی انتہائی کمی تھی۔ صحابہ کرام ﷺ نے سمجھا کہ نمازِ جمعہ سے فراغت ہوگئی ہے اور گھروں میں غلّہ نہیں ہے، کہیں سامان ختم نہ ہوجائے چنانچہ خطبۂ جمعہ چھوڑ کر باہر خرید وفروخت کے لئے چلے گئے۔ صرف ۱۲ صحابہ ﷺ مسجد میں رہ گئے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عراک بن مالکؓ جمعہ کی نماز سے فارغ ہوکر مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہوجاتے اور یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَجَبْتُ دَعْوَتَكَ، وَصَلَّيْتُ فَرِيْضَتَكَ، وَانْتَشَرْتُ كَمَا اَمَرْتَنِی فَارْزُقْنِی مِنْ فَضْلِكَ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِيْن۔

اے اللہ! میں نے تیری آواز پر حاضری دی، اور تیری فرض کردہ نماز ادا کی، پھر تیرے حکم کے مطابق اس مجمع سے اٹھ آیا، اب تو مجھے اپنا فضل نصیب فرما، تو سب سے بہتر روزی رساں ہے (ابن ابی حاتم)

تفسیر ابن کثیر۔

اس آیت کے پیش نظر بعض سلف صالحین نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد خرید وفروخت کرے اسے اللہ تعالیٰ ستر حصے زیادہ برکت دے گا (تفسیر ابن کثیر)

اذانِ جمعہ:

جس اذان کا اس آیت میں ذکر ہے اس سے مراد وہ اذان ہے جو امام کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں یہی ایک اذان تھی۔ جب آپ حجرہ سے تشریف لاتے، منبر پر جاتے، تو آپ کے منبر پر بیٹھنے کے بعد آپ ﷺ کے سامنے یہ اذان ہوتی تھی۔ اس سے پہلے کی اذان حضور اکرم ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانے میں نہیں تھی۔ حضرت عثمان بن عفانؓ کے زمانے میں جب لوگ بہت زیادہ ہوگئے تو آپ نے دوسری اذان ایک الگ مکان (زوراء) پر کہلوائی تاکہ لوگ نماز کی تیاری میں مشغول ہوجائیں۔ زوراء: مسجد کے قریب سب سے بلند مکان تھا۔

ایک اہم نقطہ:

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ارشاد فرمایا: جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے...... جب نماز سے فارغ ہوجائیں ...... یہ اذان کس طرح دیجائے؟ اس کے الفاظ کیا ہوں؟ نماز کس طرح ادا کریں؟ یہ قرآن کریم میں کہیں نہیں ہے، البتہ حدیث میں ہے۔ معلوم ہوا کہ حدیث کے بغیر قرآن کریم سمجھنا ممکن نہیں ہے۔

جمعه کا نام جمعه کیوں رکھا گیا:

اس کے مختلف اسباب ذکر کئے جاتے ہیں:

(۱) جمعہ جمع سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں جمع ہونا۔ کیونکہ مسلمان اِس دن بڑی مساجد میں جمع ہوتے ہیں اور امت مسلمہ کے اجتماعات ہوتے ہیں، اِس لئے اِس دن کو جمعہ کہا جاتا ہے۔

(۲) چھ دن میں اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان اور تمام مخلوق کو پیدا فرمایا۔ جمعہ کے دن مخلوقات کی تخلیق مکمل ہوئی یعنی ساری مخلوق اس دن جمع ہوگئی اس لئے اِس دن کو جمعہ کہا جاتا ہے۔

(۳) اِس دن یعنی جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے، یعنی اُن کو اِس دن جمع کیا گیا۔

اسلام کا پهلا جمعه:

یوم الجمعہ کو پہلے یوم العروبہ کہا جاتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت کرنے اور سورۂ جمعہ کے نزول سے قبل انصار صحابہ نے مدینہ منورہ میں دیکھا کہ یہودی ہفتہ کے دن، اور نصاریٰ اتوار کے دن جمع ہوکر عبادت کرتے ہیں۔ لہٰذا سب نے طے کیا کہ ہم بھی ایک دن اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لئے جمع ہوں۔ چنانچہ حضرت ابو امامہؓ کے پاس جمعہ کے دن لوگ جمع ہوئے، حضرت اسعد بن زرارہؓ نے دو رکعت نماز پڑھائی۔ لوگوں نے اپنے اِس اجتماع کی بنیاد پر اِس دن کا نام یوم الجمعہ رکھا۔ اس طرح سے یہ اسلام کا پہلا جمعہ ہے (تفسیر قرطبی)

نبی اکرم ﷺ کا پهلا جمعه:

نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کے وقت مدینہ منورہ کے قریب بنوعمرو بن عوف کی بستی قبا میں چند روز کے لئے قیام فرمایا۔ قُبا سے روانہ ہونے سے ایک روز قبل جمعرات کے دن آپ ﷺ نے مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ یہ اسلام کی پہلی مسجد ہے جس کی بنیاد تقوی پر رکھی گئی۔ جمعہ کے دن صبح کو نبی اکرم ﷺ قُبا سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے۔ جب بنو سالم بن عوف کی آبادی میں پہونچے تو جمعہ کا وقت ہوگیا، تو آپ ﷺ نے بطن وادی میں اُس مقام پر جمعہ پڑھایا جہاں اب مسجد (مسجد جمعہ) بنی ہوئی ہے۔ یہ نبی اکرم ﷺ کا پہلا جمعہ ہے (تفسیر قرطبی)

جمعه کے دن کی اهمیت:

یہودیوں نے ہفتہ کا دن پسند کیا جس میں مخلوق کی پیدائش شروع بھی نہیں ہوئی تھی، نصاریٰ نے اتوار کو اختیار کیا جس میں مخلوق کی پیدائش کی ابتدا ہوئی تھی۔ اور اِس امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جمعہ کو پسند فرمایا جس دن اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پورا کیا تھا۔ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے تو سب سے پیچھے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے۔ مسلم کی روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ قیامت کے دن تمام مخلوق میں سب سے پہلے فیصلہ ہمارے بارے میں ہوگا (ابن کثیر)

جمعه کے دن کی اهمیت کے متعلق چند احادیث:

☆...... رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جمعہ کا دن سارے دنوں کا سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں سارے دنوں میں سب سے زیادہ عظمت والا ہے۔ یہ دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن سے بھی زیادہ مرتبہ والا ہے۔ اس دن کی پانچ باتیں

خاص ہیں:

(۱) اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔

(۲) اِسی دن اُن کو زمین پر اتارا۔

(۳) اِسی دن اُن کو موت دی۔

(۴) اِس دن میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ بندہ اس میں جو چیز بھی مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ضرور عطا فرماتے ہیں بشرطیکہ کسی حرام چیز کا سوال نہ کرے۔

(۵) اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔تمام مقرب فرشتے، آسمان، زمین، ہوائیں، پہاڑ، سمندر سب جمعہ کے دن سے گھبراتے ہیں کہ کہیں قیامت قائم نہ ہوجائے اس لئے کہ قیامت جمعہ کے دن ہی آئے گی (ابن ماجہ)

☆......رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: سورج کے طلوع وغروب والے دنوں میں کوئی بھی دن جمعہ کے دن سے افضل نہیں ،یعنی جمعہ کا دن تمام دنوں سے افضل ہے (صحیح ابن حبان)

☆......رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ جمعہ کے دن ارشادفرمایا:
مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے اِس دن کوتمہارے لئے عید کا دن بنایا ہے لہذا اِس دن غسل کیا کرو اورمسواک کیا کرو (طبرانی، مجمع الزوائد) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا دن ہفتہ کی عید ہے۔

☆......اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام کی سورۂ بروج میں ﴿وشاھد ومشھود﴾ کے ذریعہ قسم کھائی ہے۔شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے یعنی اِس دن جس نے جوبھی عمل کیا ہوگا یہ جمعہ کا دن قیامت کے دن اُس کی گواہی دے گا۔

☆......رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے افضل نماز جمعہ کے دن فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہے (طبرانی، بزار)

☆......جہنم کی آگ روزانہ دہکائی جاتی ہے مگر جمعہ کے دن اسکی عظمت اور خاص اہمیت وفضیلت کی وجہ سے جہنم کی آگ نہیں دہکائی جاتی (زادالمعاد ۱ / ۳۸۷)

جمعہ کے دن قبولیت والی گھڑی کی تعیین:

☆......رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کا ذکر کیا اورفرمایا: اس میں ایک گھڑی ایسی ہے جس میں کوئی مسلمان نماز پڑھے، اور اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کوعنایت فرمادیتا ہے اور ہاتھ کے اشارے سے آپ ﷺ نے واضح فرمایا کہ وہ ساعت مختصر سی ہے (بخاری)

☆......رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: وہ گھڑی خطبہ شروع ہونے سے لیکر نماز کے ختم ہونے تک کا درمیانی وقت ہے (مسلم)

☆......رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ مسلمان بندہ جو مانگتا ہے، اللہ اُس کوضرور عطا فرماتے ہیں۔اوروہ گھڑی عصر کے بعد ہوتی ہے (مسند احمد)

مذکورہ ودیگر احادیث کی روشنی میں جمعہ کے دن قبولیت والی گھڑی کے متعلق علماء نے دو وقتوں کی تحدید کی ہے:

(۱) دونوں خطبوں کا درمیانی وقت، جب امام منبر پر کچھ لحات کے لئے بیٹھتا ہے۔

(۲) غروب آفتاب سے کچھ وقت قبل۔

نماز جمعہ کی فضیلت:

☆...... رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: پانچوں نمازیں، جمعہ کی نماز پچھلے جمعہ تک اور رمضان کے روزے پچھلے رمضان تک درمیانی اوقات کے گناہوں کے لئے کفارہ ہیں جبکہ اِن اعمال کو کرنے والا بڑے گناہوں سے بچے (مسلم) یعنی چھوٹے گناہوں کی معافی ہوجاتی ہے۔

☆...... رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جوشخص اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر جمعہ کی نماز کے لئے آتا ہے، خوب دھیان سے خطبہ سنتا ہے اور خطبہ کے دوران خاموش رہتا ہے تو اس جمعہ سے گزشتہ جمعہ تک ، اورمزید تین دن کے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں (مسلم)

جمعہ کی نماز کے لئے مسجد جلدی پھونچنا:

☆...... رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جوشخص جمعہ کے دن جنابت کے غسل کی طرح غسل کرتا ہے یعنی اہتمام کے ساتھ پھر پہلی فرصت میں مسجد جاتا ہے گویا اس نے اللہ کی خوشنودی کے لئے اونٹنی قربان کی۔ جو دوسری فرصت میں مسجد جاتا ہے گویا اس نے گائے قربان کی۔ جوتیسری فرصت میں مسجد جاتا ہے گویا اس نے مینڈھا قربان کیا۔ جو چوتھی فرصت میں جاتا ہے گویا اس نے مرغی قربان کی۔جو پانچویں فرصت میں جاتا ہے گویا اس نے انڈے سے اللہ کی خوشنودی حاصل کی۔پھر جب امام خطبہ کے لئے نکل آتا ہے تو فرشتے خطبہ میں شریک ہوکر خطبہ سننے لگتے ہیں (بخاری،مسلم)

یہ فرصت (گھڑی) کس وقت سےشروع ہوتی ہے، علماء کی چند آراء ہیں۔ مگر خلاصہ کلام یہ ہے کہ حتی الامکان مسجد جلدی پہونچیں۔ اگر زیادہ جلدی نہ جاسکیں تو کم ازکم خطبہ شروع ہونے سے کچھ وقت قبل ضرور مسجد پہونچ جائیں۔

☆...... رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے ہر دروازے پر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ پہلے آنے والے کا نام پہلے، اس کے بعد آنے والے کا نام اس کے بعد لکھتے ہیں(اسی طرح آنے والوں کے نام ان کے آنے کی ترتیب سے لکھتے رہتے ہیں)۔ جب امام خطبہ دینے کے لئے آتا ہے تو فرشتے اپنے رجسٹر (جن میں آنے والوں کے نام لکھے گئے ہیں) بند کردیتے ہیں اورخطبہ سننے میں مشغول ہوجاتے ہیں (مسلم)

☆...... خطبہ جمعہ شروع ہونے کے بعد مسجد پہونچنے والے حضرات کی نمازِ جمعہ تو ادا ہوجاتی ہے، مگر نمازِ جمعہ کی فضیلت اُن کو حاصل نہیں ہوتی۔

خطبۂ جمعہ:

جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ نماز سے قبل دو خطبے دئے جائیں۔کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ جمعہ کے دن دو

خطبے دئے (مسلم)

دونوں خطبوں کے درمیان خطیب کا بیٹھنا بھی سنت ہے (مسلم) منبر پر کھڑے ہوکر ہاتھ میں عصا لے کر خطبہ دینا سنت ہے۔

دورانِ خطبہ کسی طرح کی بات کرنا حتی کہ نصیحت کرنا بھی منع ھے۔

☆...... رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جس نے جمعہ کے روز دورانِ خطبہ اپنے ساتھی سے کہا (خاموش رہو) اس نے بھی لغو کام کیا (مسلم)

☆...... رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جس شخص نے کنکریوں کو ہاتھ لگایا یعنی دورانِ خطبہ اُن سے کھیلتا رہا (یا ہاتھ، چٹائی، کپڑے وغیرہ سے کھیلتا رہا) تو اس نے فضول کام کیا (اور اس کی وجہ سے جمعہ کا خاص ثواب ضائع کردیا) (مسلم)

☆...... رسول اللہ ﷺ نے خطبہ کے دوران گوٹھ مارکر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے (ترمذی)

(آدمی اپنے گھٹنے کھڑے کرکے رانوں کو پیٹ سے لگاکر دونوں ہاتھوں کو باندھ لے تو اسے گوٹھ مارنا کہتے ہیں)۔

☆...... حضرت عبداللہ بن بسرؓ فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کے دن منبر کے قریب بیٹھا ہوا تھا، ایک شخص لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتا ہوا آیا جبکہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: بیٹھ جا، تو نے تکلیف دی اور تاخیر کی (صحیح ابن حبان)

نوٹ: جب امام خطبہ دے رہا ہو تو لوگوں کی گردنوں کو پھلانگ کر آگے جانا منع ہے، بلکہ پیچھے جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائے۔

جمعہ کی نماز کا حکم:

☆...... جمعہ کی نماز ہر اُس مسلمان، صحت مند، بالغ، مرد کے لئے ضروری ہے جو کسی شہر یا ایسے علاقے میں مقیم ہو جہاں روزمرہ کی ضروریات مہیا ہوں۔ معلوم ہوا کہ عورتوں، بچوں، مسافر اور مریض کے لئے جمعہ کی نماز ضروری نہیں ہے۔ البتہ عورتیں، بچے، مسافر اور مریض اگر جمعہ کی نماز میں حاضر ہوجائیں تو نماز ادا ہوجائیگی۔ ورنہ اِن حضرات کو جمعہ کی نماز کی جگہ ظہر کی نماز ادا کرنی ہوگی۔

☆...... اگر آپ صحراء میں ہیں جہاں کوئی نہیں، یا ہوائی جہاز میں سوار ہیں تو آپ ظہر کی نماز ادا فرمالیں۔

☆...... نمازِ جمعہ کی دو رکعت فرض ہیں، جس کے لئے جماعت کی نماز شرط ہے۔ جمعہ کی دونوں رکعت میں جہری قراءت ضروری ہے۔ نمازِ جمعہ میں سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ، یا سورۃ الجمعہ اور سورۃ المنافقون کی تلاوت کرنا مسنون ہے۔

جمعہ کے چند سنن و آداب:

جمعہ کے دن غسل کرنا واجب یا سنتِ مؤکدہ ہے، یعنی عذرِ شرعی کے بغیر جمعہ کے دن کے غسل کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔ پاکی کا اہتمام کرنا، تیل لگانا، خوشبو استعمال کرنا، اور حسبِ استطاعت اچھے کپڑے پہننا سنت ہے۔

☆...... نبی اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا: جمعہ کے دن کا غسل گناہوں کو بالوں کی جڑوں تک سے نکال دیتا ہے، یعنی صغائر گناہ معاف ہوجاتے ہیں، بڑے گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ اگر صغائر گناہ نہیں ہیں تو نیکیوں میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ (طبرانی، مجمع الزوائد)

☆...... نبی اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا: جوشخص جمعہ کے دن غسل کرتا ہے، جتنا ہوسکے پاکی کا اہتمام کرتا ہے اور تیل لگاتا

ہے یا خوشبو استعمال کرتا ہے، پھر مسجد جاتا ہے، مسجد پہنچ کر جو دو آدمی پہلے سے بیٹھے ہوں ان کے درمیان میں نہیں بیٹھتا، اور جتنی توفیق ہو جمعہ سے پہلے نماز پڑھتا ہے، پھر جب امام خطبہ دیتا ہے اس کو توجہ اور خاموشی سے سنتا ہے تو اس شخص کے اِس جمعہ سے گزشتہ جمعہ تک کے گناہوں کو معاف کردیا جاتا ہے (بخاری)

☆...... نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسل کیا، پھر مسجد میں آیا، اور جتنی نماز اس کے مقدر میں تھی ادا کی، پھر خطبہ ہونے تک خاموش رہا اور امام کے ساتھ فرض نماز ادا کی، اس کے جمعہ سے جمعہ تک اور مزید تین دن کے گناہ بخش دئے جاتے ہیں (مسلم)

☆...... نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن غسل کرتا ہے، اگر خوشبو ہو تو اسے بھی استعمال کرتا ہے، اچھے کپڑے پہنتا ہے، اس کے بعد مسجد جاتا ہے، پھر مسجد آکر اگر موقع ہو تو نفل نماز پڑھ لیتا ہے اور کسی کو تکلیف نہیں پہونچاتا۔ پھر جب امام خطبہ دینے کے لئے آتا ہے اس وقت سے نماز ہونے تک خاموش رہتا ہے یعنی کوئی بات چیت نہیں کرتا تو یہ اعمال اس جمعہ سے گزشتہ جمعہ تک کے گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہو جاتے ہیں (مسند احمد)

سننِ جمعہ:

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز سے قبل بابرکت گھڑیوں میں جتنی زیادہ سے زیادہ نماز پڑھ سکیں، پڑھیں۔ کم از کم خطبہ شروع ہونے سے پہلے چار رکعتیں تو پڑھ ہی لیں جیسا کہ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ صفحہ ۱۳۱) میں مذکور ہے: مشہور تابعی حضرت ابراہیم ؒ فرماتے ہیں کہ حضراتِ صحابہ کرام نمازِ جمعہ سے پہلے چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے (نماز پیمبر صفحہ ۲۷۹)

نمازِ جمعہ کے بعد دو رکعتیں یا چار رکعتیں یا چھ رکعتیں پڑھیں، یہ تینوں عمل نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام سے ثابت ہیں۔ بہتر یہ ہے کے چھ رکعت پڑھ لیں تا کہ تمام احادیث پر عمل ہوجائے اور چھ رکعتوں کا ثواب بھی مل جائے۔ اسی لئے علامہ ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے جمعہ کے بعد چار رکعات پڑھنی چاہئیں، اور حضراتِ صحابہ کرام سے چھ رکعات بھی منقول ہیں (مختصر فتاوی ابن تیمیہ، صفحہ ۷۹) (نماز پیمبر صفحہ ۲۸۱)

☆...... رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز پڑھ لے تو اس کے بعد ۴ رکعتیں پڑھے (مسلم)

☆...... حضرت سالم ؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے (مسلم)

☆...... حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عمر بن عبد اللہ ؓ کو جمعہ کے بعد نماز پڑھتے دیکھا کہ جس مصلّی پر آپ نے جمعہ پڑھا اس سے تھوڑا سا ہٹ جاتے تھے، پھر دو رکعتیں پڑھتے، پھر چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ میں نے حضرت عطاءؒ سے پوچھا کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو کتنی مرتبہ ایسا کرتے دیکھا؟ انھوں نے فرمایا کہ بہت مرتبہ (ابو داؤد)

نماز جمعہ چھوڑنے پر وعیدیں:

☆...... نبی اکرم ﷺ نے نمازِ جمعہ نہ پڑھنے والوں کے بارے میں فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ کسی کو نماز پڑھانے کا حکم دوں پھر جمعہ نہ پڑھنے والوں کو اُن کے گھروں سمیت جلا ڈالوں (مسلم)

☆...... رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: خبردار! لوگ جمعہ چھوڑنے سے رک جائیں یا پھر اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں پر مہر لگادے گا، پھر یہ لوگ غافلین میں سے ہوجائیں گے (مسلم)

☆...... رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے تین جمعہ غفلت کی وجہ سے چھوڑ دئے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا (نسائی، ابن ماجہ، ترمذی، ابوداؤد)

جمعہ کی نماز کے لئے پیدل جانا:

☆......حضرت یزید بن ابی مریم ؒ فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کی نماز کے لئے پیدل جارہا تھا کہ حضرت عبایہ بن رافع ؒ مجھے مل گئے اورفرمانے لگے تمہیں خوشخبری ہو کہ تمہارے یہ قدم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہیں۔ میں نے ابوعبس ؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جو قدم اللہ کے راستہ میں غبار آلود ہوئے تو وہ قدم جہنم کی آگ پر حرام ہیں (ترمذی) اسی مضمون کی روایت کچھ لفظی اختلاف کے ساتھ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔

جمعہ کے دن یا رات میں سورۂ کہف کی تلاوت:

☆...... نبی اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا: جوشخص سورۂ کہف کی تلاوت جمعہ کے دن کرے گا، آئندہ جمعہ تک اس کے لئے ایک خاص نور کی روشنی رہے گی (نسائی، بیہقی، حاکم)۔

☆......سورۂ کہف کے پڑھنے سے گھر میں سکینت وبرکت نازل ہوتی ہے۔حضرت براء بن عازب ؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ نے سورۂ کہف پڑھی، گھر میں ایک جانور تھا، وہ بدکنا شروع ہوگیا، انہوں نے غور سے دیکھا کہ کیا بات ہے؟ تو انہیں ایک بادل نظر آیا جس نے انہیں ڈھانپ رکھا تھا۔صحابی ؓ نے اس واقعہ کا ذکر جب نبی اکرم ﷺ سے کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: سورۂ کہف پڑھا کرو۔قرآن کریم پڑھتے وقت سکینت نازل ہوتی ہے (صحیح البخاری،فضل سورۃ الکہف۔مسلم،کتاب الصلاۃ)

جمعہ کے دن درود شریف پڑھنے کی خاص فضیلت:

☆...... نبی اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا: تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے۔اِس دن کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود پڑھنا مجھے پہونچایا جاتا ہے (مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، صحیح ابن حبان)

☆...... نبی اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا: جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کثرت سے درود پڑھا کرو، جو ایسا کرے گا میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا (بیہقی)

جمعہ کے دن یا رات میں انتقال کرجانے والے کی خاص فضیلت:

☆...... نبی اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا: جومسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں انتقال کرجائے، اللہ تعالیٰ اُس کو قبر کے فتنہ سے محفوظ فرمادیتے ہیں (مسند احمد، ترمذی)

محمد نجیب قاسمی، ریاض (najeebqasmi@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْن.

نمازِ حاجت (صلاۃ الحاجۃ)

نماز اللہ تبارک وتعالیٰ سے تعلق قائم کرنے اور اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کو مانگنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں ارشاد فرماتا ہے: يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اسْتَعِيْنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ (سورہ البقرہ ۱۵۳) اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد چاہو۔۔۔ وَاسْتَعِيْنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ (سورہ البقرۃ ۴۵) صبر اور نماز کے ذریعہ مدد طلب کرو۔۔۔۔۔ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ (سورہ المائدۃ ۱۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم رکھو۔

لہذا جب بھی کوئی پریشانی یا مصیبت سامنے آئے تو ہمیں چاہئے کہ صبر کریں اور نماز کا خاص اہتمام کرکے اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کریں۔ حضور اکرم ﷺ بھی ہر پریشانی کے وقت نماز کی طرف متوجہ ہوتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے: حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو جب بھی کوئی اہم معاملہ پیش آتا، آپ ﷺ فوراً نماز کا اہتمام فرماتے (ابوداؤد ومسند احمد)۔

نبی اکرم ﷺ پانچ فرض نمازوں کے علاوہ نمازِ تہجد، نمازِ اشراق، نمازِ چاشت، تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد کا بھی اہتمام فرماتے۔ اور پھر خاص خاص مواقع پر اپنے رب کے حضور توبہ واستغفار کے لئے نماز ہی کو ذریعہ بناتے۔ سورج گرہن یا چاند گرہن ہوتا تو مسجد تشریف لے جاتے۔ زلزلہ، آندھی یا طوفان حتی کہ تیز ہوا بھی چلتی تو مسجد تشریف لے جاکر نماز میں مشغول ہوجاتے۔ فاقہ کی نوبت آتی یا کوئی دوسری پریشانی یا تکلیف پہنچتی تو مسجد تشریف لے جاتے۔ سفر سے واپسی ہوتی تو پہلے مسجد تشریف لے جاکر نماز ادا کرتے۔ اس لئے ہمیں بھی چاہئے کہ نمازوں کا خاص اہتمام کریں۔ اور اگر کوئی پریشانی یا مصیبت آئے تو نماز ادا کرکے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنی دنیاوی اور اخروی ضرورت کو مانگنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت نماز' اطمینان، سکون اور خشوع وخضوع سے پڑھکر خوب عاجزی وانکساری کے ساتھ اللہ جل شانہ سے دعائیں کریں۔ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ سے یا کسی آدمی سے کوئی حاجت ہو تو وہ اچھی طرح وضو کرے، پھر دو رکعت نماز ادا کرے، پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرے، رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے اور یہ دعا پڑھے (ترجمہ): اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بہت بردبار اور نہایت کرم کرنے والا ہے، (ہر عیب سے) پاک اور عرشِ عظیم کا مالک ہے، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ (یا اللہ!) میں تجھ سے تیری رحمت کے اسباب اور تیری بخشش کے وسائل، نیز ہر نیکی سے حصہ پانے اور ہر گناہ سے محفوظ رہنے کا سوال کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین! میرے تمام گناہ معاف فرمادیجئے، میری ساری پریشانیاں دور کردیجئے، اور میری تمام ضرورتیں جو تیری پسندیدہ ہوں پوری فرمادیجئے۔ (ترمذی، ابن ماجہ) پھر جو ضرورت ہے اس کو اللہ تعالیٰ سے خوب مانگیں۔

حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے اچھی طرح وضو کیا پھر خشوع وخضوع سے دو رکعت نماز پڑھی، اللہ تعالیٰ اس کے سوال کو پورا کرے گا، جلد یا دیر سے (جیسے چاہے)۔ (مسند احمد) محمد نجیب قاسمی، ریاض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم وَعَلٰی آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْن.

نمازِ جنازہ

دنیا میں ہر انسان کی زندگی طے شدہ ہے۔ وقت معین آنے کے بعد ایک لحہ کی بھی مہلت نہیں دی جاتی۔ مقررہ وقت پر اس دنیا سے قبر والے گھر کی طرف منتقل ہونا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے:

﴿ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾ جب ان کا وقت آپہنچا پھر ایک سیکنڈ اِدھر اُدھر نہیں ہوسکتا۔ ﴿ وَلَن یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْساً اِذَا جَآءَ اَجَلُھَا ﴾ جب کسی کا مقررہ وقت آجاتا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ ہرگز مہلت نہیں دیتا ہے۔ ﴿ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْت ﴾ ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

انتقال کے بعد جتنی جلدی ہوسکے میت کو غسل وکفن کے بعد اس کی نمازِ جنازہ کا اہتمام کرنا چاہئے۔ نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے، یعنی اگر دو چار لوگ بھی پڑھ لیں تو فرض ادا ہوجائیگا۔ لیکن جس قدر بھی زیادہ آدمی ہوں اسی قدر میت کے حق میں اچھا ہے کیونکہ نہ معلوم کس کی دعا لگ جائے اور میت کی مغفرت ہوجائے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

☆ اگر کسی جنازہ میں ۱۰۰ مسلمان شریک ہوکر اس میت کے لئے شفاعت کریں (یعنی نمازِ جنازہ پڑھیں) تو ان کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ (مسلم)

☆ اگر کسی مسلمان کے انتقال پر ایسے ۴۰ آدمی جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے ہیں، اس کی نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت (دعا) کو میت کے حق میں قبول فرماتا ہے۔ (مسلم)

نمازِ جنازہ کی اتنی فضیلت ہونے کے باوجود، انتہائی افسوس اور فکر کی بات ہے کہ باپ کا جنازہ نماز کے لئے رکھا ہوا ہے اور بیٹا نمازِ جنازہ میں اس لئے شریک نہیں ہورہا ہے کہ اس کو جنازہ کی نماز پڑھنی نہیں آتی۔ حالانکہ جنازہ کی دعا اگر یاد نہیں ہے تب بھی نمازِ جنازہ میں ضرور شریک ہونا چاہئے، تاکہ جو رشتہ دار یا دوست یا کوئی بھی مسلمان اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف کوچ کررہا ہے، اس کے لئے ایک ایسے اہم کام (نمازِ جنازہ کی ادائیگی) میں ہماری شرکت ہوجائے جو اُس کی مغفرت کا سبب بن سکتا ہے۔

نمازِ جنازہ میں چار تکبیریں (یعنی چار مرتبہ اللہ اکبر کہنا) ضروری ہیں، جن کی ترتیب اس طرح سے ہے:

پہلی تکبیر کے بعد: ثنا (سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ)، یا پھر حمد وثنا کے طور پر سورہ فاتحہ پڑھ لیں۔

دوسری تکبیر کے بعد: درود شریف پڑھ لیں۔ (صرف اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّد پڑھنا بھی کافی ہے)۔

تیسری تکبیر کے بعد: جنازہ کی دعا پڑھیں۔ (احادیث میں دعا کے مختلف الفاظ مذکور ہیں، یاد نہ ہونے پر صرف اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَات پڑھ لیں)

چوتھی تکبیر کے بعد: سلام پھیردیں۔ (ایک طرف سلام پھیرنا کافی ہے، دونوں طرف سلام پھیرنا بھی نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔(مسلم)

مسائلِ متفرقہ:

☆ نمازِ جنازہ میں تکبیرِ اولیٰ کے وقت یقیناً دونوں ہاتھ اٹھائے جائیں گے، البتہ دوسری، تیسری اور چوتھی تکبیر کے وقت رفع یدین کرنے یا نہ کرنے میں علماء کا اختلاف ہے، ان شاء اللہ دونوں شکلوں میں کامل نماز ادا ہوگی۔

☆ اگر نمازِ جنازہ میں ایک، دو یا تین تکبیر چھوٹ گئی ہیں تو صف میں کھڑے ہوکر امام کی اگلی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہہ کر جماعت میں شریک ہو جائیں۔ امام کے سلام پھیرنے کے بعد صرف چھوٹی ہوئی تکبیریں (یعنی اللہ اکبر) کہہ کر جلدی سے سلام پھیر دیں، کیونکہ چار تکبیریں کہنے پر نمازِ جنازہ ادا ہو جائے گی، ان شاء اللہ۔

☆ حرمین میں تقریباً ہر نماز کے بعد جنازہ کی نماز ہوتی ہے، لہذا فرض نماز سے فراغت کے بعد فوراً ہی سنن ونوافل کی نیت نہ باندھیں، بلکہ تھوڑی دیر انتظار کر لیں، کیونکہ نمازِ جنازہ پڑھنے والے کو بھی اجر وثواب ملتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مسلمان کے جنازے میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے ساتھ چلا یہاں تک کہ اسکی نمازِ جنازہ پڑھی اور اسکو دفن کرنے میں بھی شریک رہا تو وہ دو قیراط اجر (ثواب) لیکر لوٹتا ہے اور ہر قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہے۔ اور جو شخص نماز جنازہ میں شریک ہوا مگر تدفین سے پہلے ہی واپس آ گیا تو وہ ایک قیراط اجر (ثواب) کے ساتھ لوٹتا ہے۔ (بخاری ۔ مسلم)

☆ جنازہ کی نماز مسجد کے باہر کسی میدان میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ البتہ مسجد کے باہر جگہ نہ ملنے کی صورت میں مسجد میں بھی نمازِ جنازہ ادا کی جا سکتی ہے۔ حرمین میں بغیر کسی کراہیت کے نمازِ جنازہ ادا کی جا سکتی ہے۔

☆ حرمین میں خواتین بھی نمازِ جنازہ میں شریک ہو سکتی ہیں۔

☆ نمازِ جنازہ کی ادائیگی کے لئے طہارت یعنی کپڑوں اور بدن کا پاک ہونا، اسی طرح وضو کا ہونا ضروری ہے۔

☆ نمازِ جنازہ میں اگر لوگ کم ہوں تب بھی تین صفوں میں لوگوں کا کھڑا ہونا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ بعض احادیث میں جنازہ کی تین صفوں کی خاص فضیلت وارد ہوئی ہے۔ (ابوداؤد)

☆ دیگر نمازوں کی طرح' مذکورہ تین اوقات میں نمازِ جنازہ بھی پڑھنے سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے:

۱) سورج طلوع ہونے کے وقت۔ ۲) زوال (ٹھیک دوپہر) کے وقت۔ ۳) سورج ڈوبنے کے وقت

☆ اگر جوتے ناپاک ہوں تو ان کو پہن کر نمازِ جنازہ ادا نہیں کی جا سکتی۔

☆ جنازہ کی نماز میں تکبیر کہتے ہوئے آسمان کی طرف منہ اٹھانا بے اصل ہے۔

☆ اگر کسی مسلمان کو بغیر نمازِ جنازہ کے دفن کر دیا گیا ہو تو جب تک نعش کے پھٹ جانے کا اندیشہ نہ ہو اسکی قبر پر نمازِ جنازہ ادا کی جا سکتی ہے۔

☆ کافر شخص کی نمازِ جنازہ ادا نہیں کی جائے گی، اسی طرح غسل یا کفن کا اہتمام بھی کافر شخص کے لئے نہیں ہے۔

☆ جس شہر یا جس علاقہ میں انتقال ہوا ہے اسی جگہ میت کو دفن کرنا زیادہ بہتر ہے، اگرچہ دوسرے شہر یا دوسرے ملک میں میت کو منتقل کرکے وہاں دفن کرنا جائز ہے۔

☆ جو حضرات جنازہ کے ساتھ قبرستان جارہے ہیں، اُن کو قبرستان میں جنازہ زمین پر رکھنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے۔

☆ جنازہ کو قبرستان کی طرف تھوڑا تیز چل کرلے جانا بہتر ہے۔ جنازے کے دائیں بائیں پیچھے آگے ہر طرف چل سکتے ہیں۔ البتہ آگے چلنے کے مقابلے میں جنازہ کے پیچھے چلنا زیادہ بہتر ہے۔

☆ نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق ایک دو دن میت کے گھر کھانا بھیجنا اخلاق حسنہ کا ایک نمونہ ہے۔(مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی)۔ البتہ میت کے گھر والوں کا رشتہ داروں کو جمع کرکے اُن کو کھانا کھلانے کا خاص انتظام کرنا غلط ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ (ابن ماجہ ۱۶۱۲۔ مسند احمد ۶۹۰۵)

نوحہ گری:

کسی رشتہ دار کے انتقال پر دل یقیناً غمگین ہوتا ہے۔آنکھ سے آنسو بھی بہتے ہیں۔مگر آواز بلند اور مختلف لہجوں کے ساتھ رونے سے گریز کیا جائے کیونکہ اس سے میت کو تکلیف ہوتی ہے۔حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نوحہ گری کی وجہ سے میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: گھر والوں کے زیادہ رونے پیٹنے کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔ (مسلم: اَلْمَيِّتُ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ اَهْلِهِ)

غائبانہ نماز جنازہ :

اگر کوئی مسلمان ایسے علاقہ میں فوت ہوجائے جہاں اس کی نماز جنازہ ادا نہیں کی گئی تو ایسے شخص کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔ شاہ حبشہ نجاشی فوت ہوئے تو وہاں کوئی اور مسلمان نہیں تھا، لہذا خود حضور اکرم ﷺ نے ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا فرمائی۔ اس واقعہ کے علاوہ کسی کی غائبانہ نمازِ جنازہ نبی اکرم ﷺ نے نہیں پڑھی۔آپ ﷺ کے بہت سے جان نثار صحابہؓ، قراء صحابہؓ، آپ کے چچا زاد بھائی حضرت جعفر طیارؓ، آپ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہؓ ان سب کا انتقال حالتِ سفر میں ہوا۔ آپ ﷺ کو مدینہ منورہ میں خبر ملی تو آپ ﷺ نے انکی غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ اسی لئے علامہ ابن القیمؒ اپنی کتاب (زادالمعاد ج ۱ ص ۵۲۰) میں لکھتے ہیں کہ جس شخص کی نماز جنازہ پڑھی جاچکی ہے اس کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ علامہ محمد ناصر الدین الالبانیؒ نے اپنی کتاب (تلخیص احکام الجنائز ص ۴۸) میں لکھا ہے کہ جس شخص کی نمازِ جنازہ ادا کی جاچکی ہے اس کی غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے بعد خلفاء راشدین میں سے کسی کی غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی۔

نماز پڑھئے قبل اس کے کہ آپ کی نماز پڑھی جائے۔ عقلمند شخص وہ ہے جو مرنے سے پہلے اپنے مرنے کی تیاری کرلے۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض (najeebqasmi@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْن۔

روزہ کیا ھے؟

روزہ کو عربی میں صوم کہتے ہیں، اِس کے لفظی معنی کسی چیز سے رُک جانا اور اُس کو ترک کر دینا ہے۔ شرعی اصطلاح میں صوم (روزہ) سے مراد یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالی کی عبادت کی نیت سے صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور جنسی ضرورت پوری کرنے سے رُکا رہے۔

روزہ کی قسمیں۔ روزہ کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں:

۱۔ فرض مُعَیَّن: سال بھر میں ایک ماہ یعنی رمضان المبارک کے روزے فرض معین ہیں۔ اِس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ اور بغیر عذر کے ترک کرنے والا فاسق اور سخت گناہ گار ہے۔

۲۔ فرض غیر معین: اگر رمضان المبارک کے روزے کسی عذر یا محض غفلت سے رہ جائیں تو اُن کی قضا رکھنا بھی فرض ہے۔ قضا کے یہ روزے فرض غیر معین ہیں یعنی جب موقع ہو رکھ لیں لیکن بہتر یہی ہے کہ جلد از جلد رکھ لیں۔

۳۔ واجب معین: کسی خاص دن یا خاص تاریخوں کے روزے رکھنے کی منت ماننے سے اُس دن یا اُن تاریخوں کے روزے واجب معین ہو جاتے ہیں کہ اُن کا اُسی دن یا اُنہی تاریخوں پر رکھنا واجب ہے۔

۴۔ واجب غیر معین: کفارہ کے روزے، اور غیر معین نذر کے روزے واجب غیر معین ہیں مثلاً کسی شخص نے کہا کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو میں تین روزے رکھوں گا، تو اس کام کے ہونے پر اسے تین روزے رکھنے ہوں گے، لیکن وہ یہ تین روزے کبھی بھی رکھ سکتا ہے۔

۵۔ مسنون یا نفلی روزے: جن دنوں کے روزے رسول اللہ ﷺ نے رکھے ہیں یا جن کے روزے رکھنے کی ترغیب دی ہے۔ انہیں مسنون یا نفلی روزے کہا جاتا ہے، اور اِن کے رکھنے کا بڑا اجر و ثواب ہے۔

مسنون یا نفلی روزے حسب ذیل ھیں:

☆ ماہِ محرم اور عاشورہ کے روزے: یعنی محرم کی نویں اور دسویں، یا دسویں اور گیارہویں تاریخ کے روزے، یا صرف دسویں تاریخ کا روزہ۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ماہِ رمضان کے بعد افضل ترین روزے اللہ کے مہینے ماہِ محرم الحرام کے روزے ہیں۔ (مسلم) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے اللہ تعالی کی رحمت سے امید ہے کہ جو شخص عاشورہ کے دن روزہ رکھے گا تو یہ اس کے لئے پچھلے ایک سال کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔ (مسلم) حضور اکرم ﷺ کی خواہش کو سامنے رکھ کر صحابہ کرام نے عاشورہ کے روزے میں اِس بات کا اہتمام کیا کہ ۹ یا ۱۱ محرم کا ایک روزہ ملا کر رکھا جائے، تا کہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت ختم ہو جائے۔

☆ یوم عرفہ یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ کا روزہ: نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: عرفہ کا روزہ ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

☆ ماہِ شوال کے چھ روزے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر اُس کے بعد چھ دن شوال کے روزے رکھے تو وہ ایسا ہے گویا اُس نے سال بھر روزے رکھے۔ (مسلم) یہ چھ روزے عید کے بعد لگا تار بھی رکھے جاسکتے ہیں اور بیچ میں ناغہ کرکے بھی رکھے جاسکتے ہیں۔

☆ ماہِ شعبان کے روزے: نبی اکرم ﷺ شعبان کے مہینے میں کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ (بخاری) آپ ﷺ کا تقریباً شعبان کا پورا ماہ روزے میں گزرتا تھا۔

☆ ۱۵ شعبان کے روزے کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں کہ اِس دن روزہ رکھنے کی کوئی خاص فضیلت ہے یا نہیں۔

☆ پیر اور جمعرات کے دن کا روزہ: رسول اللہ ﷺ خود بھی پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے اور صحابہ کرام ؓ کو بھی اِس کی ترغیب دیتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ پیر اور جمعرات کو اعمال دربارِ الٰہی میں پیش کئے جاتے ہیں، اور میں یہ چاہتا ہوں کہ جب میرے اعمال اللہ کے سامنے پیش ہوں تو میں روزے سے رہوں۔ (ترمذی)

☆ ایامِ بیض یعنی چاندکی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ تاریخ کے روزے: رسول اللہ ﷺ اِن روزوں کی بڑی تاکید فرماتے تھے۔ نیز حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ یہ تین روزے اجروثواب کے لحاظ سے پورے سال کے روزہ رکھنے کے برابر ہیں۔ (مسلم)

☆ صومِ داؤدی (ایک دن روزہ اور ایک دن افطار) نفل روزوں میں افضل روزہ ہے۔ (مسلم)

مکروہ روزے: مندرجہ ذیل روزے مکروہ ہیں:

۱۔ صرف جمعہ یا ہفتہ کے دن روزہ رکھنا۔ (البتہ اوپر ذکر کئے گئے مسنون روزہ اِن دنوں میں رکھے جاسکتے ہیں)۔

۲۔ عورت کا شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزے رکھنا۔

۳۔ شعبان کے آخری دو یا تین دن میں روزے رکھنا۔

حرام روزے: سال بھر میں مندرجہ ذیل پانچ روزے حرام ہیں:

۱۔ عید الفطر کے دن کا روزہ۔

۲۔ عید الاضحیٰ کے دن کا روزہ۔

۳۔ ایامِ تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ) کے تین روزے۔

محمد نجیب قاسمی سنبھلی، ریاض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْن۔

تحفۂ رمضان

رمضان کیا ھے؟

رمضان کا مہینہ، قمری مہینوں میں نواں مہینہ ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ رمضان رمض سے مشتق ہے، اور رمض کے لغوی معنی جلا دینے کے ہیں۔ چونکہ اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو گناہوں سے پاک وصاف کردیتا ہے، اس لئے اس کا نام رمضان ہوا۔

صوم (روزہ) کے لفظی معنی امساک یعنی رکنے اور بچنے کے ہیں، اور اصطلاحِ شرع میں "طلوع صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک روزہ کی نیت کے ساتھ کھانے پینے اور عورت سے مباشرت کرنے سے رکنے کا نام صوم ہے"۔ اور نیت اصل میں دل کے ارادہ کا نام ہے، لہٰذا زبان سے روزہ کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے، البتہ کرلیں تو بہتر ہے۔

رمضان اور روزہ :

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْن ﴾ اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، تاکہ تم (روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ) متقی بن جاؤ۔ (سورۃ البقرہ ۱۸۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے روزہ کی فرضیت کا حکم مسلمانوں کو ایک مثال سے دیا ہے کہ روزہ کی فرضیت صرف تمہارے ساتھ خاص نہیں بلکہ پچھلی امتوں پر بھی فرض کیا گیا تھا، اس سے روزہ کی خاص اہمیت معلوم ہوئی۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ میں اشارہ ہے کہ تقویٰ کی قوت حاصل کرنے میں روزہ کا بڑا اثر ہے کیونکہ روزہ سے اپنی خواہشات کو قابو میں رکھنے کا ایک ملکہ پیدا ہوتا ہے، وہی تقویٰ کی بنیاد ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انسان کے ہر (نیک) عمل کا بدلہ ۱۰ گنا سے لے کر ۷۰۰ گنا تک دیا جاتا ہے، لیکن روزہ کا بدلہ میں خود ہی عطا کروں گا کیونکہ وہ میرے لئے ہے۔ دوسری روایت کے مطابق میں خود ہی روزہ کا بدلہ ہوں۔ انسان کھانے پینے اور جنسی شہوت سے صرف میری وجہ سے رکا رہتا ہے۔ روزہ دار کو دو خوشیاں ملتی ہیں، ایک (وقتی) افطار کے وقت اور دوسری (دائمی) اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت۔ (بخاری ومسلم) غرضیکہ اس حدیث قدسی سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ روزہ کا بدلہ خود ہی عطا فرمائے گا، اور اتنا بدلہ دے گا کہ اس کو شمار بھی نہیں کیا جاسکتا۔

رمضان کی اہمیت اور اس کی فضیلت:

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ رمضان شریف کے متعلق میری امت کو خاص طور پر پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو پہلی امتوں کو نہیں ملیں:

(۱) روزہ دار کے منہ کی بو (جو بھوک کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

(۲) ان کے لئے دریا کی مچھلیاں تک دعائے مغفرت کرتی ہیں اور افطار کے وقت تک کرتی رہتی ہیں۔

(۳) جنت ہر روز ان کے لئے سجائی جاتی ہے۔

(۴) اس ماہ مبارک میں سرکش شیاطین قید کردئے جاتے ہیں۔

(۵) رمضان کی آخری رات میں روزہ داروں کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ کیا یہ شبِ مغفرت شبِ قدر ہی تو نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ دستور یہ ہے کہ مزدور کا کام ختم ہوتے ہی اسے مزدوری دے دی جاتی ہے۔ (مسند احمد، بزاز، بیہقی، ابن حبان)

☆ حضرت ابو سعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان کے ہر شب و روز میں اللہ کے یہاں سے جہنم کے قیدی چھوڑے جاتے ہیں اور ہر مسلمان کی ہر شب و روز میں ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ (بزاز، الترغیب والترہیب)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی، ایک روزہ دار کی افطار کے وقت، دوسرے عادل بادشاہ کی اور تیسرے مظلوم کی۔ (مسند احمد، ترمذی، صحیح ابن حبان)

☆ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب ہو جاؤ، ہم لوگ حاضر ہو گئے۔ جب حضور ﷺ نے منبر کے پہلے درجہ پر قدم مبارک رکھا تو فرمایا آمین۔ جب دوسرے درجہ پر قدم مبارک رکھا تو فرمایا آمین۔ جب تیسرے درجہ پر قدم مبارک رکھا تو فرمایا آمین۔ جب آپ خطبہ سے فارغ ہو کر نیچے اترے تو ہم نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپ سے منبر پر چڑھتے ہوئے ایسی بات سنی جو پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس وقت جبرئیل علیہ السلام میرے سامنے آئے تھے۔ جب پہلے درجہ پر میں نے قدم رکھا تو انہوں نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی، میں نے کہا آمین۔ پھر جب دوسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے آپ ﷺ کا ذکر مبارک ہو اور وہ درود نہ بھیجے، میں نے کہا آمین۔ جب میں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہونچے اور وہ اسکو جنت میں داخل نہ کرائیں، میں نے کہا آمین۔ (بخاری، صحیح ابن حبان، مسند حاکم، ترمذی، بیہقی)

رمضان اور قرآن کریم :

قرآن کریم کو رمضان المبارک سے خاص تعلق اور گہری خصوصیت حاصل ہے۔ چنانچہ رمضان المبارک میں اس کا نازل ہونا، حضور اکرم ﷺ کا رمضان شریف میں تلاوتِ قرآن کا شغل نسبتاً زیادہ رکھنا، حضرت جبرئیل علیہ السلام کا رمضان شریف میں نبی اکرم ﷺ کو قرآن کریم کا دور کرانا، تراویح میں ختم قرآن کا مسنون ہونا، صحابہ کرام اور بزرگان دین کا رمضان میں تلاوت کا خاص اہتمام کرنا، یہ سب امور اس خصوصیت کو بتلاتے ہیں۔ لہٰذا اس ماہ میں کثرت سے تلاوتِ قرآن میں مشغول رہنا چاہئے۔

تلاوت قرآن پاک کے ساتھ قرآن کریم کو علماء کرام کی صحبت میں رہ کر سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے خواہ روزانہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو، تا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے واقفیت کے بعد اس پر عمل کرنا اور اس کو دوسروں تک پہونچانا ہمارے لئے آسان ہو۔

رمضان اور تراویح:

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص رمضان (کی راتوں) میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کے لئے) کھڑا ہو، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

نوٹ: تراویح کی تعدادِ رکعات میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ ۲۰ یا ۸ رکعات۔ البتہ یہ بات سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ حرمین (مسجد حرام اور مسجد نبوی) میں حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے سے آج تک یعنی ۱۴۰۰ سال سے ۲۰ رکعت تراویح سے کم نہیں پڑھی گئیں، جیسا کہ مدینہ منورہ کے سابق قاضی اور مسجد نبوی کے مدرس شیخ عطیہ محمد سالمؒ نے اپنی کتاب ﴿التراویح اکثر من الف عام فی المسجد النبوی﴾ میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ نیز قرآن وحدیث کی روشنی میں امت مسلمہ متفق ہے کہ رمضان کی راتوں میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہئے، لہٰذا ۲۰ رکعت ہی کا اہتمام کریں تو زیادہ بہتر ہے۔

سحری:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خود حق تعالیٰ شانہ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت نازل فرماتے ہیں۔ (طبرانی، صحیح ابن حبان)

متعدد احادیث میں رات کے آخری وقت میں سحری کھانے کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ ایک دو لقمے کھانے سے بھی سحری کی فضیلت حاصل ہو جائے گی، ان شاء اللہ۔

افطار کے لئے کھجور یا پانی بہتر ہے :

☆ حضرت سلمان بن عامرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ کھجور سے روزہ افطار کرے، کیونکہ اس میں برکت ہے۔ اگر کھجور نہ پائے تو پھر پانی ہی سے افطار کرے، اس لئے کہ پانی نہایت پاکیزہ چیز ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

☆ حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ مغرب کی نماز سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے، اگر تر کھجوریں بروقت موجود نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں سے افطار فرماتے تھے اور اگر خشک کھجور بھی نہ ہوتی تو چند گھونٹ پانی پی لیتے تھے۔ (ابوداؤد)

روزہ افطار کرانے کا ثواب :

☆ حضرت زید بن خالد الجُہنی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا تو اُس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا، بغیر اِس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، صحیح ابن حبان، مسند احمد)

☆ حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو خطبہ دیا --- اور اُسمیں یہ بھی فرمایا: جس شخص نے اس رمضان المبارک کے مہینہ میں کسی روزہ دار کو (اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے روزہ) افطار کرایا تو اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا۔ اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا، بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔------ آپ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہ ثواب اُس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی یا صرف پانی کے ایک گھونٹ سے کسی کا روزہ افطار کرا دے---- (بیہقی۔شعب الایمان)

رمضان اور شب قدر:

رمضان کی راتوں میں ایک رات 'شبِ قدر' کہلاتی ہے جو بہت ہی خیر اور برکت کی رات ہے۔ جس میں عبادت کرنے کو قرآن کریم (سورۃ القدر) میں ہزار مہینوں سے افضل بتلایا گیا ہے۔ ہزار مہینے کے ۸۳ برس اور ۴ ماہ ہوتے ہیں۔ گویا اِس رات کی عبادت پوری زندگی کی عبادت سے بہتر ہے۔ سورۃ القدر کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے:

بے شک ہم نے قرآن پاک کو شبِ قدر میں اتارا ہے یعنی قرآن شریف کو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر اِس رات میں اتارا ہے۔ آپ کو کچھ معلوم بھی ہے کہ شب قدر کیسی بڑی چیز ہے۔ یعنی اس رات کی بڑائی اور فضیلت کا آپ کو علم بھی ہے، کتنی خوبیاں اور کس قدر فضائل اس میں ہیں، اس کے بعد چند فضائل کا ذکر فرماتے ہیں، شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یعنی ہزار مہینوں تک عبادت کرنے کا جتنا ثواب ہے اس سے زیادہ شبِ قدر کی عبادت کا ہے، اور کتنا زیادہ ہے؟ یہ اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اس رات میں فرشتے اترتے ہیں۔ اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر زمین کی طرف اترتے ہیں۔ اور یہ خیر و برکت فجر کے طلوع ہونے تک رہتی ہے۔

وضاحت: اختلافِ مطالع کے سبب مختلف ملکوں اور شہروں میں شبِ قدر مختلف راتوں میں ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں، کیونکہ ہر جگہ کے اعتبار سے جو رات شبِ قدر قرار پائے گی اُس جگہ اُسی رات میں شبِ قدر کی برکات حاصل ہوں گی ان شاءاللہ۔

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص شبِ قدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کے لئے) کھڑا ہو، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم) کھڑے ہونے کا مطلب: نماز پڑھنا، تلاوتِ قرآن اور ذکر وغیرہ میں مشغول ہونا ہے۔ ثواب کی امید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ شہرت اور دکھاوے کے لئے نہیں بلکہ خالص اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے عمل کیا جائے۔

☆ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: تمہارے اوپر ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا گویا سارے ہی خیر سے محروم رہ گیا، اور اس کی بھلائی سے محروم نہیں رہتا مگر وہ شخص جو حقیقۃً محروم ہی ہے۔ (ابن ماجہ)

☆ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شبِ قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کیا کرو۔ (بخاری) (مذکورہ حدیث کے مطابق شب قدر کی تلاش ۲۱ ویں، ۲۳ ویں، ۲۵ ویں، ۲۷ویں، ۲۹ویں راتوں میں کرنا چاہئے)۔

☆ حضرت عائشہؓ نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ اگر مجھے شب قدر کا پتہ چل جائے تو کیا دعا مانگوں؟ حضور نے ارشاد فرمایا: پڑھو: اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی (اے اللہ! تو بیشک معاف کرنے والا ہے اور پسند کرتا ہے معاف کرنے کو، پس معاف فرمادے مجھے بھی۔ (مسند احمد، ابن ماجہ، ترمذی)

رمضان اور اعتکاف:

رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے یعنی اگر محلّہ کی مسجد میں ایک دو آدمی اعتکاف کرلیں تو پورے محلّہ کی طرف سے ذمہ داری ادا ہو جائے گی۔ آخری عشرہ کے اعتکاف کے لئے بیس رمضان کو سورج ڈوبنے سے پہلے مسجد میں داخل ہونا ضروری ہے۔ اعتکاف کا اصل مقصد شب قدر کی عبادت کو حاصل کرنا ہے، جسکی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔ حضور اکرم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال پورے ماہ رمضان کا اعتکاف فرمایا، جبکہ آخری رمضان میں آپ ﷺ نے ۲۰ روز کا اعتکاف فرمایا۔

رمضان کا اهتمام نہ کرنے والوں کے لئے:

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے (شرعی) اجازت اور مرض کی (مجبوری) کے بغیر رمضان کا ایک روزہ چھوڑ دیا، (اگر وہ ساری) عمر (بھی) روزے رکھے تب بھی اس کی فضیلت حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ (مسند احمد،

(ترمذی، ابو داؤد)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ ان کو روزہ کے ثمرات میں بجز بھوکا رہنے کے کچھ بھی حاصل نہیں، اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں کہ ان کو رات کے جاگنے (کی مشقت) کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا۔ (ابن ماجہ، نسائی)

اِس مبارک ماہ میں مندرجہ ذیل اعمال کا خاص اہتمام کرنا چاہئے:

☆ فرض نمازوں کا اہتمام۔

☆ دن میں روزہ رکھنا۔

☆ نمازِ تراویح کی ادائیگی۔

☆ قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام۔

☆ اگر مال میں زکوۃ واجب ہے تو اس کا حساب لگا کر زکوۃ کی ادائیگی، کیونکہ رمضان میں ستر گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔

☆ حسبِ سہولت عمرہ کی ادائیگی، کیونکہ رمضان میں عمرہ کی ادائیگی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے (حدیث)۔

☆ سنت اور نفل نمازوں کی پابندی۔

☆ نمازِ تہجد کی ادائیگی، خاص کر آخری عشرہ میں۔

☆ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف، اگر سہولت سے ممکن ہو۔

☆ دعاؤں کا اہتمام۔

☆ اللہ کا ذکر، اور دیگر نیک اعمال کی ادائیگی۔

☆ دوسروں کو بھی نیک اعمال کی ترغیب دینا۔

☆ گناہوں سے بچنا، اور دوسروں کو بھی حکمت کے ساتھ منع کرنا۔

☆ رمضان کے آخر یا عید الفطر کی صبح کو صدقۂ فطر کی ادائیگی۔

روزہ سے متعلق چند اہم مسائل:

☆ حیض اُس خون کا نام ہے جو عورت کو عموماً ہر ماہ کم از کم ۳ دن، اور زیادہ سے زیادہ ۱۰ دن تک آتا ہے۔

☆ نفاس اُس خون کا نام ہے جو عورت کو بچے کی پیدائش کے بعد زیادہ سے زیادہ ۴۰ دن تک آتا ہے۔

☆ اِن دونوں حالتوں میں عورت روزہ نہیں رکھ سکتی ہے۔ بلکہ اُس کو رمضان کے بعد اِن دونوں حالتوں میں چھوٹے ہوئے روزوں کی

قضا کرنی ہوگی۔ روزہ کا فدیہ دینا کافی نہیں ہوگا۔

☆ نماز اور روزہ میں تھوڑا فرق ہے کہ اِن دونوں حالتوں میں عورتوں کے لئے نماز بالکل ہی معاف ہے، یعنی نماز کی کوئی قضا بھی نہیں ہے۔ لیکن رمضان کے روزہ کی بعد میں قضا ہے۔

☆ اِن دونوں حالتوں میں عورت قرآن کی تلاوت بھی نہیں کر سکتی ہے، البتہ اللہ کا ذکر کر سکتی ہے۔

☆ حیض ونفاس کا خون شروع ہو جانے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، یعنی روزہ رکھنے کے بعد اگر کسی عورت کو ماہواری آجائے تو اُس کا روزہ فاسد ہو جائے گا مگر عورت کے لئے مستحب یہ ہے کہ شام تک روزہ دار کی طرح کھانے پینے سے رکی رہے۔

☆ اگر کوئی عورت دن میں کسی وقت حیض ونفاس سے پاک ہو جائے تو اس کے لئے بھی مستحب یہی ہے کہ شام تک کھانے پینے سے پرہیز کرے۔ البتہ غسل سے فارغ ہو جائے تا کہ اگلے دن سے روزہ شروع کرے۔

☆ حیض ونفاس والی عورت اگر رمضان میں سحری کا وقت ختم ہونے سے پہلے پاک ہو گئی تو اُس پر روزہ رکھنا ضروری ہے۔ اگر چہ وہ سحری کا وقت ختم ہونے کے بعد ہی غسل کرے۔

☆ بعض خواتین رمضان میں عارضی طور پر ماہواری روکنے والی دوا استعمال کر لیتی ہیں تا کہ رمضان میں روزے رکھتی رہیں، بعد میں قضا کی دشواری نہ آئے، تو شرعی اعتبار سے ایسی دوائیں استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

☆ نفاس کا خون اگر ۴۰ دن سے کم مثلاً ۲۰ یا ۳۰ دن میں بند ہو جائے، تو عورت کو چاہئے کہ غسل کرکے نماز اور روزہ شروع کر دے۔ ۴۰ دن کا انتظار کرنا غلط ہے۔ البتہ اگر کمزوری بہت زیادہ ہے تو روزہ نہ رکھے۔

☆ روزہ کی حالت میں عورت کے لبوں پر سرخی لگانے سے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی ہے۔ لیکن اگر منہ کے اندر پہنچنے کا احتمال ہو تو مکروہ ہے۔

☆ بیوی کے ساتھ بوس وکنار کرنے میں صرف چند قطرے رطوبت (مذی) نکل جائیں تو اُس سے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی، لیکن بہتر یہی ہے کہ روزہ کی حالت میں بیوی سے بوس وکنار ہونے سے بچیں۔

☆ روزہ میں بیوی سے با قاعدہ ہمبستری نہیں کی ہے بلکہ صرف بوس وکنار ہونے یا ساتھ لیٹنے کی وجہ سے انزال ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کے ساتھ ایک روزہ کی قضاء کرنی ہوگی۔ (یادرہے کہ رمضان کے ایک روزہ کی فضیلت پورے سال روزہ رکھ کر بھی حاصل نہیں کی جاسکتی ہے)۔

☆ اگر رمضان کے روزے کی حالت میں قصداً با قاعدہ صحبت کر لی ہے تو دونوں میاں بیوی پر ایک ایک روزہ کی قضا کے ساتھ ہر ایک کو مسلسل ۶۰ دن کے روزے رکھنے ہوں گے، روزہ کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں ہر ایک کو ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلانا پڑے گا۔

☆ حمل کی وجہ سے اگر روزہ رکھنا دشوار ہے تو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے، لیکن رمضان کے بعد چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرنی ہوگی۔ روزوں کا فدیہ دینا کافی نہیں ہوگا۔

☆ اگر کسی عورت یا مرد کے ذمہ غسل کرنا واجب ہے اور سحری کا وقت ختم ہوگیا، تو کوئی حرج نہیں ۔سحری کا وقت ختم ہونے کے بعد بھی غسل کیا جاسکتا ہے۔ اس سے روزہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا ۔

☆ روزہ کی حالت میں سوتے ہوئے اگر احتلام ہوجائے تو روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی ، روزہ بدستور باقی رہتا ہے، البتہ غسل کرنا واجب ہے۔

☆ ایسا مریض جس کو روزہ رکھنے سے نا قابل برداشت تکلیف پہونچے، یا مرض بڑھ جانے کا قوی اندیشہ ہو یا وہ شرعی مسافر ہے تو اس کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے مگر اس کو اپنے چھوٹے ہوئے روزوں کی دوسرے دنوں میں قضا کرنا ضروری ہے، خواہ مسلسل کرے یا متفرق طور پر۔

☆ جو لوگ کسی وجہ سے روزہ رکھنے سے معذور ہوں، اُن کے لئے بھی ضروری ہے کہ رمضان المبارک میں کھلم کھلا کھانے پینے سے بچیں، اور بظاہر روزہ داروں کی طرح رہیں۔

☆ جن لوگوں پر روزہ فرض ہے، پھر کسی وجہ سے ان کا روزہ فاسد ہوجائے تو اُن پر واجب ہے کہ دن کے باقی حصے میں روزہ داروں کی طرح رہیں ۔اور کھانے پینے اور جنسی افعال سے پرہیز کریں ۔

☆ بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔

☆ خود بخود بلا قصد قے ہوجانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔

خلاصہ:

میرے عزیز بھائیو! ہمارے بعض دوست واحباب ومتعلقین گزشتہ رمضان میں حیات تھے انہوں نے ہمارے ساتھ رمضان المبارک کے روزہ رکھے، تراویح پڑھیں ۔۔۔۔۔ لیکن اب وہ دنیوی زندگی کو الوداع کہہ چکے ہیں ۔ آئندہ رمضان تک کون حیات رہے گا، اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والا ہے۔ لہٰذا اس مبارک ماہ کے ایک ایک لمحہ کی قدر کریں ۔ وقت کو یوں ہی ضائع نہ کردیں ۔ دن میں روزہ رکھیں ۔ راتوں میں تراویح اور تہجد پڑھیں، قرآن کریم کی تلاوت کا خاص اہتمام رکھیں کیونکہ اس ماہ میں ہر نیکی کا ثواب ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ اور اہل اسلام کے لئے جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، دوزخ کے دروازے بند اور شیاطین کو پابند سلاسل کردیا جاتا ہے۔ ہر روز ملائکہ کے ذریعہ آواز لگوائی جاتی ہے کہ اے طالب خیر! سامنے آ اور متوجہ ہو۔ اے طالب شر! بس کر گناہوں سے، تائب ہوکر طاعت اور نیکی کی زندگی کو اختیار کر۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض (najeebqasmi@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْن.

ماہِ رمضان قرآن کریم کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام کی سورۃ البقرہ (آیت ۱۸۳ سے ۱۸۷ تک) میں رمضان اور روزے کے متعلق احکام بیان کئے ہیں۔ جسکی تفسیر مفسر قرآن حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر (معارف القرآن) میں کی ہے، جسکا خلاصہ کلام آپ حضرات کے سامنے پیش ہے۔ یہ تفسیر ۸ جلدوں پر مشتمل ہے، جو اس Link پر پڑھی جا سکتی ہے۔ http://www.maarifulquran.net/
اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے، خاص کر اس مبارک ماہ کی قدر کرنے والا بنائے۔

خلاصۂ تفسیر (آیت نمبر ۱۸۳ اور ۱۸٤):

اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کیا گیا تھا، اس توقع پر کہ تم روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ متقی بن جاؤ۔ کیونکہ روزہ رکھنے سے عادت پڑے گی نفس کو اُس کے متعدد تقاضوں سے روکنے کی، اور اسی عادت کی پختگی تقویٰ کی بنیاد ہے۔ سو تھوڑے دنوں روزہ رکھ لیا کرو، اور تھوڑے دنوں سے مراد ماہِ رمضان ہے جیسا کہ اگلی آیت میں آتا ہے۔ پھر اس میں اتنی آسانی ہے کہ جو شخص تم میں ایسا بیمار ہو جس کو روزہ رکھنا مشکل یا مضر ہو یا شرعی سفر میں ہو تو اس کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، لیکن رمضان کے بعد چھوٹے ہوئے روزے رکھنا اس پر واجب ہے۔ دوسری آسانی جو بعد میں منسوخ ہوگئی وہ یہ ہے کہ جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں اور پھر روزہ رکھنے کو دل نہ چاہے تو اُن کے ذمہ صرف روزے کا فدیہ ہے یعنی وہ ایک غریب کو کھانا کھلا دیں یا دیدیں، اور جو شخص خوشی سے زیادہ فدیہ دیدے تو یہ اس شخص کے لئے بہتر ہے۔ اور گو ہم نے آسانی کے لئے ان حالتوں میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دیدی ہے، لیکن تمہارا روزہ رکھنا اس حالت میں بھی زیادہ بہتر ہے اگر تم روزے کی فضیلت سے باخبر ہو۔

صوم (روزہ):

صوم کے لفظی معنی امساک یعنی رکنے اور بچنے کے ہیں، اور اصطلاحِ شرع میں کھانے پینے اور عورت سے مباشرت کرنے سے رکنے اور باز رہنے کا نام صوم ہے، بشرطیکہ وہ طلوع صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک مسلسل رُکا رہے، اور نیت روزہ کی بھی ہو، اس لئے اگر غروب آفتاب سے ایک دو منٹ پہلے بھی کچھ کھا پی لیا تو روزہ نہیں ہوا۔ نیت اصل میں دل کے ارادہ کا نام ہے زبان سے کہنا شرط نہیں، بلکہ بہتر ہے۔

پچھلی امتوں میں روزہ کا حکم:

روزے کی فرضیت کا حکم مسلمانوں کو ایک خاص مثال سے دیا گیا ہے، حکم کے ساتھ یہ بھی ذکر فرمایا کہ روزے کی فرضیت صرف تمہارے ساتھ خاص نہیں بلکہ پچھلی امتوں پر بھی روزے فرض کئے گئے تھے۔ اس سے روزے کی خاص اہمیت بھی معلوم ہوئی، اور مسلمانوں کی دلجوئی کا بھی

انتظام کیا گیا کہ روزہ اگر چہ مشقت کی چیز ہے، مگر یہ مشقت تم سے پہلے بھی سب لوگ اٹھاتے آئے ہیں۔
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ میں اشارہ ہے کہ تقوی کی قوت حاصل کرنے میں روزہ کو بڑا دخل ہے کیونکہ روزہ سے اپنی خواہشات کو قابو میں رکھنے کا ایک ملکہ پیدا ہوتا ہے، وہی تقوی کی بنیاد ہے۔

مریض کا روزہ:

مریض کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضاً لیکن مریض سے مراد وہ مریض ہے جس کو روزہ رکھنے سے نا قابل برداشت تکلیف پہونچے، یا مرض بڑھ جانے کا قوی اندیشہ ہو، بعد کی آیت وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ میں اسی طرف اشارہ موجود ہے۔ جمہور فقہائے امت کا یہی مسلک ہے۔

مسافر کا روزہ:

مسافر کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوْ عَلٰى سَفَرٍ ۔ یہاں لفظ مسافر کے بجائے عَلٰى سَفَرٍ کا لفظ اختیار فرما کر کئی اہم مسائل کی طرف اشارہ فرمادیا۔ مطلقاً لغوی سفر یعنی اپنے گھر اور وطن سے باہر نکل جانا روزہ میں رخصتِ سفر کے لئے کافی نہیں، بلکہ سفر کچھ طویل ہونا چاہئے، مگر یہ تحدید کہ سفر کتنا طویل ہو، قرآن کریم کے الفاظ میں مذکور نہیں، نبی اکرم ﷺ کے بیان اور صحابہ کرام کے تعامل سے فقہاء نے اس کی مقدار تقریباً ۷۲ کیلومیٹر متعین کی ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی ایک مقام پر پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے تو وہ بھی منزل مقصود پر پہنچنے کے بعد رخصتِ سفر کا مستحق نہیں ہے۔

روزہ کی قضا :

مریض ومسافر کو اپنے فوت شدہ روزوں کی تعداد کے مطابق دوسرے دنوں میں روزے رکھنا واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۔ البتہ اس آیت میں کوئی قید نہیں کہ ترتیب وار رکھے یا غیر مسلسل رکھے، بلکہ عام اختیار ہے کہ ترتیب وار یا متفرق جیسا چاہے فوت شدہ روزوں کی قضا کرلے۔

روزہ کا فدیہ:

اس آیت کے بظاہر معنی وہی ہیں جو خلاصہ تفسیر میں لکھے گئے کہ جو لوگ مریض یا مسافر کی طرح روزہ رکھنے سے مجبور نہیں بلکہ روزے کی طاقت تو رکھتے ہیں مگر کسی وجہ سے دل نہیں چاہتا تو ان کے لئے یہ گنجائش ہے کہ وہ روزوں کے بجائے صدقہ ادا کردیں۔ یہ حکم شروع اسلام میں تھا، جب لوگوں کو روزے کا عادی بنانا مقصود تھا، اس کے بعد جو آیت آنے والی ہے، اس سے یہ حکم عام لوگوں کے حق میں منسوخ ہوگیا، صرف ایسے لوگوں کے حق میں باقی رہا جو بہت بوڑھے ہوں یا ایسے بیمار ہوں کہ اب صحت کی امید ہی نہیں رہی۔
فدیہ کی مقدار: ایک روزہ کا فدیہ نصف صاع گیہوں (تقریباً دو کیلو) یا اس کی قیمت کسی غریب مسکین کو دینا ہے۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روزے کے سلسلہ میں تین تبدیلیاں ہوئیں:

۱) رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہر مہینہ میں تین روزے اور ایک روزہ (یوم عاشورہ) یعنی دسویں محرم کا رکھتے تھے۔

۲) جب رمضان کے روزے کی فرضیت ہوئی تو حکم یہ تھا ہر شخص کو اختیار ہے کہ روزہ رکھ لے یا فدیہ دیدے، البتہ روزہ رکھنا افضل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت نازل فرمادی، جس میں صحت مند کے لئے یہ اختیار ختم کر کے صرف روزہ رکھنا لازم کردیا، مگر بہت بوڑھے آدمی کے لئے یہ حکم باقی رہا کہ وہ چاہے تو فدیہ ادا کردے۔

۳) شروع میں افطار کے بعد کھانے پینے اور اپنی خواہش پوری کرنے کی اجازت صرف اس وقت تک تھی جب تک آدمی سوئے نہیں، جب سو گیا تو دوسرا روزہ شروع ہوگیا، کھانا پینا وغیرہ ممنوع ہوگیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت (اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ) نازل فرما کر یہ آسانی عطا فرمادی کہ صبح صادق تک کھانا پینا، صحبت کرنا سب جائز ہے۔

خلاصۂ تفسیر (آیت نمبر ۱۸۵):

وہ تھوڑے ایام جن میں روزے کا حکم ہوا ہے، ماہ رمضان ہے جس میں ایسی برکت ہے کہ اس کے ایک خاص حصہ یعنی شب قدر میں قرآن مجید لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر بھیجا گیا ہے، جس کا ایک وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے ذریعہ ہدایت ہے، اور دوسرا وصف یہ ہے کہ ہدایت کے طریقے بتلانے میں اس کا ایک ایک جزو واضح الدلالہ ہے اور ان دونوں وصفوں میں منجملہ ان کتب سماویہ کے ہے جو کہ انہی دو وصفوں سے موصوف ہیں یعنی ذریعہ ہدایت بھی ہیں اور وضوحِ دلالت کی وجہ سے حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی بھی ہیں۔

سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہئے اور وہ فدیہ کی اجازت جو اوپر مذکور تھی منسوخ و موقوف ہوگئی۔ مریض اور مسافر کے لئے جو قانون تھا وہ اب بھی اسی طرح باقی ہے کہ جو شخص ایسا بیمار ہو جس میں روزہ رکھنا مشکل یا مضر ہو یا شرعی سفر میں ہو تو اس کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور بجائے ایام رمضان کے دوسرے ایام میں اتنے ہی روزہ رکھنا اس پر واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ احکام میں آسانی کی رعایت کرنا منظور ہے اس لئے ایسے احکام مقرر کئے جن کو تم آسانی سے بجا لا سکو، چنانچہ سفر اور مرض میں کیسا آسان قانون مقرر کردیا اور تمہارے ساتھ احکام و قوانین مقرر کرنے میں دشواری منظور نہیں کہ سخت احکام تجویز کردیتے اور یہ احکام مذکورہ ہم نے خاص خاص مصلحتوں سے مقرر کئے، چنانچہ اولاً روزہ ادا رکھنے کا اور کسی شرعی عذر سے رہ جائے تو دوسرے ایام میں قضا کرنے کا حکم تو اسی لئے کیا تا کہ تم لوگ ایام ادا یا قضا کی شمار کی تکمیل کرلیا کرو، تا کہ ثواب میں کمی نہ رہے اور خود قضا رکھنے کا حکم اس لئے کیا تا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور ثناء بیان کیا کرو اس پر کہ تم کو ایک ایسا طریقہ بتلا دیا جس سے تم روزے کی برکات و ثمرات سے محروم نہ رہو، ورنہ اگر قضا واجب نہ ہوتی تو کون اتنے روزے رکھ کر ثواب حاصل کرتا، اور عذر سے خاص رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت اس لئے دیدی تا کہ تم لوگ اس نعمت آسانی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کرو ورنہ اگر یہ اجازت نہ ہوتی تو سخت مشقت ہوجاتی۔

اس آیت میں پچھلی مجمل آیت کا بیان بھی ہے اور ماہ رمضان کی اعلیٰ فضیلت کا ذکر بھی، بیان اس لئے کہ پچھلی آیات میں أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ کا لفظ مجمل ہے، جس کی شرح اس آیت نے کردی کہ وہ پورے ماہِ رمضان کے ایام ہیں، اور فضیلت یہ بیان کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کو

اپنی وحی اور آسمانی کتابیں نازل کرنے کے لئے منتخب کر رکھا ہے، چنانچہ قرآن بھی اسی ماہ میں نازل ہوا۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ: جو شخص ماہ رمضان میں حاضر یعنی موجود ہو اس پر لازم ہے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے۔ روزہ کے بجائے فدیہ دینے کا عام اختیار جو اس سے پہلی آیت میں مذکور ہے اس جملے نے منسوخ کرکے روزہ ہی رکھنا لازم کر دیا ہے۔

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضاً اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَر: اس میں مریض اور مسافر کو رخصت دی گئی ہے کہ وہ اُس وقت روزہ نہ رکھے، تندرستی ہونے اور سفر کے ختم ہونے پر اتنے دنوں کی قضا کرلے، یہ حکم اگرچہ پچھلی آیت میں بھی آچکا تھا، مگر جب اس آیت میں روزہ کے بجائے فدیہ دینے کا اختیار منسوخ کیا گیا ہے تو یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید مریض اور مسافر کی رخصت بھی منسوخ ہوگئی ہو اس لئے دوبارہ اس کا اعادہ کیا گیا۔

خلاصۂ تفسیر (آیت نمبر ۱۸۶) :

پچھلی تین آیتوں میں روزہ اور رمضان کے احکام اور فضائل کا ذکر تھا، اور اس کے بعد بھی ایک طویل آیت میں روزہ اور اعتکاف کے احکام کی تفصیل ہے، درمیان کی اس مختصر آیت میں بندوں کے حال پر اللہ تعالی کی خاص عنایت، ان کی دعائیں سننے اور قبول کرنے کا ذکر فرما کر اطاعت احکام کی ترغیب دی گئی ہے، کیونکہ روزہ کی عبادت میں رخصتوں اور سہولتوں کے باوجود کسی قدر مشقت ہے، اس کو سہل کرنے کے لئے اپنی مخصوص عنایت کا ذکر فرمایا کہ میں اپنے بندوں سے قریب ہی ہوں جب بھی وہ دعا مانگتے ہیں میں ان کی دعائیں قبول کرتا ہوں، اور ان کی حاجات کو پورا کرتا ہوں۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزہ کا بدلہ میں خود ہوں۔

روزہ کی حالت میں خاص کر افطار کے وقت کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روزہ افطار کرنے کے وقت روزہ دار کی دعا مقبول ہے۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ افطار کے وقت سب گھر والوں کو جمع کرکے دعا کیا کرتے تھے۔

خلاصۂ تفسیر (آیت نمبر ۱۸۷) :

اس آیت میں روزہ کے بقیہ احکام کی کچھ تفسیر مذکور ہے، تم لوگوں کے واسطے روزہ کی شب میں اپنی بیویوں سے مشغول ہونا صحبت کرنا حلال کر دیا گیا ہے اور پہلے جو اس سے ممانعت تھی وہ موقوف کی گئی کیونکہ بوجہ قرب واتصال کے وہ تمہارے لئے اوڑھنے بچھونے کے ہیں اور تم ان کے لئے اوڑھنے بچھونے کے ہو۔ اللہ تعالی کو اس کی خبر تھی کہ تم اس حکم الٰہی میں خیانت کرکے گناہ میں اپنے کو مبتلا کر رہے تھے، مگر خیر جب تم معذرت سے پیش آئے تو اللہ تعالی نے تم پر عنایت فرمائی اور تم سے گناہ کو دھو دیا، سو جب اجازت ہوگئی تو اب ان سے یعنی اپنی بیوی سے ملو ملاؤ۔ اور جو تمہارے لئے اللہ نے لکھ دیا ہے اس کو طلب کرو۔ اور جس طرح شب صیام میں بیوی سے ہم بستری کی اجازت ہے اسی طرح یہ بھی اجازت ہے کہ صبح صادق ہونے تک تمام رات میں جب چاہو کھاؤ پیو۔

اور ان بیویوں کے بدن سے اپنا بدن بھی شہوت کے ساتھ مت ملنے دو جس زمانے میں کہ تم لوگ اعتکاف والے ہو، جو کہ مسجدوں میں ہوا کرتا ہے۔ یہ سب احکام مذکورہ خداوندی ضابطے ہیں، سو ان ضابطوں سے نکلنا تو کیسا نکلنے کے نزدیک بھی مت ہونا اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ

احکام بیان کئے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے اوراحکام بھی لوگوں کی اصلاح کے واسطے بیان فرمایا کرتے ہیں، اس امید پر کہ وہ لوگ احکام سے مطلع ہوکران احکام کی خلاف ورزی سے پرہیز رکھیں۔

ابتداء میں جب رمضان کے روزے فرض کئے گئے تو افطار کے بعد کھانے پینے اوربیویوں کے ساتھ اختلاط کی صرف اُس وقت تک اجازت تھی جب تک سونہ جائے،سوجانے کے بعد یہ سب چیزیں حرام ہوجاتی تھیں۔ بعد میں یہ آیت نازل ہوئی جس میں پہلا حکم منسوخ کرکے غروب آفتاب کے بعد سے طلوع صبح صادق تک پوری رات میں کھانے پینے اور مباشرت کی اجازت دیدی گئی۔

اعتکاف اور اس کے مسائل:

اعتکاف کے لغوی معنی کسی جگہ ٹھہرنے کے ہیں، اور اصطلاح قرآن وسنت میں خاص شرائط کے ساتھ مسجد میں ٹھہرنے اورقیام کرنے کا نام اعتکاف ہے۔ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ آخری عشرہ کے اعتکاف کے لئے بیس رمضان کوسورج ڈوبنے سے پہلے مسجد میں داخل ہوناضروری ہے۔حالتِ اعتکاف میں رات کوکھانے پینے کا تو وہی حکم ہے جو سب کے لئے ہے،مگر بیوی کے ساتھ مباشرت وغیرہ کرنا جائزنہیں ہے۔ اعتکاف میں مسجد سے نکلنا بغیر حاجتِ طبعی یا شرعی کے جائزنہیں ہے۔

سحری کھانے کا آخری وقت:

احادیث میں رات کے آخری وقت میں سحری کھانے کی فضیلت وارد ہوئی ہے،لیکن جیسا کہ اس آیت میں ذکر ہوا کہ روزہ میں کھانے پینے اور مباشرت کی جوممانعت ہے،یہ اللہ کی حدود ہیں،اوران کے قریب بھی مت جاؤ،کیونکہ قریب جانے سے حدشکنی کا احتمال ہے،اسی لئے روزہ کی حالت میں کلی کرنے میں مبالغہ کرنا مکروہ ہے،جس سے پانی اندرجانے کا خطرہ ہے۔ بیوی سے بوس وکنار مکروہ ہے، اسی طرح سحری کھانے میں احتیاط سے کام لیں، اورسحری کا وقت ختم ہونے سے ایک دومنٹ قبل سحری کھانے سے فارغ ہوجائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کونیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے اورحضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی اس عظیم خدمت کوقبول فرمائے۔

محمد نجیب قاسمی سنبھلی، ریاض (najeebqasmi@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْن۔

نمازِ تراویح

نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ نمازِ تراویح فرض نہیں بلکہ سنت ہے۔ البتہ بعض علماء ۲۰ رکعت نمازِ تراویح کو بدعت یا خلافِ سنت قرار دینے میں ہر سال رمضان اور رمضان سے قبل اپنی صلاحیتوں کا بیشتر حصہ صرف کرتے ہیں جس سے امت مسلمہ کے عام طبقہ میں انتشار ہی پیدا ہوتا ہے، حالانکہ اگر کوئی شخص ۸ کی جگہ ۲۰ رکعت پڑھ رہا ہے تو یہ اس کے لئے بہتر ہی تو ہے کیونکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ساری امت مسلمہ متفق ہے کہ رمضان کی راتوں میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہئے۔

اس موضوع سے متعلق احادیث کا جتنا بھی ذخیرہ موجود ہے، کسی بھی ایک صحیح، معتبر، اور غیر قابل نقد وجرح حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے تراویح کی تعداد رکعت کا واضح ثبوت نہیں ملتا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ ؒ نے تحریر کیا ہے کہ جس شخص کا یہ خیال ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تراویح کی کوئی تعداد مقرر کی ہے جس میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی تو وہ غلطی پر ہے۔ (فتاوی ابن تیمیہ ج ۲ ص ۴۰۱)--- اسی طرح علامہ شوکانی ؒ نے تحریر کیا ہے کہ مسئلہ تراویح کی تمام روایات میں نمازِ تراویح کا باجماعت یا تنہا پڑھنا تو ثابت ہے لیکن خاص کر تراویح کی تعداد اور اس میں قراءت کی تعیین نبی اکرم ﷺ سے منقول نہیں ہے۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۶۴)

البتہ حضرت عمر فاروق ؓ کے دورِ حکومت میں بیس تراویح اور تین رکعت وتر جماعت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام ہوا جیسا کہ محدثین، فقہاء، مؤرخین اور علماء کرام نے تسلیم کیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے سب صحابہ کو حضرت ابی بن کعب ؓ کی امامت میں جمع کیا تو وہ بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ حضرت عمر فاروق ؓ ان خلفاء راشدین میں سے ہیں جن کی بابت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو اور اسی کو ڈاڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑے رکھو۔ علامہ ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ڈاڑھوں کا ذکر اس لئے کیا کہ ڈاڑھوں کی گرفت مضبوط ہوتی ہے، لہذا حضرت عمر فاروق ؓ کا یہ اقدام عین سنت ہے۔ (فتاوی ابن تیمیہ ج ۲ ص ۴۰۱)۔ (فتاوی ابن تیمیہ ج ۲۲ ص ۴۳۴)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

۸ رکعت تراویح کا موقف اختیار کرنے والے علماء کرام کی رائے کا احترام کرتے ہوئے، اس موضوع پر احادیث، محدثین اور علماء کرام کے اقوال ذکر کرکے ایک تحقیقی مضمون لکھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس مضمون کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

روزمرہ کے تقریباً ۸۰ فیصد پریکٹیکل مسائل میں امت مسلمہ متفق ہے، کیونکہ شریعت اسلامیہ کا واضح حکم موجود ہے۔ البتہ چند اسباب کی وجہ سے روزمرہ کے تقریباً ۲۰ فیصد پریکٹیکل مسائل میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے، انہیں مختلف فیہ مسائل میں تراویح کی تعداد رکعت کا مسئلہ بھی ہے۔

ہر مکتب فکر نے اپنے علماء کرام کی سرپرستی میں قرآن وحدیث کو پڑھ کر ایک موقف اختیار کرلیا ہے، اسی معین موقف کی تائید کے لئے احادیث کے ذخیرہ میں غوطہ اندوزی کی جاتی ہے۔ اپنے موقف کی موافقت والی احادیث کو صحیح وحسن قرار دینے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے خواہ اس کے لئے کتنے ہی پاپڑ بیلنے پڑیں اور مخالفت کی شکل میں اس کے جوابات اور ان احادیث کو کسی بھی طرح سے ضعیف یا موضوع قرار دینے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ ان ۲۰ فیصد مختلف فیہ مسائل میں ہمیں اختیار ہے کہ ہم جن فقہاء عظام وعلماء کرام سے عقیدت رکھتے ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں انہوں نے جو رائے اختیار کی ہے، اسی پر عمل کریں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تراویح کے معنی:

بخاری شریف کی مشہور ومعروف شرح لکھنے والے حافظ ابن حجر العسقلانیؒ نے تحریر کیا ہے کہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ کے معنی ایک دفعہ آرام کرنا ہے، جیسے تسلیمہ کے معنی ایک دفعہ سلام پھیرنا۔ رمضان المبارک کی راتوں میں نمازِ عشاء کے بعد باجماعت نماز کو تراویح کہا جاتا ہے، کیونکہ صحابۂ کرام کا اتفاق اس امر پر ہوگیا کہ ہر دوسلاموں (یعنی چار رکعت) کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے تھے۔ (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب صلاۃ التراویح)

نماز تراویح کی فضیلت:

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص رمضان (کی راتوں) میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کے لئے) کھڑا ہو، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ (بخاری ومسلم) ثواب کی امید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ شہرت اور دکھاوے کے لئے نہیں بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے عبادت کی جائے۔

نماز تراویح کی تعدادِ رکعت:

تراویح کی تعدادِ رکعت کے سلسلہ میں ایک طویل عرصہ سے محدثین، فقہاء وعلماء کرام کے درمیان اختلاف چلا آرہا ہے۔ تراویح پڑھنے کی اگرچہ بہت فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہے، لیکن فرض نہ ہونے کی وجہ سے تراویح کی تعدادِ رکعت میں یقیناً گنجائش ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص صرف ۴ رکعت پڑھے تو آپ شرعی اعتبار سے اس کو ۸ یا ۲۰ پڑھنے پر مجبور نہیں کرسکتے۔ کیونکہ تراویح سنت ہے، فرض یا واجب نہیں۔

تراویح کی تعدادِ رکعت میں محدثین، فقہاء وعلماء کرام کے درمیان اختلاف کی اصل بنیاد یہ ہے کہ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے یا دو الگ الگ نمازیں۔ اگرچہ یہ بات بڑے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اقوال وافعال سے دونوں نمازوں کے ایک یا الگ الگ ہونے کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا ہے، البتہ احادیث سے اپنے اپنے اقوال کی تائید حاصل کرنے کی کوشش ضرور کی گئی ہے۔ جن محدثین، فقہاء وعلماء کرام نے اِن دونوں نمازوں کو الگ الگ نماز قرار دیا ہے، اُن کے نقطۂ نظر میں حضرت عائشہؓ کی روایت کا تعلق تہجد کی نماز سے ہے، جس میں انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور رمضان کے علاوہ گیارہ رکعت سے زائد نماز نہیں پڑھتے تھے۔ جس کے انہوں نے مختلف دلائل دیے ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں :

۱) تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے، اور اس حدیث میں ایسی نماز کا ذکر ہے جو رمضان کے علاوہ بھی پڑھی جاتی ہے۔

۲) اگر حضرت عائشہؓ کے فرمان کا تعلق تراویح کی نماز سے ہے تو حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانے میں جب باضابطہ جماعت کے ساتھ ۲۰ رکعت تراویح کا اہتمام ہوا تو کسی بھی صحابی نے اِس پر کوئی تنقید کیوں نہیں کی؟ (دنیا کی کسی کتاب میں، کسی زبان میں بھی، کسی ایک صحابی کا حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانے میں ۲۰ رکعت تراویح کے شروع ہونے پر کوئی اعتراض مذکور نہیں ہے)۔ اگر ایسی واضح حدیث تراویح کی تعداد کے متعلق ہوتی تو حضرت عمر فاروق ؓ اور صحابہ کرام کو کیسے ہمت ہوتی کہ وہ ۸ رکعت تراویح کی جگہ ۲۰ رکعت تراویح شروع کردیتے۔ صحابہ کرام تو ایک ذرا سی چیز میں بھی آپ ﷺ کی تعلیمات کی مخالفت برداشت نہیں کرتے تھے۔ اور نبی اکرم ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے کا جذبہ یقیناً صحابۂ کرام میں ہم سے بہت زیادہ تھا۔ بلکہ ہم (یعنی آج کے مسلمان) صحابہ کی سنتوں پر عمل کرنے کے جذبہ سے اپنا کوئی مقارنہ بھی نہیں کرسکتے۔ نیز نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ہم خلفاء راشدین کی سنتوں کو بھی مضبوطی سے پکڑلیں۔ (ابن ماجہ)

۳) اگر اس حدیث کا تعلق واقعی تراویح کی نماز سے ہے (اور تہجد و تراویح ایک نماز ہے) تو رمضان کے آخری عشرہ میں نمازِ تراویح پڑھنے کے بعد تہجد کی نماز کیوں پڑھی جاتی ہے؟

۴) اس حدیث کا تعلق تہجد کی نماز سے ہے جیسا کہ محدثین نے اس حدیث کو تہجد کے باب میں نقل کیا ہے نہ کہ تراویح کے باب میں۔ (ملاحظہ ہو: مسلم ج ۱ ص ۱۵۴، ابوداود ج ۱ ص ۱۹۶، ترمذی ج ۱ ص ۵۸، نسائی ج ۱ ص ۱۵۴، موطا امام مالک ص ۴۲)۔

علامہ شمس الدین کرمانیؒ (شارح بخاری) تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تہجد کے بارے میں ہے اور حضرت ابوسلمہؓ کا مذکورہ بالا سوال اور حضرت عائشہ ؓ کا جواب تہجد کے متعلق تھا۔ (الکوکب الدراری شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۵۵-۱۵۶)

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ گیارہ رکعت (وتر کے ساتھ) پڑھتے تھے وہ تہجد کی نماز تھی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تہجد کی نماز پر محمول ہے جو رمضان اور غیر رمضان میں برابر تھی۔ (مجموعہ فتاوی عزیزی ص ۱۲۵)

نماز تراویح نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں:

☆ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (رمضان کی) ایک رات مسجد میں نماز تراویح پڑھی۔ لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر دوسری رات کی نماز میں شرکاء زیادہ ہو گئے، تیسری یا چوتھی رات آپ ﷺ نماز تراویح کے لئے مسجد میں تشریف نہ لائے اور صبح کو فرمایا کہ میں نے تمہارا شوق دیکھ لیا اور میں اس ڈر سے نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تم پر رمضان میں فرض نہ کر دی جائے۔ (مسلم۔ الترغیب فی صلاۃ التراویح)۔۔۔۔۔۔ اِن دو یا تین دن کی تراویح کی رکعت کے متعلق کوئی تعداد احادیث صحیحہ میں مذکور نہیں ہے۔

☆ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قیام رمضان کی ترغیب تو دیتے لیکن وجوب کا حکم نہیں دیتے۔ آپ ﷺ فرماتے کہ جو شخص رمضان کی راتوں میں نماز (تراویح) پڑھے اور وہ ایمان کے دوسرے تقاضوں کو بھی پورا کرے اور ثواب کی نیت سے یہ عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ معاف فرما دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات تک یہی عمل رہا، دورِ صدیقی اور ابتداء عہد فاروقی میں بھی یہی عمل رہا۔ (مسلم۔ الترغیب فی صلاۃ التراویح)

اس مسلم کی حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی حیات میں، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت اور حضرت عمر فاروقؓ کے ابتدائی دورِ خلافت میں نماز تراویح جماعت سے پڑھنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا، صرف ترغیب دی جاتی تھی۔ البتہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں یقیناً تبدیلی ہوئی ہے، اس تبدیلی کی وضاحت مضمون میں محدثین، فقہاء اور علماء کرام کی تحریروں کی روشنی میں آرہی ہے۔

☆ حضرت عائشہؓ کی روایت (جس میں انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور رمضان کے علاوہ گیارہ رکعت سے زائد نماز نہیں پڑھتے تھے) میں لفظِ تراویح کا ذکر نہیں ہے۔ لہذا اس حدیث کا تعلق تہجد کی نماز سے ہے کیونکہ محدثین نے اس حدیث کو تہجد کے باب میں نقل کیا ہے نہ کہ تراویح کے باب میں۔ (ملاحظہ ہو: مسلم ج ۱ص ۱۵۴، ابوداؤد ج ۱ص ۱۹۶، ترمذی ج ۱ص ۵۸، نسائی ج ۱ص ۱۵۴، مؤطا امام مالک ص ۴۲) اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان محدثین کے نزدیک یہ حدیث تہجد کی نماز سے متعلق ہے نہ کہ تراویح سے۔

امام محمد بن نصر مروزیؒ نے اپنے مشہور کتاب (قیام اللیل ص ۹۱ اور ۹۲) میں قیام رمضان کا باب باندھ کر بہت سی حدیثیں اور روایتیں نقل فرمائی ہیں مگر مذکورہ بالا حدیثِ عائشہ نقل نہیں فرمائی، اس لئے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث تراویح کے متعلق ہے ہی نہیں۔

علامہ ابن قیمؒ نے اپنی مشہور ومعروف کتاب (زاد المعاد ص ۸۶) میں قیام اللیل (تہجد) کے بیان میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں اس روایت کے متعلق حافظ حدیث امام قرطبیؒ کا یہ قول بھی نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے کہ بہت سے اہل علم حضرات اس روایت کو مضطرب مانتے ہیں۔ (عینی شرح بخاری ج ۷ ص ۱۸۷)

نماز تراویح خلفاء راشدین کے زمانے میں:

☆ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے عہد میں کتنی تراویح پڑھی جاتی تھیں، احادیث صحیحہ میں صحابہ کرام کا کوئی واضح عمل مذکور نہیں ہے۔ گویا اس دور کا معمول حسب سابق رہا اور لوگ اپنے طور پر نماز تراویح پڑھتے رہے، غرضیکہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے عہد خلافت (یعنی دو رمضان) میں نماز تراویح باقاعدہ جماعت کے ساتھ ایک مرتبہ بھی ادا نہیں ہوئی۔

☆ حضرت عمر فاروق ؓ نے جب اپنے عہد خلافت میں لوگوں کو دیکھا کہ تنہا تنہا تراویح کی نماز پڑھ رہے ہیں تو حضرت عمر فاروق ؓ نے سب صحابہ کو حضرت ابی بن کعب ؓ کی امامت میں جمع کیا، اور عشاء کے فرائض کے بعد وتروں سے پہلے باجماعت ۲۰ رکعت نماز تراویح میں قرآن کریم مکمل کرنے کا باضابطہ سلسلہ شروع کیا۔ ملاحظہ ہو کہ حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانے میں یہ سب کچھ شروع ہوا :

۱) پورے رمضان تراویح پڑھنا۔	(جس پر پوری امت کا عمل ہے)
۲) تراویح کا مستقل باجماعت پڑھنا۔	(جس پر پوری امت کا عمل ہے)
۳) رمضان میں وتر باجماعت پڑھنا۔	(جس پر پوری امت کا عمل ہے)
۴) بیس رکعت تراویح پڑھنا۔	تراویح کی کیفیت تو قابل قبول ہے لیکن تعداد تراویح محل نظر ؟

☆ حضرت عبدالرحمٰن قاریؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر فاروق ؓ کے ہمراہ رمضان میں مسجد میں گیا تو دیکھا کہ لوگ مختلف گرویوں میں علیحدہ علیحدہ نماز تراویح پڑھ رہے ہیں، کوئی اکیلا پڑھ رہا ہے اور کسی کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں، اس پر حضرت عمر فاروق ؓ نے فرمایا کہ واللہ! میرا خیال ہے کہ اگر ان سب کو ایک امام کی اقتداء میں جمع کردیا جائے تو بہت اچھا ہے اور سب کو حضرت ابی بن کعب ؓ کی اقتداء میں جمع کردیا۔۔۔۔حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ پھر جب ہم دوسری رات نکلے اور دیکھا کہ سب لوگ ایک ہی امام کی اقتداء میں نماز تراویح ادا کررہے ہیں تو حضرت عمر فاروق ؓ نے فرمایا کہ یہ بڑا اچھا طریقہ ہے اور مزید فرمایا کہ ابھی تم رات کے جس آخری حصہ میں سوجاتے ہو، وہ اس وقت سے بھی بہتر ہے جس کو تم نماز میں کھڑے ہو کر گزارتے ہو۔ (مؤطا امام مالکؒ، باب ماجاء فی قیام رمضان)

☆ حضرت یزید بن رومانؒ فرماتے ہیں کہ لوگ (صحابہ کرام) حضرت عمر فاروق ؓ کے دور خلافت میں ۲۳ رکعت (۲۰ تراویح اور ۳ وتر) ادا فرماتے تھے۔ (مؤطا امام مالکؒ، باب ماجاء فی قیام رمضان، ص ۹۸)

☆ علامہ بیہقی ؒ نے کتاب المعرفہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت سائب بن یزیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق ؓ کے دور حکومت میں ہم ۲۰ رکعت تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔ (___) امام زیلعی ؒ نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (نصب الرای ج ۲ ص ۱۵۴)

☆ حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں حکم دیا کہ رمضان کی راتوں میں نماز پڑھائیں۔ چنانچہ فرمایا کہ لوگ سارا دن روزہ رکھتے ہیں اور قراءت اچھی طرح نہیں کر سکتے۔ اگر آپ رات کو انہیں (نماز میں) قرآن سنائیں تو بہت اچھا ہوگا۔۔۔ پس حضرت ابی بن کعبؓ نے انہیں ۲۰ رکعتیں پڑھائیں۔ (مسند احمد بن منیع بحوالہ اتحاف الخیرہ المہر ہ للبوصیری علی المطالب العالیہ ج ۲ ص ۴۲۴)

☆ موطا امام مالک میں یزید بن خصیفہؒ کے طریق سے سائب بن یزیدؓ کی روایت ہے کہ عہد فاروقی میں بیس رکعت تراویح تھیں۔ (فتح الباری لابن حجر ج ۴ ص ۳۲۱، نیل الاوطار للشوکانی ج ۲ ص ۵۱۴)

☆ حضرت محمد بن کعب القرظیؒ (جو جلیل القدر تابعی ہیں) فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمرؓ کے دور میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ (قیام اللیل للمروزی ص ۱۵۷)

☆ حضرت یحییٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے۔ (مصنف بن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

☆ حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ کی امامت پر جمع فرمایا۔ وہ لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح پڑھاتے تھے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۱۱، باب القنوت والوتر)

☆ حضرت سائب بن یزیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں تین رکعت (وتر) اور بیس رکعت (تراویح) پڑھی جاتی تھیں۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۲۰۱، حدیث نمبر ۷۷۶۳)

☆ حضرت سائب بن یزیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں ہم ۲۰ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، اور قاری صاحب سو سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور لمبے قیام کی وجہ سے حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

☆ حضرت ابو الحسناءؒ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

☆ حضرت ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا۔ پھر ان میں سے ایک قاری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے اور حضرت علیؓ خود انہیں وتر پڑھاتے تھے۔ (السنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

نماز تراویح سے متعلق صحابہ وتابعین کا عمل:

☆ حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا معمول بھی بیس رکعت تروایح اور تین رکعت وتر پڑھنے کا تھا۔ (قیام اللیل للمروزی ص ۱۵۷)

☆ حضرت حسن بصریؒ حضرت عبدالعزیز بن رفیعؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

☆ حضرت عطا بن ابی رباحؒ (جلیل القدر تابعی، تقریباً ۲۰۰ صحابہ کرام کی زیارت کی ہے) فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں (صحابہ) کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے پایا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

☆ حضرت ابراہیم نخعیؒ (جلیل القدر تابعی، کوفہ کے مشہور ومعروف مفتی) فرماتے ہیں کہ لوگ رمضان میں پانچ ترویحہ سے بیس رکعت پڑھتے تھے۔ (کتاب الآثار بروایت ابی یوسف ص ۴۱)

☆ حضرت شتیر بن شکلؒ (نامور تابعی، حضرت علیؓ کے شاگرد) لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ (السنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

☆ حضرت ابو البختریؒ (اہل کوفہ میں اپنا علمی مقام رکھتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوسعیدؓ کے شاگرد)۔ آپ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ رمضان میں پانچ ترویحہ سے بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

☆ حضرت سوید بن غفلہؒ (حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ صحابہ کی زیارت کی ہے)۔ آپ کے بارے میں ابو الخصیبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سوید بن غفلہؒ رمضان میں پانچ ترویحہ سے بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔ (السنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

☆ حضرت ابن ابی ملیکہ ؒ (جلیل القدر تابعی،تقریباً تمیں صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے) آپ کے متعلق حضرت نافع بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن ابی ملیکہ ؒ ہمیں رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ص ۲۸۵)

نماز تراویح سے متعلق اکابرین امت کے اقوال:

امام ابوحنیفہؒ۔ علامہ ابن رشد ؒ لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں قیام رمضان بیس رکعت ہے۔ (بدایہ المجتہد ج ۱ص ۲۱۴)
امام فخر الدین قاضی خانؒ لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ ؒ فرماتے ہیں کہ رمضان میں ہر رات بیس یعنی پانچ ترویحہ وتر کے علاوہ پڑھنا سنت ہے۔ (فتاوی قاضی خان ج ۱ص ۱۱۲)
علامہ علاء الدین کاسانی حنفی ؒ لکھتے ہیں کہ صحیح قول جمہور علماء کا یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ کی امامت میں صحابہ کرام کو تراویح پڑھانے پر جمع فرمایا تو انہوں نے بیس رکعت تراویح پڑھائی اور صحابہ کی طرف سے اجماع تھا۔ (بدائع الصنائع)

امام مالکؒ: امام مالکؒ کے مشہور قول کے مطابق تراویح کی ۳۶ رکعت ہیں جبکہ ان کے ایک قول کے مطابق بیس رکعت سنت ہیں۔علامہ ابن رشد قرطبی مالکی ؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے ایک قول میں بیس رکعت تراویح کو پسند فرمایا ہے۔ (بدایہ المجتہد ج ۱ص ۲۱۴)
مسجد حرام میں تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد ترویحہ کے طور پر مکہ کے لوگ ایک طواف کرلیا کرتے تھے،جس پر مدینہ منورہ والوں نے ہر ترویحہ پر چار چار رکعت نفل پڑھنی شروع کردیں تو اس طرح امام مالک ؒ کی ایک رائے میں ۳۶ رکعت (۲۰ رکعت تراویح اور ۱۶ رکعت نفل) ہوگئیں۔

امام شافعیؒ: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے بیس رکعت تراویح پسند ہیں،مکہ مکرمہ میں بیس رکعت ہی پڑھتے ہیں۔ (قیام اللیل ص ۱۵۹)
ایک دوسرے مقام پر امام شافعی ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح پڑھتے پایا ہے۔(ترمذی ج ۱ ص ۱۶۶) علامہ نووی شافعیؒ لکھتے ہیں کہ تراویح کی رکعت کے متعلق ہمارا (شوافع) مسلک وتر کے علاوہ دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعت کا ہے،اور بیس رکعت پانچ ترویحہ ہیں اور ایک ترویحہ چار رکعت کا دو سلاموں کے ساتھ،یہی امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام داؤد ظاہری کا مسلک ہے اور قاضی عیاض ؒ نے بیس رکعت تراویح کو جمہور علماء سے نقل کیا ہے۔(المجموع)

امام احمد بن حنبلؒ: فقہ حنبلی کے ممتاز ترجمان علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں: امام ابوعبداللہ (احمد بن حنبلؒ) کا پسندیدہ قول بیس رکعت کا ہے اور حضرت سفیان ثوری ؒ بھی یہی کہتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر فاروق ؓ نے صحابہ کرام کو حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں جمع کیا تو وہ بیس رکعت پڑھتے تھے،نیز حضرت امام احمد ابن حنبل ؒ کا استدلال حضرت یزید و علیؓ کی روایات سے ہے۔ ابن قدامہؒ کہتے ہیں کہ یہ بمنزلہ اجماع کے ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ جس چیز پر حضور اکرم کے صحابہ عمل پیرا رہے ہوں،وہی اتباع کے لائق ہے۔
(المغنی لابن قدامہ ج ۲ص ۱۳۹، صلاۃ التراویح)

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ جمہور اہل علم کا مسلک وہی ہے جو حضرت علیؓ و حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرام سے منقول ہے کہ تراویح میں بیس رکعت ہیں، حضرت سفیان ثوریؒ، ابن مبارکؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل مکہ کو بیس رکعت پڑھتے دیکھا۔ (ترمذی، ماجاء فی قیام شہر رمضان) امام ترمذیؒ نے اس موقع پر تحریر کیا ہے کہ بعض حضرات مدینہ منورہ میں ۴۱ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ لیکن امام ترمذیؒ نے اہل مکہ یا اہل مدینہ میں سے ۸ تراویح پر کسی کا عمل نقل نہیں کیا۔

مسلم شریف کی سب سے مشہور و معروف شرح لکھنے والے علامہ نوویؒ جو ریاض الصالحین کے مصنف بھی ہیں فرماتے ہیں کہ قیام رمضان سے مراد تراویح ہے اور تمام علماء متفق ہیں کہ یہ نماز اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے البتہ اس میں کچھ اختلاف ہے کہ گھر میں اکیلا پڑھنا بہتر ہے یا مسجد میں باجماعت؟ تو امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، بعض مالکی اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ باجماعت پڑھنا بہتر ہے چونکہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرات صحابہ کرام نے ایسا ہی کیا اور اس پر مسلسل عمل جاری ہے حتی کہ یہ مسلمانوں کی ظاہری علامات میں سے ایک علامت ہے۔ (شرح مسلم للنووی، ملخص: الترغیب فی قیام رمضان)
نیز علامہ نوویؒ فرماتے ہے کہ جان لو کہ نماز تراویح کے سنت ہونے پر تمام علماء کا اجماع ہے اور یہ بیس رکعت ہیں جن میں ہر دو سلام کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے۔ (الاذکار ص ۸۳)

علامہ عینیؒ (بخاری شریف کی شرح لکھنے والے) تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کے زمانہ میں تراویح کی بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں۔ (عینی ج ۷ ص ۱۷۸)
شیخ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ تراویح بیس رکعتیں ہیں جن کا طریقہ معروف و مشہور ہے اور یہ سنت مؤکدہ ہے۔ (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۳۲)
شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ تراویح نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے اور یہ بیس رکعت ہیں۔ (غنیۃ الطالبین ص ۲۶۷، ۲۶۸)
مولانا قطب الدین خان محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: اجماع ہوا صحابہ کا اس پر کہ تراویح کی بیس رکعت ہیں۔ (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۳۶)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی سب سے مشہور و معروف کتاب (حجۃ اللہ البالغہ) میں تحریر کیا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ میں تراویح کی بیس رکعت مقرر ہوئی تھیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اور تابعین نے قیام رمضان میں تین چیزیں زیادہ کی ہیں:
۱) مسجدوں میں جمع ہونا کیونکہ اس سے عوام و خواص پر آسانی ہوتی ہے۔
۲) اس کو شروع رات میں ادا کرنا جبکہ اخیر رات میں پڑھنا زیادہ افضل ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس طرف اشارہ فرمایا۔
۳) تراویح کی تعداد بیس رکعت۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۶۷)
مشہور اہل حدیث نواب صدیق حسن خان مرحوم بھوپالیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں جو طریقہ بیس رکعت پڑھانے کا ہوا، اس کو علماء نے اجماع کے مثل شمار کیا ہے۔ (عون الباری ج ۴ ص ۳۱۷)

ایک شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات نے (ابن خزیمہ و ابن حبان) میں وارد حضرت جابرؓ کی روایت سے ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے رمضان میں آٹھ رکعات تراویح پڑھیں۔ حالانکہ یہ روایت اس قدر ضعیف و منکر ہے کہ اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس میں ایک راوی عیسیٰ بن جاریہ ہے، جس کی بابت محدثین نے تحریر کیا ہے کہ اس کے پاس منکر روایات ہیں، جیسا کہ ۸ رکعت تراویح کا موقف رکھنے والے حضرات نے دوسرے مسائل میں اس طرح کے راویوں کی روایات کو تسلیم کرنے سے منع کیا ہے۔ اس نوعیت کی متعدد ضعیف احادیث ہمارے پاس بھی موجود ہیں جس میں مذکور ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بیس رکعت تراویح پڑھیں: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ بیشک نبی اکرم ﷺ ماہِ رمضان میں بلا جماعت بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ (بیہقی، ج ا ص ۴۹۶، اس حدیث کو طبرانی نے کبیر میں، ابن عدی نے مسند میں اور علامہ بغوی نے مجمع صحابہ میں ذکر کیا ہے) (زجاجۃ المصابیح)۔۔۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے امام رافعی کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ حضور اکرم نے لوگوں کو بیس رکعت دو راتیں پڑھائیں پھر تیسری رات کو لوگ جمع ہو گئے، مگر آپ باہر تشریف نہیں لائے۔ پھر صبح کو فرمایا کہ مجھے اندیشہ تھا کہ یہ تمہارے اوپر فرض نہ ہو جائے اور تم اس کو ادا نہ کرسکو، اس لئے باہر نہیں آیا۔۔۔ مگر جیسا کہ میں نے مضمون کے شروع میں تحریر کیا تھا کہ کسی بھی معتبر، صحیح اور غیر قابل نقد و جرح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان دو راتوں میں کتنی تراویح ادا فرمائیں۔

دوسرے شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات نے ایک روایت کی بنیاد پر تحریر کیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے گیارہ رکعت تراویح کا حکم دیا تھا، حالانکہ یہ حدیث تین طرح سے منقول ہے اور حدیث کی سند میں شدید ضعف بھی ہے۔۔۔ نیز حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھی گئیں، یہ بات سورج کی روشنی کی طرح محدثین و اکابرین امت نے تسلیم کی ہے، جیسا کہ محدثین و علماء کرام کے اقوال حوالوں کے ساتھ اوپر تحریر کئے جاچکے ہیں۔ لہٰذا اس حقیقت کا انکار کرنا صرف ہٹ دھرمی ہے۔ امام ترمذیؒ، امام غزالیؒ، علامہ نوویؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، علامہ ابن قدامہؒ، علامہ ابن تیمیہؒ اور مشہور اہل حدیث نواب صدیق حسن خان مرحوم بھوپالیؒ نے بھی وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ مشہور غیر مقلد عالم مفتی محمد حسین بٹالویؒ نے جب پہلی دفعہ ۱۲۸۴ھ میں باضابطہ طور پر فتویٰ جاری کیا کہ آٹھ رکعت تراویح سنت اور بیس رکعت بدعت ہے تو اس انوکھے فتوے کی ہر طرف سے مخالفت کی گئی۔ مشہور غیر مقلد بزرگ عالم مولانا غلام رسولؒ صاحب نے خود اس فتویٰ کی سخت کلمات میں مذمت کی، اور اس کو سینہ زوری قرار دیا۔ (رسالہ تراویح ص ۲۸، ۵۶)

تیسرے شبہ کا ازالہ:

کچھ حضرات کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے اقوال میں اگر کوئی تضاد ہو تو صحابہ کے اقوال کو چھوڑ کر نبی اکرم ﷺ کے قول کو لیا

جائے گا۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ اگر کوئی اِس میں شک بھی کرے، تو اُسے اپنے ایمان کی تجدید کرنی ہوگی۔ لیکن یہاں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے اقوال وافعال میں کہیں بھی تراویح کی کوئی تعداد مذکور نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی سنتوں سے صحابۂ کرام کو ہم سے زیادہ محبت تھی۔ اور دین میں نئی بات پیدا کرنے سے صحابۂ کرام ہم سے زیادہ ڈرنے والے تھے۔

❁❁❁+❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

خصوصی توجہ:

سعودی عرب کے نامور عالم، مسجد نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے (سابق) قاضی الشیخ عطیہ محمد سالمؒ (متوفی ۱۹۹۹) نے نماز تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ پر عربی زبان میں ایک مستقل کتاب (التراویح اکثر من الف عام فی المسجد النبوی) لکھی ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں تصنیف کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسجد نبوی میں نماز تراویح ہورہی ہوتی ہے تو بعض لوگ آٹھ رکعت پڑھ کر ہی رک جاتے ہیں، ان کا یہ گمان ہے کہ آٹھ رکعت تراویح پڑھنا بہتر ہے اور اس سے زیادہ جائز نہیں ہے، اس طرح یہ لوگ مسجد نبوی میں بقیہ تراویح کے ثواب سے محروم رہتے ہیں۔ ان کی اس محرومی کو دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے، لہٰذا میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں تاکہ ان لوگوں کے شک وشبہات ختم ہوں اور ان کو بیس رکعت تراویح پڑھنے کی توفیق ہوجائے ---- اس کتاب میں ۱۴۰۰ سالہ تاریخ پر مدلل بحث کرنے کے بعد شیخ عطیہ محمد سالمؒ لکھتے ہیں: اس تفصیلی تجزیہ کے بعد ہم اپنے قراء سے اولاً تو یہ پوچھنا چاہیں گے کہ کیا ایک ہزار سال سے زائد اس طویل عرصہ میں کسی ایک موقع پر بھی یہ ثابت ہے کہ مسجد نبوی میں مستقل آٹھ تراویح پڑھی جاتی تھیں؟ یا چلیں بیس سے کم تراویح پڑھنا ہی ثابت ہو؟ بلکہ ثابت تو یہ ہے کہ پورے چودہ سو سالہ دور میں بیس یا اس سے زائد ہی پڑھی جاتی تھیں۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا کسی صحابی یا ماضی کے کسی ایک عالم نے بھی یہ فتویٰ دیا کہ ۸ سے زائد تراویح جائز نہیں ہیں اور اس نے حضرت عائشہؓ کی حدیث کو اس فتوے کی بنیاد بنایا ہو؟

خلاصۂ کلام:

لکھنے کا مقصد بالکل بھی بحث ومباحثہ میں پڑنا نہیں ہے کیونکہ اس سے عموماً نقصان ہی ہوتا ہے۔ نیز تراویح چونکہ فرض تو ہے نہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص ۸ رکعت پڑھ لے تب بھی ٹھیک ہے، ۲۰ رکعت پڑھ لے جب بھی ٹھیک ہے۔ بس ۲۰ رکعت پڑھنے میں احتیاط ہے کہ ۸ رکعت ۲۰ رکعت میں داخل ہیں، اور رمضان کی راتوں میں عبادت کرنے کی خاص فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہے۔ البتہ مذکورہ بالا احادیث، متفق علیہ محدثین اور معتبر علماء کے اقوال کی روشنی میں ۲۰ رکعت تراویح کا موقف ہی زیادہ مضبوط معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

محمد نجیب قاسمی، سنبھلی (najeebqasmi@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن۔

زکوۃ کے مسائل

زکوۃ کے معنی: زکوۃ کے معنی پاکیزگی، بڑھوتری اور برکت کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَةً تُطَھِّرُھُمْ وَتُزَکِّیْھِمْ بِھَا وَصَلِّ عَلَیْھِمْ اُن کے مال سے زکوۃ لو تا کہ اُن کو پاک کرے اور بابرکت کرے اُس کی وجہ سے، اور دعا دے اُن کو (سورہ توبہ ۱۰۳)۔۔ شرعی اصطلاح میں مال کے اُس خاص حصہ کو زکوۃ کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فقیروں، محتاجوں وغیرہ کو دے کر انہیں مالک بنا دیا جائے۔

زکوۃ کا حکم: زکوۃ دینا فرض ہے۔ قرآن کریم کی آیات اور حضور اکرم ﷺ کے ارشادات سے اس کی فرضیت ثابت ہے۔ جو شخص زکوۃ کے فرض ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

زکوۃ کی فرضیت کب ہوئی: زکوۃ کی فرضیت ابتداء اسلام میں ہی مکہ مکرمہ کے اندر نازل ہو چکی تھی، جیسا کہ امام تفسیر ابن کثیرؒ نے سورہ مزمل کی آیت فَاَقِیْمُوا الصَّلاۃَ وَآتُوا الزَّکَاۃَ سے استدلال فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور بالکل ابتداء وحی کے زمانہ کی سورتوں میں سے ہے۔ البتہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء اسلام میں زکوۃ کے لئے کوئی خاص نصاب یا خاص مقدار مقرر نہ تھی، بلکہ جو کچھ ایک مسلمان کی اپنی ضرورت سے بچ جاتا، اُس کا ایک بڑا حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جاتا تھا۔ نصاب کا تعین اور مقدارِ زکوۃ کا بیان مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ہوا۔

زکوۃ کے فوائد: زکوۃ ایک عبادت ہے، اللہ کا حکم ہے، زکوۃ نکالنے سے ہمیں کوئی منفعت حاصل ہو یا نہ ہو، کوئی فائدہ ملے یا نہ ملے، اللہ کے حکم کی اطاعت بذاتِ خود مقصود ہے۔ اصل مقصد تو زکوۃ کا یہ ہے، لیکن اللہ کا کرم ہے جو کوئی بندہ زکوۃ نکالتا ہے تو اللہ اُس کو دنیاوی فوائد بھی عطا فرماتے ہیں، اُن فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی باقی مال میں برکت، اضافہ اور پاکیزگی کا سبب بنتی ہے۔

☆ چنانچہ قرآن کریم (سورہ البقرہ ۔۲۷۶) میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿اللہ سود کو مٹاتا ہے اور زکوۃ اور صدقات کو بڑھاتا ہے﴾۔

☆ ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی بندہ زکوۃ نکالتا ہے تو فرشتے اُس کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ ﴿اے اللہ! جو شخص اللہ کے راستے میں خرچ کر رہا ہے اس کو اور زیادہ عطا فرما، اور اے اللہ جس شخص نے اپنے مال کو روک کر رکھا ہے اور زکوۃ ادا نہیں کر رہا ہے تو اے اللہ اس کے مال پر ہلاکت ڈالے﴾۔

☆ ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی صدقہ کسی مال میں کمی نہیں کرتا ہے۔

زکوۃ کس پر فرض ہے: اُس مسلمان عاقل بالغ پر زکوۃ فرض ہے جو صاحبِ نصاب ہو۔ نصاب کا اپنی ضرورتوں سے زیادہ اور قرض سے بچا ہوا ہونا شرط ہے، نیز مال پر ایک سال گزرنا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جس کے پاس نصاب سے کم مال ہے، یا مال تو نصاب کے برابر ہے لیکن وہ قرض دار بھی ہے، یا مال سال بھر تک باقی نہیں رہا، تو ایسے شخص پر زکوۃ فرض نہیں ہے۔

زکوۃ کا نصاب: 52.5 تولہ یعنی 512.36 گرام چاندی یا 7.5 تولہ سونا یا اُس کی قیمت کا نقد روپیہ یا زیور یا سامانِ تجارت وغیرہ

جس شخص کے پاس موجود ہے اور اُس پر ایک سال گزر گیا ہے تو اُس کو صاحبِ نصاب کہا جاتا ہے۔ خواتین کے استعمالی زیور میں زکوٰۃ کے فرض ہونے میں علماء کی رائے مختلف ہیں۔ چونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کرنے پر قرآن وحدیث میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، لہٰذا استعمالی زیور پر بھی زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے۔

زکوٰۃ کتنی ادا کرنی ھے: اوپر ذکر کئے گئے نصاب پر صرف ڈھائی فیصد (2.5%) زکوٰۃ ادا کرنی ضروری ہے۔

سامان تجارت میں کیا کیا داخل ھے: مال تجارت میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کو آدمی نے بیچنے کی غرض سے خریدا ہو۔ لہٰذا جو لوگ Investment کی غرض سے پلاٹ خرید لیتے ہیں اور شروع ہی سے یہ نیت ہوتی ہے کہ جب اچھے پیسے ملیں گے تو اس کو فروخت کر کے اس سے نفع کمائیں گے، تو اس پلاٹ کی مالیت پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ لیکن پلاٹ اِس نیت سے خریدا کہ اگر موقع ہوا تو اس پر رہائش کے لئے مکان بنوالیں گے یا موقع ہوگا تو اس کو کرائے پر چڑھا دیں گے یا کبھی موقع ہوگا تو اس کو فروخت کر دیں گے یعنی کوئی واضح نیت نہیں ہے بلکہ ویسے ہی خرید لیا ہے، تو اس صورت میں اس پلاٹ کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

کس دن کی مالیت معتبر ھوگی؟ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے اُس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا جس دن آپ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے اپنے مال کا حساب لگا رہے ہیں۔

ھر ھر روپیے پر سال کا گزرنا ضروری نھیں:

ایک سال مال پر گزر جائے۔ اسکا مطلب یہ نہیں کہ ہر سال ہر ہر روپے پر مستقل سال گزرے۔ یعنی گزشتہ سال رمضان میں اگر آپ ۵ لاکھ روپے کے مالک تھے، جس پر ایک سال بھی گزر گیا تھا۔ زکوٰۃ ادا کر دی گئی تھی۔ اِس سال رمضان تک جو رقم آتی جاتی رہی اُس کا کوئی اعتبار نہیں، بس اِس رمضان میں دیکھ لو کہ تمہارے پاس اب کتنی رقم ضروریات سے بچ گئی ہے، اور اُس رقم پر زکوٰۃ ادا کردو۔ مثلاً اِس رمضان میں ۶ لاکھ روپے آپ کے پاس ضروریات سے بچ گئے ہیں تو ۶ لاکھ کا 2.5% زکوٰۃ ادا کردو۔

مستحقین زکوٰۃ: یعنی زکوٰۃ کس کو ادا کریں؟

اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ آیت نمبر ۶۰ میں ۸ مستحقین زکوٰۃ کا ذکر کیا ہے جن میں سے ۴ اہم مستحقین زکوٰۃ یہ ہیں:

(۱) فقیر یعنی وہ شخص جس کے پاس کچھ تھوڑا مال واسباب ہے لیکن نصاب کے برابر نہیں۔

(۲) مسکین یعنی وہ شخص جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔

(۳) قرضدار یعنی وہ شخص جس کے ذمہ لوگوں کا قرض ہو اور اُس کے پاس قرض سے بچا ہوا بقدر نصاب کوئی مال نہ ہو۔

(۴) مسافر جو حالت سفر میں تنگدست ہو گیا ہو۔

جن لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز نھیں ھے:

۱۔ اُس شخص کو جس کے پاس ضروریاتِ اصلیہ سے زائد بقدر نصاب مال موجود ہے۔

۲۔ سیّد اور بنی ہاشم۔ بنی ہاشم سے حضرت حارثؓ بن عبدالمطلب، حضرت جعفرؓ، حضرت عقیلؓ، حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی اولاد مراد ہے۔

۳۔ اپنے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

۴۔ اپنے بیٹے، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

۵۔ شوہر اپنی بیوی کو، اور بیوی اپنے شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی ہے۔

۶۔ کافر کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی ہے۔

نوٹ: بھائی، بہن، بھتیجہ، بھتیجی، بھانجا، بھانجی، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں، ساس، سسر، داماد وغیرہ میں سے جو حاجتمند اور مستحق زکوٰۃ ہوں، انہیں زکوٰۃ دینے میں دوہرا ثواب ملتا ہے، ایک ثواب زکوٰۃ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔ کسی تحفہ یا ہدیہ کے عنوان سے بھی اِن مذکورہ رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

زکوٰۃ نہ نکالنے پر وعید:

☆ سورہ توبہ آیت نمبر ۳۴۔۳۵ میں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید بیان فرمائی ہے جو اپنے مال کی کما حقہ زکوٰۃ نہیں نکالتے۔ اُن کے لئے بڑے سخت الفاظ میں خبر دی ہے، چنانچہ فرمایا کہ جو لوگ اپنے پاس سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اُس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، تو (اے نبی ﷺ) آپ اُن کو ایک دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے، یعنی جو لوگ اپنا پیسہ، اپنا روپیہ، اپنا سونا چاندی جمع کرتے جا رہے ہیں اور اُن کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، اُن پر اللہ نے جو فریضہ عائد کیا ہے اُس کو ادا نہیں کرتے، اُن کو یہ خوشخبری سنا دیجئے کہ ایک دردناک عذاب اُن کا انتظار کر رہا ہے۔ پھر دوسری آیت میں اُس دردناک عذاب کی تفصیل ذکر فرمائی کہ یہ دردناک عذاب اُس دن ہوگا جس دن سونے اور چاندی کو آگ میں تپایا جائے گا اور پھر اُس آدمی کی پیشانی، اُس کے پہلو اور اُس کی پشت کو داغا جائے گا اور اس سے یہ کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا، آج تم خزانے کا مزہ چکھو، جو تم اپنے لئے جمع کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِس انجام بد سے محفوظ فرمائے، آمین۔

☆ ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مال میں زکوٰۃ کی رقم شامل ہو جائے یعنی پوری زکوٰۃ نہیں نکالی بلکہ کچھ زکوٰۃ نکالی اور کچھ رہ گئی تو وہ مال انسان کے لئے تباہی اور ہلاکت کا سبب ہے۔ لہٰذا اس بات کا اہتمام کرو کہ ایک ایک پائی کا صحیح حساب کرکے زکوٰۃ ادا کرو۔

زکوٰۃ سے متعلق چند متفرق مسائل:

☆ زکوٰۃ جس کو دی جائے اُسے یہ بتا دینا کہ یہ مالِ زکوٰۃ ہے ضروری نہیں، بلکہ کسی غریب کے بچوں کو عیدی یا کسی اور نام سے دیدینا بھی کافی ہے۔

☆ دینی مدارس میں غریب طالب علموں کے لئے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

☆ زکوٰۃ کی رقم کو مساجد، مدارس، ہسپتال، یتیم خانے اور مسافر خانے کی تعمیر میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

☆ اگر عورت بھی صاحبِ نصاب ہے تو اُس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے، البتہ اگر شوہر خود ہی عورت کی طرف سے بھی زکوٰۃ کی ادائیگی اپنے مال سے کردے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِیْن.

صدقہ فطر اور عید الفطر کے مسائل

زکوۃ کی دو قسمیں ہیں:

زکوۃ المال: مال کی زکوۃ۔ جو مال کی ایک خاص مقدار پر فرض ہے جس کی بحث گزشتہ مضمون میں گزر چکی ہے۔

زکوۃ الفطر: یعنی بدن کی زکوۃ اس کو صدقۂ فطر کہا جاتا ہے۔ اِس مضمون میں یہی موضوع بحث ہے۔

صدقہ فطر کیا ھے: فطر کے معنی روزہ کھولنے یا روزہ نہ رکھنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں اُس صدقہ کا نام صدقۂ فطر ہے جو ماہِ رمضان کے ختم ہونے پر روزہ کھل جانے کی خوشی اور شکریہ کے طور پر ادا کیا جاتا ہے۔

صدقہ فطر مقرر ھونے کی وجه: عید الفطر میں صدقہ اِس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ اِس میں روزہ داروں کے لئے گناہوں سے پاکیزگی اور اُن کے روزوں کی تکمیل ہے۔ نیز مالداروں کے گھروں میں تو اُس روز عید ہوتی ہے مختلف قسم کے پکوان پکتے ہیں ،اچھے کپڑے پہنے جاتے ہیں، جبکہ غریبوں کے گھروں میں بوجہ غربت اسی طرح روزہ کی شکل موجود ہوتی ہے، لہذا اللہ تعالیٰ نے مالدار لوگوں پر لازم ٹھہرایا کہ غریبوں کو عید سے پہلے صدقۂ فطر دے دیں تاکہ وہ بھی خوشیوں میں شریک ہوسکیں، وہ بھی اچھا کھا پی سکیں، اور اچھا پہن سکیں۔

صدقہ فطر کس پر واجب ھے: جو مسلمان اتنا مالدار ہے کہ ضروریات سے زائد اُس کے پاس اُتنی قیمت کا مال واسباب موجود ہے جتنی قیمت پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، تو اُس پر عید الفطر کے دن صدقۂ فطر واجب ہے، چاہے وہ مال واسباب تجارت کے لئے ہو یا نہ ہو، چاہے اُس پر سال گزرے یا نہیں۔ غرض صدقۂ فطر کے واجب ہونے میں زکوۃ کے فرض ہونے کے تمام شرائط پائے جانے ضروری نہیں ہیں۔ ہر صاحبِ نصاب اپنی اور اپنے بال بچوں کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرے۔

صدقہ فطر کے واجب ھونے کا وقت: عید کے دن صبح صادق ہوتے ہی یہ صدقہ واجب ہوجاتا ہے۔ لہذا جو شخص صبح صادق ہونے سے پہلے ہی انتقال کرگیا تو اُس پر صدقۂ فطر واجب نہیں ہے اور جو بچہ صبح صادق سے پہلے پیدا ہوا ہے اُس کی طرف سے ادا کیا جائے گا۔

صدقہ فطر کی ادائیگی کا وقت: صدقۂ فطر کی ادائیگی کا اصل وقت عید الفطر کے دن نمازِ عید سے پہلے ہے۔ البتہ رمضان کے آخر میں کسی بھی وقت ادا کیا جاسکتا ہے۔ نمازِ عید الفطر کی ادائیگی تک صدقۂ فطر ادا نہ کرنے کی صورت میں نمازِ عید کے بعد بھی قضا کے طور پر دے سکتے ہیں، لیکن اتنی تاخیر کرنا بالکل مناسب نہیں ہے کیونکہ اس سے صدقۂ فطر کا مقصود اور مطلوب فوت ہوجاتا ہے۔

صدقہ فطر کی مقدار: صدقۂ فطر کی مقدار میں علماء کی چند آراء ہیں:

(۱) ایک کلو اور ۶۳۳ گرام (احتیاطاً دو کلو) گیہوں یا اسکی قیمت۔ ہر شخص کی طرف سے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔
(۲) دو کلو اور چالیس گرام گیہوں یا اُسکی قیمت۔ ہر شخص کی طرف سے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔
(۳) دو کلو اور ۷۰۰ گرام گیہوں۔ ہر شخص کی طرف سے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔

صدقہ کے مستحق:

صدقۂ فطر کے مستحق بھی وہی لوگ ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں، یعنی ایسے غریب لوگ جن کے پاس اتنا مال نہیں ہے جس پر صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے۔

متفرق مسائل:

☆ ایک شہر سے دوسرے شہر میں صدقۂ فطر بھیجنا مکروہ ہے، (یعنی جہاں آپ رہ رہے ہیں مثلاً ریاض میں تو وہیں صدقۂ فطر ادا کریں) ہاں اگر دوسرے شہر یا دوسرے ملک میں اُس کے غریب رشتہ دار رہتے ہیں، یا وہاں کے لوگ زیادہ مستحق ہیں، تو اُن کو بھیج دیا تو مکروہ نہیں ہے۔

☆ ایک آدمی کا صدقۂ فطر کئی فقیروں کو اور کئی آدمیوں کا صدقۂ فطر ایک فقیر کو دیا جا سکتا ہے۔

☆ جس شخص نے کسی وجہ سے رمضان المبارک کے روزے نہیں رکھے، اُس پر بھی یہ صدقہ واجب ہے۔

☆ ☆

عید الفطر کے احکام

☆ عید الفطر کی شب میں زیادہ عبادت کرنا مستحب ہے۔ اور دن میں روزہ رکھنا حرام ہے۔

☆ عید الفطر کے دن دو رکعتوں کا بطور شکریہ ادا کرنا واجب ہے۔ عید کی نماز کا وقت طلوع آفتاب کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔

☆ سعودی عرب میں چونکہ نمازِ عید سورج کے طلوع ہونے کے فوراً بعد ادا کی جاتی ہے، لہذا نمازِ عید کے لئے جلدی روانہ ہوں۔

☆ عید کی نماز کے بعد امام کا خطبہ پڑھنا سنت ہے، خطبہ شروع ہو جائے تو خاموش بیٹھ کر اُس کا سننا ضروری ہے۔ جو لوگ خطبہ کے دوران بات چیت کرتے رہتے ہیں، یا خطبہ چھوڑ کر چلے جاتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں۔

☆ عید کے دن غسل کرنا، مسواک کرنا، حسبِ استطاعت عمدہ کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، صبح صادق کے بعد عید کی نماز سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا، عید کی نماز کے لئے جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنا، ایک راستہ سے مسجد جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا، نماز کے لئے جاتے ہوئے تکبیر کہنا، یہ سب عید کی سنتوں میں سے ہیں۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

قرض حسن اور انفاق فی سبیل اللّٰہ کا بھترین بدلہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل سلیم عطا فرما کر اور اسے اشرف المخلوقات قرار دے کر دنیا میں بھیجا۔ عقل کی ہدایت اور نگہبانی کے لئے اس کو شریعت کی روشنی سے نوازا تا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کرے اور ایک نیک و صالح اور منصفانہ معاشرہ کی تعمیر کا کام انجام دے۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے روزِ اول سے انبیاء و رسل دنیا میں بھیجے۔ اور یہ سلسلہ خاتم الانبیاء حضور اکرم ﷺ پر ختم ہوا، جن کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے تمام انس و جن کے لئے رسول بنا کر بھیجا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت و اطاعت کا مکلف کرتے ہوئے، اس روئے زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا تا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی شریعت پر عمل کرے اور ایک منصفانہ سماج کی تشکیل کے لئے کوشاں رہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے یقیناً جسمانی و مالی دونوں طرح کی قربانی درکار ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (سورۂ آل عمران ۹۲) جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کروگے ہرگز بھلائی نہیں پاؤگے۔ اسی مالی تعاون کے ضمن میں آج قرض حسن ہمارا موضوع ہے۔ قرض کے معنی کی تفصیل بعد میں آرہی ہے، جبکہ حسن کے معنی بہتر، خوبصورت اور اچھے کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی چھ آیات میں بارہ مقامات پر قرض کا ذکر فرمایا ہے اور ہر آیت میں قرض کو حسن کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿کِتَابٌ اُحْکِمَتْ آیَاتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ (سورۂ ہود ۱) یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں، پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں ایک حکیم باخبر کی طرف سے﴾ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا ہر ہر لفظ اپنے اندر متعدد مفاہیم رکھتا ہے، ان مفاہیم کو قرن اول سے مفسرین قلم بند کررہے ہیں اور یہ سلسلہ کل قیامت تک جاری رہے گا ان شاء اللہ۔

سب سے قبل، قرض کے معنی سمجھیں: قرض کے لغوی معنی کاٹنے کے ہیں، یعنی اپنے مال میں سے کچھ مال کاٹ کر اللہ تعالیٰ کے راستے میں دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا کئی گنا بدلہ عطا فرمائے گا۔ محتاج لوگوں کی مدد کرنے سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جو مال غریبوں، مسکینوں اور ضرورت مندوں کو دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں کئی کئی گنا اضافہ فرماتا ہے، کبھی ظاہری طور پر، کبھی معنوی و روحانی طور پر اس میں برکت ڈال دیتا ہے، اور آخرت میں تو یقیناً اس میں حیران کن اضافہ ہوگا۔

قرض حسن سے متعلق ٦ آیات قرآنیہ :

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضاً حَسَناً فَیُضَاعِفَہٗ لَہٗ اَضْعَافاً کَثِیْرَۃً وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُطُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (سورۃ البقرۃ ۲۴۵)

کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے تا کہ اللہ تعالیٰ اُسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے، مال کا گھٹانا اور بڑھانا

سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے، اور اسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے۔

وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ (سورۃ المائدۃ ۱۲)

اور تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دیتے رہے تو یقین رکھو کہ میں تمہاری برائیاں تم سے دور کردوں گا اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

مَنْ ذَا الَّذِى يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً فَيُضَاعِفَهُ لَهُ وَلَهُ اَجْرٌ كَرِيْمٌ (سورۃ الحدید ۱۱)

کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے تا کہ اللہ تعالیٰ اسے بڑھا چڑھا کر واپس کرے۔ اور اس کے لئے بہترین اجر ہے۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً يُضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ (سورۃ الحدید ۱۸)

مردوں اور عورتوں میں سے جو لوگ صدقات دینے والے ہیں، اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دیا ہے، ان کو یقیناً کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا، اور ان کے لئے بہترین اجر ہے۔

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً يُّضَاعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ (سورۃ التغابن ۱۷)

اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو تو وہ تمہیں کئی گنا بڑھا کر دے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ بڑا قدردان اور بردبار ہے۔

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْراً وَّاَعْظَمَ اَجْراً (سورۃ المزمل ۲۰)

اور اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو، جو کچھ نیک اعمال تم اپنے لئے آگے بھیجو گے، اسے اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے، وہی زیادہ بہتر ہے، اور اس کا اجر بہت بڑا ہے۔

قرض حسن سے کیا مراد ہے ؟

قرآن کریم میں استعمال ہوئی اس اصطلاح (قرض حسن) سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا، غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرنا، یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرنا، مقروضین کے قرضوں کی ادائیگی کرنا، نیز اپنے بچوں پر خرچ کرنا مراد ہے غرضیکہ انسانیت کے کام آنے والی تمام شکلیں اس میں داخل ہیں، جیسا کہ مفسرین قرآن نے اپنی تفسیروں میں تحریر فرمایا ہے۔ اسی طرح قرض حسن میں یہ شکل بھی داخل ہے کہ کسی

پریشان حال شخص کو اس نیت کے ساتھ قرض دیا جائے کہ اگر وہ اپنی پریشانیوں کی وجہ سے واپس نہ کرسکا تو اس سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

اللّٰہ نے بندوں کی ضرورت میں خرچ کرنے کو قرض حسن سے کیوں تعبیر کیا؟

اللہ تعالٰی نے محتاج بندوں کی ضرورتوں میں خرچ کرنے کو اللہ تعالٰی کو قرض دینا قرار دیا، حالانکہ اللہ تعالٰی بے نیاز ہے، وہ نہ صرف مال ودولت اور ساری ضرورتوں کا پیدا کرنے والا ہے، بلکہ وہ تو پوری کائنات کا خالق، مالک اور رازق ہے، ہم سب اسی کے خزانے سے کھا پی رہے رہیں، تاکہ ہم بڑھ چڑھ کر انسانوں کے کام آئیں، یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں کی کفالت کریں، غریب محتاجوں کے لئے روٹی کپڑا اور مکان کے انتظام کے ساتھ ان کی دینی وعصری تعلیمی ضرورتوں کو پورا کرنے میں ایک دوسرے سے مسابقت کریں، جس کی وجہ سے اللہ تعالٰی ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے، دونوں جہاں میں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اور اپنے مہمان خانہ جنت الفردوس میں مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت ابو الدحداح ؓ کا واقعہ:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب قرض حسن سے متعلق آیت قرآن کریم میں نازل ہوئی تو حضرت ابو الدحداح ؓ انصاری حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالٰی ہم سے قرض طلب فرماتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ وہ عرض کرنے لگے: اپنا دست مبارک مجھے پکڑا دیجئے (تاکہ میں آپ ﷺ کے دست مبارک پر ایک عہد کروں)۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ حضرت ابو الدحداح ؓ انصاری نے معاہدہ کے طور پر حضور اکرم ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے اپنا باغ اپنے اللہ کو قرض دے دیا۔ ان کے باغ میں کھجور کے ۶۰۰ درخت تھے، اور اسی باغ میں ان کے بیوی بچے رہتے تھے۔ یہاں سے اٹھ کر اپنے باغ گئے اور اپنی بیوی ام الدحداح ؓ سے آواز دے کر کہا کہ چلو اس باغ سے نکل چلو، یہ باغ میں نے اپنے رب کو دیدیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

یہ ہے وہ قیمتی سودا جو حضرت ابو الدحداح ؓ نے کیا، ان کے پاس دو باغ تھے، ان میں سے ایک باغ بہت قیمتی تھا جس میں کھجور کے ۶۰۰ درخت تھے، جس کو وہ خود بھی بہت پسند کرتے تھے اور اسی میں وہ اور ان کے بچے رہتے تھے، لیکن مذکورہ آیت کے نزول کے بعد یہ قیمتی باغ ضرورت مند لوگوں کے لئے اللہ تعالٰی کو قرض دے دیا۔ ایسے ہی لوگوں کی تعریف میں اللہ تعالٰی نے اپنے کلام میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں چاہے خود ان کو کتنی ہی سخت حاجت ہو (سورہ الحشر ۹)۔

قرآن میں قرض حسن کے مختلف بدلے:

۱) فَيُضَاعِفَهُ لَهُ اَضْعَافاً كَثِيْرَةً / فَيُضَاعِفَهُ لَهُ / يُضَاعَفُ لَهُمْ / يُضَاعِفْهُ لَكُمْ — دنیا میں بہترین بدلہ۔

۲) وَلَهُ اَجْرٌ كَرِيْمٌ / وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ — دنیا وآخرت میں بہترین بدلہ۔

۳) تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْراً وَّاَعْظَمَ اَجْراً — آخرت میں عظیم بدلہ۔

۴) لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ / وَيَغْفِرْ لَكُمْ — گناہوں کی معافی۔

۵) وَلَأُدۡخِلَنَّكُمۡ جَنَّاتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهَارُ — جنت میں داخلہ۔

اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے والوں کی مثالیں:

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ قرض حسن سے مراد اللہ تعالی کی خوشنودی کے لئے بندوں کی مدد کرنا یعنی اللہ تعالی کے راستے میں خرچ کرنا ہے، لہذا اللہ تعالی کے راستے میں خرچ کرنے کے چند فضائل تحریر ہیں:

مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِیۡ كُلِّ سُنۡۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ (سورۃ البقرہ ۲۶۱)

جولوگ اپنا مال اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالی جس کو چاہے بڑھا چڑھا کر دے اور اللہ تعالی کشادگی والا اور علم والا ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ وَتَثۡبِیۡتًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبۡوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتۡ اُكُلَهَا ضِعۡفَیۡنِ فَاِنۡ لَّمۡ یُصِبۡهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ (سورۃ البقرہ ۲۶۵)

ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ تعالی کی رضامندی کی طلب میں دل کی خوشی اور یقین کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اس باغ جیسی ہے جو اونچی زمین پر ہو، اور زوردار بارش اس پر برسے اور وہ اپنا پھل دگنا لاوے اور اگر اس پر بارش نہ بھی برسے تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

جس قدر خلوص کے ساتھ ہم اللہ تعالی کے راستے میں مال خرچ کریں گے، اتنا ہی اللہ تعالی کی طرف سے اس کا اجروثواب زیادہ ہوگا۔ ایک ریال بھی اگر اللہ تعالی کی خوشنودی کے لئے کسی محتاج کو دیا جائے گا، تو اللہ تعالی ۷۰۰ گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ ثواب دے گا۔ مذکورہ بالا آیت کے آخر میں اللہ تعالی کی دو صفات ذکر کی گئی ہیں: وسیع اور علیم۔ یعنی اس کا ہاتھ تنگ نہیں ہے کہ جتنے اجر کا عمل مستحق ہے وہ ہی دے، بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ دے گا۔ دوسرے یہ کہ وہ علیم ہے کہ جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے اور جس جذبہ سے کیا جاتا ہے، اس سے بے خبر نہیں ہے بلکہ اس کا اجر ضرور دے گا۔

قرض حسن اور انفاق فی سبیل اللہ کس کو دیں؟

جن حضرات کو قرض حسن اور صدقات دئے جاسکتے ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

غریب رشتہ دار، یتیم، بیوہ، فقیر، مسکین، سائل، قرضدار یعنی وہ شخص جس کے ذمہ لوگوں کا قرض ہو، اور وہ مسافر جو حالت سفر میں تنگدست ہوگیا ہو، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے:

آتَی الۡمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰكِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ وَالسَّآئِلِیۡنَ (سورۃ البقرہ ۱۷۷)

جو مال سے محبت کرنے کے باوجود رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والے کو دے۔

وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (سورۃ الذاریات ۱۹)
ان کے مال میں مانگنے والے اور محروم کا حق ہے۔

قرض حسن اور انفاق فی سبیل اللہ میں پسندیدہ چیزیں خرچ کریں:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (سورۃ آل عمران ۹۲)
جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرو گے ہرگز بھلائی نہیں پاؤ گے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اَنْفِقُوا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ (سورۃ البقرۃ ۲۶۷)
اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو۔

جب ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہؓ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے محبوب چیز کے خرچ کرنے کا ذکر فرمایا ہے، اور مجھے ساری چیزوں میں اپنا باغ (بیر حاء) سب سے زیادہ محبوب ہے، میں اس کو اللہ کے لئے صدقہ کرتا ہوں اور اس کے اجر و ثواب کی اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے طلحہؓ! تم نے بہت ہی نفع کا سودا کیا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا باغ جو اتنی بڑی مالیت کا ہے وہ صدقہ ہے اور اگر میں اس کی طاقت رکھتا کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہو تو ایسا ہی کرتا، مگر یہ ایسی چیز نہیں ہے جو مخفی رہ سکے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ مجھے اپنے تمام مال میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ مال خیبر کی زمین کا حصہ ہے، میں اُسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے وقف کردو۔ اصل روک لو، اور پھل وغیرہ اللہ کی راہ میں دے دو۔ (بخاری، مسلم)

حضرت محمد بن منکدرؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت زید بن حارثہؓ کے پاس ایک گھوڑا تھا جو ان کو اپنی ساری چیزوں میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔ (اُس زمانہ میں گھوڑے کی حیثیت تقریباً وہی تھی جو اِس زمانہ میں گاڑی کی ہے) وہ اس کو لے کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ صدقہ ہے، حضور اکرم ﷺ نے قبول فرمالیا اور لے کر ان کے صاحبزادہ حضرت اسامہؓ کو دیدیا۔ حضرت زیدؓ کے چہرہ پر کچھ گرانی کے آثار ظاہر ہوئے (کہ گھر میں ہی رہا، باپ کے بجائے بیٹے کا ہوگیا) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا صدقہ قبول کرلیا، اب میں چاہے اس کو تمہارے بیٹے کو دوں یا کسی اور رشتہ دار کو یا اجنبی کو۔

☆ غرضیکہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام کی ایک جماعت نے اپنی اپنی محبوب چیزیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں دیں، جن کو

نبی اکرم ﷺ نے ضرورت مند لوگوں کے درمیان تقسیم کیں۔

﴿وضاحت﴾: صحابہ کرام کی تربیت خود حضور اکرم ﷺ نے فرمائی تھی، اور ان کا ایمان اور توکل کامل تھا، لہذا ان کے لئے اپنی پسندیدہ چیزوں کا اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا بہت آسان تھا، جیسا کہ صحابہ کرام کے واقعات تاریخی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ جنگ خیبر کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا اپنا سارا سامان اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا، حضرت عثمان غنی ؓ کا ہر ضرورت کے وقت اپنے مال کے وافر حصہ کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خرچ کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

آج ہم ایمان و عمل کے اعتبار سے کمزور ہیں اور اگر ہم ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ کا مصداق بظاہر نہیں بن سکتے ہیں تو کم از کم ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ پر عمل کر کے اپنی روزی صرف حلال طریقہ سے حاصل کرنے پر اکتفاء کریں اور اسی حلال رزق میں سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ضرورت مند لوگوں پر خرچ کریں۔

اللّٰہ کے راستے میں اعلانیہ بھی قرض حسن اور صدقات دئے جا سکتے ہیں:

قرض حسن اور صدقات میں اصل پوشیدگی مطلوب ہے یعنی چپکے سے کسی محتاج کی مدد کرنا، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ بہت محبت کرتا ہے۔۔۔۔ ان میں سے ایک شخص وہ بھی ہے جو کسی شخص کی اس طرح مدد کرے کہ اللہ تعالیٰ اور سائل کے علاوہ کسی کو خبر تک نہ ہو۔ (ترمذی، نسائی)

نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن سات لوگ اللہ کے عرش کے سائے میں ہوں گے، ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو اس طرح صدقہ کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔ (بخاری، مسلم)

اس کے باوجود کہ انفاق فی سبیل اللہ میں شریعت اسلامیہ نے چھپ کر دینے کی خصوصی تعلیمات دی ہیں، لیکن بعض مواقع پر اعلانیہ خرچ کرنے میں بھی مصلحت ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے، جن میں سے بعض آیات یہ ہیں:

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً .... (سورۃ البقرۃ ۲۷۴)

جو لوگ اپنے مالوں کو رات دن چھپ کر اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں، ان کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے۔ اور نہ انہیں خوف ہے اور نہ غمگینی۔

وَاَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً .... اُولٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ (سورۃ الرعد ۲۲)

جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اسے چھپ کر اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں۔۔۔۔ ان ہی کے لئے عاقبت کا گھر ہے۔

وَ اَنفِقُو ا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَّعَلانِيَةً يَرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُورَ (سورۃ الفاطر ۲۹)

جو کچھ ہم نے انہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے چھپ کر اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں۔ وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی خسارہ میں نہیں ہوگی۔

ان مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ ہم اعلانیہ بھی اللہ تعالی کے بندوں کی مدد کر سکتے ہیں، جبکہ دیگر آیات واحادیث میں چھپ کر اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔۔۔ علماء کرام نے ان آیات واحادیث کے ظاہری اختلاف کے درمیان کچھ اس طرح تطبیق کی ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی اعلانیہ ہونی چاہئے، تاکہ اس سے دوسروں کو بھی رغبت ملے، اور زکوۃ کی ادائیگی سے متعلق دوسروں کے شک وشبہات بھی دور ہوجائیں۔ لیکن صدقات اور قرض حسن کی عموماً ادائیگی چھپ کر ہی ہونی چاہئے۔

مگر اس حکمت بالغہ کے باوجود نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانہ میں بے شمار مرتبہ زکوۃ کے علاوہ دیگر صدقات بھی اعلانیہ جمع کئے گئے ہیں۔ نیز اعلانیہ خرچ کرنے سے بچنے کی اصل حکمت یہ ہے کہ ریا اور شہرت مطلوب نہ ہوجائے، کیونکہ ریا، شہرت اور دکھاوا اعمال کی بربادی کے اسباب میں سے ہیں۔ لہذا خالص اللہ تعالی کی رضا کے واسطے غریب، محتاج، یتیم اور بیواؤں کی مدد کے لئے اگر کسی پروگرام میں اعلانیہ قرض حسن دیا جائے، تو ان شاء اللہ یہ دکھاوے میں نہیں آئے گا کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو کام بھی کھلم کھلا کیا جائے وہ ریا ہی ہو، بلکہ دوسروں کو ترغیب دینے کے لئے بھی وقتاً فوقتاً اس طرح کے پروگرام منعقد ہونے چاہئیں، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانہ میں جنگوں کے موقعوں پر اعلانیہ صدقات جمع کئے جاتے تھے۔ اگر صدقات اور قرض حسن میں اللہ جل شانہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنا اصل مطلوب ومقصود ہو تو کسی مصلحت سے اس کا اعلان بھی کیا جائے تو وہ ان شاء اللہ ریا میں داخل نہیں ہوگا۔

قرض حسن یا انفاق فی سبیل اللّٰہ کو ضائع کرنے والے اسباب:

۱) اللہ تعالی کی رضا کا حصول مطلوب نہ ہو۔

۲) ریا یعنی شہرت مطلوب ہو۔

۳) احسان جتانا مقصود ہو۔

۴) قرض حسن یا صدقہ دے کر لینے والے کو طعنہ وغیرہ دے کر تکلیف پہونچائی جائے۔

لہذا صرف اور صرف اللہ تعالی کی رضا کے حصول کے لئے کسی کی مدد کی جائے جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَاتُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذَى كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ (سورۃ البقرۃ ۲۶۴)

اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو، جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرے۔

اَلَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا اَذًى (سورۃ البقرۃ ۲۶۲)

جولوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ ایذا دیتے ہیں، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، ان پر نہ تو کچھ خوف ہے نہ وہ اداس ہوں گے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللّٰهِ (سورۃ البقرہ ۲۶۵)

ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں دل کی خوشی سے خرچ کرتے ہیں۔

تنگ دستی اور حاجت کے وقت میں بھی اللّٰہ کی راہ میں خرچ کریں:

قرض حسن یا صدقات کے لئے ضروری نہیں ہے کہ ہم بڑی رقم ہی خرچ کریں یا اسی وقت لوگوں کی مدد کریں جب ہمارے پاس دنیاوی مسائل بالکل ہی نہ ہوں بلکہ تنگ دستی کے ایام میں بھی حسب استطاعت لوگوں کی مدد کرنے میں ہمیں کوشاں رہنا چاہئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ فِى السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ (سورہ آل عمران ۱۳۴)

جو شخص خوشحالی میں ہی نہیں بلکہ تنگ دستی کے موقع پر بھی خرچ کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ان کے رب کی طرف سے اس کے بدلہ میں گناہوں کی معافی ہے اور ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

آتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِىْ الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّائِلِيْنَ (سورۃ البقرہ ۱۷۷)

جو مال سے محبت کرنے کے باوجود رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والے کو دے۔
مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ مال کی محبت سے مراد مال کی ضرورت ہے۔ یعنی ہمیں مال کی ضرورت ہے، اس کے باوجود ہم دوسروں کی مدد کے لئے کوشاں ہیں۔

نبی اکرم ﷺ سے سب سے بہتر صدقہ کے متعلق سوال کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس حال میں بھی خرچ کرو کہ تم صحیح سالم ہو اور زندگی کی توقع بھی ہو، اپنے غریب ہوجانے کا ڈر اور اپنے مالدار ہونے کی تمنا بھی ہو۔ یعنی تم اپنی ضرورتوں کے ساتھ دوسروں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی فکر یں کرو۔ (بخاری، مسلم)

قرض حسن یا انفاق فی سبیل اللّٰہ سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی ہے:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں ہوتی ہے۔ (مسلم)

کسی کی مدد کرنے سے بظاہر مال میں کمی تو واقع ہوتی ہے، لیکن درحقیقت اس سے مال میں کمی نہیں ہوتی ہے، بلکہ آخرت میں بدلہ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دنیا میں بھی عطا فرماتا ہے، جیسا کہ قرآن کی آیات اور نبی اکرم ﷺ کے ارشادات میں تفصیل سے مذکور ہے۔

انفاق فی سبیل اللّٰہ کے فضائل:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میرے اوپر تین دن گزر جائیں اس حال میں کہ میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی رہے، سوائے اس کے کہ کوئی چیز قرض کی ادائیگی کے لئے رکھ لی جائے۔ (بخاری، مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: روزانہ صبح کے وقت ۲ فرشتے آسمان سے اترتے ہیں۔ ایک دعا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما۔ دوسرا دعا کرتا ہے: اے اللہ! مال کو روک کر رکھنے والے کے مال کو برباد کر۔ (بخاری، مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا دونوں جنت میں اس طرح ہوں گے جیسے دو انگلیاں آپس میں ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ (بخاری)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسکین اور بیوہ عورت کی مدد کرنے والا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔ (بخاری، مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مسلمان کو ضرورت کے وقت کپڑا پہنائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے سبز لباس پہنائے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کچھ کھلائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل کھلائے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کو پیاس کی حالت میں پانی پلائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی ایسی شراب پلائے گا، جس پر مہر لگی ہوئی ہوگی۔ (ابوداؤد، ترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہیں اپنے کمزوروں کے طفیل سے رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (بخاری)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تمہارا خادم تمہارے لئے کھانا بنا کر لائے تو اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاؤ یا اس کھانے میں سے کچھ دیدو، اس لئے کہ آگ کی تپش اور دھوئیں کی تکلیف تو اس نے برداشت کی ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ کچھ مانگنے کے لئے میرے پاس آئی۔ میرے پاس ایک کھجور کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا، جو میں نے اس عورت کو دے دی، اس عورت نے وہ کھجور دونوں بیٹیوں کو تقسیم کر دی اور خود نہیں کھائی۔ نبی اکرم ﷺ کے تشریف لانے پر میں نے اس واقعہ کا ذکر فرمایا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کا بیٹیوں کی وجہ سے امتحان لیا جائے اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو یہ بیٹیاں اس کے لئے جہنم کی آگ سے آڑ بنیں گی (بخاری، مسلم)۔

☆ معلوم ہوا کہ تمام نبیوں کے سردار حضور اکرم ﷺ کی خواہش ہے کہ ہم اپنے مال ودولت کی ایک مقدار محتاج، غریب، مساکین اور یتیم وبیواؤں پر خرچ کریں۔

عام قرض کا بیان:

اب تک اُس قرض کا ذکر کیا گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قرض حسن سے تعبیر کیا ہے جس سے مراد اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اللہ

کے بندوں کے مدد کرنا ہے۔ اب تھوڑی وضاحت عام قرض کے متعلق بھی تحریر کررہا ہوں:

اگر کوئی شخص کسی خاص ضرورت کی وجہ سے قرض مانگتا ہے تو قرض دے کر اس کی مدد کرنا باعث اجروثواب ہے، جیسا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں علماء کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ ضرورت کے وقت قرض مانگنا جائز ہے اور اگر کوئی شخص قرض کا طالب ہو تو اس کو قرض دینا مستحب ہے، کیونکہ شریعت اسلامیہ نے قرض دے کر کسی کی مدد کرنے میں دنیاوآخرت کے بہترین بدلہ کی ترغیب دی ہے، لیکن قرض دینے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے فائدہ کے لئے کوئی شرط نہ لگائے، مثلاً میں تمہیں قرض دیتا ہوں بشرطیکہ تم میرا فلاں کام کردو، البتہ قرض لیتے اور دیتے وقت ان احکام کی پابندی کریں جو سورۂ البقرہ کی آیت ۲۸۲ میں اللہ تعالیٰ نے بیان کئے ہیں، یہ آیت قرآن کی سب سے لمبی آیت ہے، اور اس میں قرض کے احکامات ذکر کئے گئے ہیں۔ قرآن وحدیث میں متعدد جگہوں پر محتاج لوگوں کی ضرورت پوری کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (سورہ الحج ۷۷) بھلائی کے کام کرو تا کہ تم کامیاب ہوجاؤ۔

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ (سورہ المائدہ ۲) اچھے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان کی کوئی بھی دنیاوی پریشانی دور کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پریشانیوں کو دور فرمائے گا۔ جس نے کسی پریشان حال آدمی کے لئے آسانی کا سامان فراہم کیا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے دنیاوآخرت میں سہولت کا فیصلہ فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندہ کی مدد کرتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہے۔ (مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو دومرتبہ قرضہ دیتا ہے تو ایک بار صدقہ ہوتا ہے۔ (نسائی، ابن ماجہ)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شب معراج میں میں نے جنت کے دروازہ پر صدقہ کا بدلہ ۱۰ گنا اور قرضہ دینے کا بدلہ ۱۸ گنا لکھا ہوا دیکھا۔ میں نے کہا اے جبرئیل! قرض صدقہ سے بڑھ کر کیوں؟ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ سائل مانگتا ہے جبکہ اس کے پاس کچھ مال موجود بھی ہو، اور قرضدار ضرورت کے وقت ہی سوال کرتا ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ میں کسی مسلمان کو ۲ دینار قرض دوں، یہ میرے نزدیک صدقہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔۔۔(کیونکہ قرض کی رقم واپس آنے کے بعد اسے دوبارہ صدقہ کیا جاسکتا ہے یا اسے بطور قرض کسی کو دیا جاسکتا ہے، نیز اس میں واقعی محتاج کی ضرورت پوری ہوتی ہے)۔ (السنن الکبری للبیہقی)

خلاصہ بحث:

اللہ تعالیٰ نے مال ودولت کو انسان کی ایسی دنیاوی ضرورت بنائی ہے کہ عموماً اس کے بغیر انسان کی زندگی دوبھر رہتی ہے۔ مال ودولت کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو جائز کوششیں کرنے کا مکلف تو بنایا ہے مگرانسان کی جدوجہد اور دوڑ دھوپ کے باوجوداس کی عطا اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار میں رکھی ہے، چاہے تو وہ کسی کے رزق میں کشادگی کردے اور چاہے تو کسی کے رزق میں تمام دنیاوی اسباب کے باوجود تنگی پیدا کردے۔

مال ودولت کے حصول کے لئے انسان کو خالق کائنات نے یوں ہی آزادنہیں چھوڑ دیا کہ جیسے چاہو کماؤ، کھاؤ۔ بلکہ اس کے اصول وضوابط بنائے تاکہ اس دنیاوی زندگی کانظام بھی صحیح چل سکے اوراس کے مطابق آخرت میں جزا وسزا کا فیصلہ ہوسکے۔ انہیں اصول وضوابط کو شریعت کہاجاتا ہے جسمیں انسان کو یہ رہنمائی بھی دی جاتی ہے کہ مال کس طرح کمایا جائے اورکہاں کہاں خرچ کیاجائے۔

اپنے اوربال وبچوں کے اخراجات کے بعدشرائط پائے جانے پر مال ودولت میں زکوۃ کی ادائیگی فرض کی گئی ہے۔ اسلام نے زکوۃ کےعلاوہ بھی مختلف شکلوں سے محتاج لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ جس معاشرہ میں ہم رہ رہے ہیں اس میں ایک دوسرے کے رنج وغم میں شریک ہوسکیں۔ انہیں شکلوں میں سے ایک شکل قرض حسن بھی ہے کہ ہم غریبوں اورمحتاجوں کی مدد کریں، یتیموں اوربیواؤں کی کفالت کریں، مقروضین کے قرضوں کی ادائیگی کریں اورآپس میں ایک دوسرے کوضرورت کے وقت قرض دیں، تاکہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ہمارے مال میں اضافہ کرے اورآخرت میں بھی اس کااجروثواب دے۔

عزیز بھائیو! اس فانی دنیاوی زندگی کااصل مطلوب ومقصوداخروی زندگی میں کامیابی حاصل کرنا ہے، جہاں ہمیں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے، موت کوبھی وہاں موت آجائیگی، اورجہاں کی کامیابی ہمیشہ کی کامیابی وکامرانی ہے۔ لہذا ہم:

۱) اللہ تعالیٰ کے احکامات نبی اکرم ﷺ کےطریقہ پر بجا لائیں۔
۲) صرف حلال رزق پراکتفاء کریں، خواہ بظاہرکم ہی کیوں نہ ہو۔
۳) حتی الامکان مشتبہ چیزوں سے بچیں۔
۴) زکوۃ کےواجب ہونے کی صورت میں زکوۃ کی ادائیگی کریں۔
۵) اپنے اوربال وبچوں کے اخراجات کے ساتھ وقتاًفوقتاً قرض حسن اورمختلف صدقات کے ذریعہ محتاج لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔
۶) اس بات کاہمیشہ خیال رکھیں کہ کل قیامت کے دن ہمارے قدم ہمارے پروردگار کے سامنے سے ہٹ نہیں سکتے جب تک کہ ہم مال کے متعلق سوالات کاجواب نہ دے دیں کہ کہاں سے کمایا اورکہاں خرچ کیا۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض (najeebqasmi@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْن۔

قرض لینے اور دینے کے مسائل

اگر کوئی شخص کسی خاص ضرورت کی وجہ سے قرض مانگتا ہے تو قرض دے کر اس کی مدد کرنا باعث اجروثواب ہے، جیسا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں علماء کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ ضرورت کے وقت قرض مانگنا جائز ہے اور اگر کوئی شخص قرض کا طالب ہو تو اس کو قرض دینا مستحب ہے، کیونکہ شریعت اسلامیہ نے قرض دے کر کسی کی مدد کرنے میں دنیاوآخرت کے بہترین بدلہ کی ترغیب دی ہے، لیکن قرض دینے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دنیاوی فائدہ کے لئے کوئی شرط نہ لگائے۔

قرض لیتے اور دیتے وقت ان احکام کی پابندی کرنی چاہئے جو اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی آیت ۲۸۲ میں بیان کئے ہیں، یہ آیت قرآن کریم کی سب سے لمبی آیت ہے۔ اس آیت میں قرض کے احکام ذکر کئے گئے ہیں، ان احکام کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ بعد میں کسی طرح کا کوئی اختلاف پیدا نہ ہو۔ ان احکام میں سے تین اہم حکم حسب ذیل ہیں:

۱) اگر کسی شخص کو قرض دیا جائے تو اس کو تحریری شکل میں لایا جائے، خواہ قرض کی مقدار کم ہی کیوں نہ ہو۔

۲) قرض کی ادائیگی کی تاریخ بھی متعین کرلی جائے۔

۳) دو گواہ بھی طے کرلئے جائیں۔

قرض لینے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر ممکن کوشش کرکے وقت پر قرض کی ادائیگی کرے۔ اگر متعین وقت پر قرض کی ادائیگی ممکن نہیں ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اللہ جل شانہ کا خوف رکھتے ہوئے قرض دینے والے سے قرض کی ادائیگی کی تاریخ سے مناسب وقت قبل مزید مہلت مانگے۔ مہلت دینے پر قرض دینے والے کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ لیکن جو حضرات قرض کی ادائیگی پر قدرت رکھنے کے باوجود قرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں، ان کے لئے نبی اکرم ﷺ کے ارشادات میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، حتی کہ آپ ﷺ ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھانے سے منع فرمادیتے تھے جس پر قرض ہو یہاں تک کہ اس کے قرض کو ادا کردیا جائے۔ ان احادیث میں سے بعض احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان کی جان اپنے قرض کی وجہ سے معلق رہتی ہے (یعنی جنت کے دخول سے روک دی جاتی ہے) یہاں تک کہ اس کے قرض کی ادائیگی کردی جائے۔ (ترمذی، مسند احمد، ابن ماجہ)

رسول اللہ ﷺ نے ایک روز فجر کی نماز پڑھانے کے بعد ارشاد فرمایا: تمہارا ایک ساتھی قرض کی ادائیگی نہ کرنے کی وجہ سے جنت کے دروازہ پر روک دیا گیا ہے۔ اگر تم چاہو تو اس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرف جانے دو، اور چاہو تو اسے (اس کے قرض کی ادائیگی کرکے) عذاب سے بچالو (رواہ الحاکم، صحیح علی شرط الشیخین ۔۔ الترغیب والترھیب)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ شہید کے تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، مگر کسی کا قرضہ معاف نہیں کرتا۔ (مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی سے اس نیت سے قرض لے کہ وہ اس کو ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے قرض کی ادائیگی کے لئے آسانی پیدا کرتا ہے، اور اگر قرض لیتے وقت اس کا ارادہ ہڑپ کرنے کا ہے تو اللہ تعالیٰ اسی طرح کے اسباب پیدا کرتا ہے جس سے وہ مال ہی برباد ہو جاتا ہے۔ (بخاری)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کا انتقال ہوا ایسے وقت میں کہ وہ مقروض ہے تو اسکی نیکیوں سے قرض کی ادائیگی کی جائے گی (لیکن اگر کوئی شخص اس کے انتقال کے بعد اس کے قرض کی ادائیگی کر دے تو پھر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا)۔ (ابن ماجہ)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی شخص اس نیت سے قرض لیتا ہے کہ وہ اس کو بعد میں ادا نہیں کرے گا تو وہ چور کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ (ابن ماجہ)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قرض کی ادائیگی پر قدرت کے باوجود وقت پر قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ (بخاری، مسلم) قرض کی ادائیگی پر قدرت کے باوجود قرض کی ادائیگی نہ کرنے والا ظالم و فاسق ہے۔ (النووی، فتح الباری)

حضرت جابر ؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا، ہم نے غسل وکفن سے فراغت کے بعد رسول اکرم ﷺ سے نماز پڑھانے کو کہا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا اس پر کوئی قرض ہے؟ ہم نے کہا کہ اس پر ۲ دینار کا قرض ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر تم ہی اس کی نمازِ جنازہ پڑھو۔ حضرت ابوقتادہؓ نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اس کا قرض میں نے اپنے اوپر لیا۔ نبی اکرم نے ارشاد فرمایا: وہ قرضہ تمہارے اوپر ہو گیا اور میت بری ہو گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس شخص کی نمازِ جنازہ پڑھائی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (رواہ احمد باسناد حسن والحاکم وقال صحیح الاسناد ۔۔۔ الترغیب والترھیب ۱۶۸/۲)

قرض کی ادائیگی پر قدرت حاصل کرنے کے لئے حضور ﷺ کی تعلیمات:

ایک روز آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو حضرت ابوامامہؓ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوامامہؓ سے پوچھا کہ نماز کے وقت کے علاوہ مسجد میں موجود ہونے کی کیا وجہ ہے؟ حضرت ابوامامہؓ نے کہا کہ غم اور قرضوں نے گھیر رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں نے تمہیں ایک دعا نہیں سکھائی کہ جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تیرے غموں کو دور کرے گا اور تمہارے قرضوں کی ادائیگی کے انتظام فرمائے گا؟ حضرت ابوامامہؓ نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوامامہؓ! اس دعا کو صبح وشام پڑھا کرو۔ وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ، وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسْلِ، وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ، وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ

حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس دعا کا اہتمام کیا تو اللہ تعالیٰ نے میرے سارے غم دور کردئے اور تمام قرض ادا ہوگئے۔ (ابوداؤد۔ مسلم شریف کی مشہور شرح لکھنے والے امام نوویؒ نے اپنی کتاب الاذکار میں بھی اس حدیث کو ذکر کیا ہے)

قرآن وحدیث میں محتاج لوگوں کی ضرورت پوری کرنے کی ترغیب :

وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُون (سورہ الحج ۷۷) بھلائی کے کام کرو تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ (سورہ المائدہ ۲) اچھے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان کی کوئی بھی دنیاوی پریشانی دور کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پریشانیوں کو دور فرمائے گا۔ جس نے کسی پریشان حال آدمی کے لئے آسانی کا سامان فراہم کیا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے دنیا و آخرت میں سہولت کا فیصلہ فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندہ کی مدد کرتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہے۔ (مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو دومرتبہ قرضہ دیتا ہے تو ایک بار صدقہ ہوتا ہے۔ (نسائی، ابن ماجہ)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شب معراج میں میں نے جنت کے دروازہ پر صدقہ کا بدلہ ۱۰ گنا اور قرضہ دینے کا بدلہ ۱۸ گنا لکھا ہوا دیکھا۔ میں نے کہا اے جبرئیل! قرض صدقہ سے بڑھ کر کیوں؟ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ سائل مانگتا ہے جبکہ اس کے پاس کچھ مال موجود ہو، اور قرضدار ضرورت کے وقت ہی سوال کرتا ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ میں کسی مسلمان کو ۲ دینار قرض دوں، یہ میرے نزدیک صدقہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔۔۔(کیونکہ قرض کی رقم واپس آنے کے بعد اسے دوبارہ صدقہ کیا جاسکتا ہے یا اسے بطور قرض کسی کو دیا جاسکتا ہے، نیز اس میں واقعی محتاج کی ضرورت پوری ہوتی ہے)۔ (السنن الکبری للبیہقی)

﴿نوٹ﴾: ہمیں بینک سے قرض لینے سے بچنا چاہئے، کیونکہ اسکی ادائیگی سود کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ اور سود لینا یا دینا حرام ہے۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض (najeebqasmi@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلىٰ آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْن.

﴿ عمرہ کا طریقہ ﴾

تلبیہ: لَبَّيك، اَللّٰهُمَّ لَبَّيك، لَبَّيكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيك، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْك لَاشَرِيْكَ لَك

عمرہ میں چار کام کرنے ہوتے ہیں:

(۱) میقات سے احرام باندھنا۔

(۲) مسجد حرام پہونچکر طواف کرنا۔

(۳) صفا مروہ کی سعی کرنا۔

(۴) سر کے بال منڈوانا یا کٹوانا۔

(۱) احرام: میقات پر یا میقات سے پہلے غسل یا وضو کرکے احرام کے کپڑے پہن لیں (یعنی ایک سفید تہبند باندھ لیں اور ایک سفید چادر اوڑھ لیں) پھر دو رکعت نفل ادا کریں اور عمرہ کی نیت کرکے کسی قدر بلند آواز سے تین مرتبہ تلبیہ پڑھیں۔ تلبیہ پڑھنے کے ساتھ ہی آپ کا احرام شروع ہوگیا۔ ﴿وضاحت﴾ عورتوں کے احرام کے لئے کوئی خاص لباس نہیں، بس غسل وغیرہ سے فارغ ہوکر عام لباس پہن لیں اور چہرہ سے کپڑا ہٹالیں، پھر نیت کرکے آہستہ سے تلبیہ پڑھیں۔

﴿ممنوعاتِ احرام مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے﴾ خوشبو لگانا، ناخن یا بال کاٹنا یا کٹوانا، چہرہ کا ڈھانکنا، جماع کرنا یا جماع کے اسباب جیسے بوسہ وغیرہ لینا، جانور کا شکار کرنا اور ایسا جوتا پہننا جس سے پاؤں کے درمیان کی ہڈی چھپ جائے۔

﴿ممنوعاتِ احرام صرف مردوں کے لئے﴾ سلا ہوا کپڑا پہننا اور سر کو ٹوپی یا چادر وغیرہ سے ڈھانکنا۔

﴿مکروہاتِ احرام﴾ بدن سے میل دور کرنا، صابن کا استعمال کرنا، کنگھی کرنا، احرام میں پن وغیرہ لگانا یا احرام کو تاگے سے باندھنا۔

مسجد حرام پہونچنے تک بار بار تھوڑی آواز کے ساتھ تلبیہ پڑھتے رہیں کیونکہ احرام کی حالت میں تلبیہ ہی سب سے بہتر ذکر ہے۔ مکہ مکرمہ پہونچکر سامان وغیرہ اپنے قیام پر رکھ کر وضو یا غسل کرکے عمرہ کرنے کے لئے مسجد حرام کی طرف روانہ ہوجائیں۔

(۲) طــــواف: مسجد میں داخل ہونے والی دعا کے ساتھ دایاں قدم آگے بڑھائیں اور نہایت وقار وسکون کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوں۔ خانہ کعبہ پر پہلی نگاہ پڑنے پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرکے کوئی بھی دعا مانگیں۔ اس کے بعد مطاف میں کعبہ شریف کے اس کونے کے سامنے آجائیں جس میں حجر اسود لگا ہوا ہے، اور عمرہ کے طواف کی نیت کرلیں، مرد حضرات اضطباع بھی کرلیں (یعنی احرام کی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں مونڈھے کے اوپر ڈال لیں) پھر حجر اسود کا بوسہ لیکر (اگر ممکن ہوسکے) ورنہ اس کی جانب دونوں ہاتھوں کے ذریعہ اشارہ کرکے ﴿بسم اللہ اللہ اکبر﴾ کہیں اور کعبہ کو بائیں جانب رکھ کر طواف شروع کردیں۔ طواف کرتے وقت نگاہ سامنے رکھیں۔ کعبہ کی طرف سینہ یا پشت نہ کریں۔ مرد حضرات پہلے تین چکر میں (اگر ممکن ہو) رمل کریں یعنی ذرا مونڈھے ہلا کر اور اکڑ کے چھوٹے چھوٹے قدم کے ساتھ کسی قدر تیز چلیں۔ جب کعبہ کا تیسرا کونہ آجائے جسے رکن یمانی کہتے ہیں (اگر ممکن ہو) تو دونوں ہاتھ یا صرف

داہنا ہاتھ اس پر پھیریں ورنہ اسکی طرف اشارہ کئے بغیر یوں ہی گزر جائیں۔ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا پڑھیں: ﴿ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار﴾۔ پھر حجر اسود کے سامنے پہونچکر اسکی طرف ہتھیلیوں کا رخ کریں اور کہیں ﴿بسم اللہ اللہ اکبر﴾ اور ہتھیلیوں کو بوسہ دیں۔ اب آپ کا ایک چکر ہوگیا، اسکے بعد باقی چھ چکر بالکل اسی طرح کریں۔ طواف سے فارغ ہوکر طواف کی دو رکعت نماز مقام ابراہیم کے پیچھے اگر سہولت سے جگہ مل جائے ورنہ مسجد میں کسی بھی جگہ پڑھکر زمزم کا پانی پئیں۔ اور پھر ایک بار حجر اسود کے سامنے آکر بوسہ دیں یا صرف دونوں ہاتھوں سے اشارہ کریں اور وہیں سے صفا کی طرف چلے جائیں۔

(۳) سعی: صفا پہاڑ پر پہونچکر بہتر ہے کہ زبان سے کہیں: ﴿ان الصفا والمروة من شعائر اللہ﴾ پھر اپنا رخ کعبہ کی طرف کرکے اللہ کی حمد وثنا بیان کریں، درود شریف پڑھیں، پھر ہاتھ اٹھا کر خوب دعائیں کریں۔ اس کے بعد مروہ کی طرف عام چال سے چلیں۔ سبز ستونوں کے درمیان مرد حضرات ذرا دوڑ کر چلیں۔ مروہ پر پہونچکر قبلہ کی طرف رخ کرکے ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگیں۔ یہ سعی کا ایک پھیرا ہوگیا۔ اسی طرح مروہ سے صفا کی طرف چلیں، یہ دوسرا چکر ہوجائیگا۔ اس طرح آخری ساتواں چکر مروہ پر ختم ہوگا۔ (ہر مرتبہ صفا اور مروہ پر پہونچکر دعا کرنی چاہئے)۔ ﴿وضاحت﴾ طواف سے فراغت کے بعد اگر سعی کرنے میں تاخیر ہوجائے تو کوئی حرج نہیں۔ سعی کے دوران اس دعا کو بھی پڑھ لیں، اگر یاد ہو ﴿رب اغفر وارحم، انک انت الاعز الاکرم﴾۔

(٤) حلق یا قصر: سعی سے فراغت کے بعد سر کے بال منڈوا دیں یا کٹوا لیں، مردوں کے لئے منڈوانا افضل ہے لیکن خواتین چوٹی کے آخر میں سے ایک پورے کے برابر بال خود کاٹ لیں یا کسی محرم سے کٹوالیں۔ ﴿وضاحت﴾ بعض حضرات سر کے چند بال ایک طرف سے اور چند بال دوسری طرف سے کاٹ کر احرام کھول دیتے ہیں، یاد رکھیں کہ ایسا کرنا جائز نہیں، ایسی صورت میں دم واجب ہوجائیگا بلکہ یا تو سر کے بال منڈوائیں یا پورے سر کے بال اس طرح کٹوائیں کہ ہر بال کچھا کچھ کٹ جائے۔

اس طرح آپ کا عمرہ پورا ہوگیا، اب آپ اپنے احرام کو کھول دیں۔ جب تک مکہ مکرمہ میں قیام رہے کثرت سے نفلی طواف کریں، عمرے بھی کرسکتے ہیں مگر طواف زیادہ کرنا افضل وبہتر ہے۔

چند اہم مسائل: (۱) اگر آپ بغیر احرام کے میقات سے گزر گئے تو آگے جاکر کسی بھی جگہ احرام باندھ لیں لیکن آپ پر ایک دم لازم ہوگیا۔ (۲) احرام کے اوپر مزید چادر یا کمبل ڈالکر اور تکیہ کا استعمال کرکے سونا جائز ہے۔ (۳) احرام کی حالت میں احرام کو اتار کر غسل بھی کرسکتے اور احرام کو تبدیل بھی کرسکتے ہیں۔ (۴) بغیر وضو کے طواف کرنا جائز نہیں ہے، البتہ سعی کے لئے وضو کا ہونا ضروری نہیں۔ (۵) خواتین ماہواری کی حالت میں طواف نہیں کرسکتی ہیں۔ (٦) طواف اور سعی کے دوران عربی میں یا اپنی زبان میں جو دعا چاہیں مانگیں، یا قرآن کی تلاوت کریں۔ ہر چکر کی الگ الگ دعا مسنون نہیں ہے۔ (۷) نماز کی حالت میں بازوؤں کو ڈھکنا ضروری ہے، اضطباع صرف طواف کی حالت میں سنت ہے۔ (۸) طواف یا سعی کے دوران جماعت کی نماز شروع ہونے لگے یا تھکن ہوجائے تو طواف یا سعی کو روکدیں، پھر جہاں سے طواف یا سعی کو بند کیا تھا اسی جگہ سے شروع کردیں۔ (۹) طواف نفلی ہو یا فرض کعبہ کے سات چکر لگاکر ۲ رکعت نماز ادا کرنا نہ بھولیں۔ (۱۰) نفلی سعی کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (۱۱) طواف کے دوران بوقت ضرورت بات کرنا جائز ہے۔ (۱۲) طواف میں مردوں کے لئے رمل اور اضطباع کرنا سنت ہے۔

محمد نجیب سنبھلی قاسمی، ریاض

HOW TO PERFORM UMRAH

TALBIYAH: لَبَّيْك، اَللّٰهُمَّ لَبَّيْك، لَبَّيْك لا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْك ، إنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْك لاَ شَرِيْكَ لَك

In UMRAH four deeds are to be done, these are;

1) To wear IHRAAM from the MEEQAAT.
2) To do TAWAAF after reaching the MASJID-e-HARAAM.
3) To do SA'EE between SAFA and MARWA hillocks.
4) To shave or cut the hair of head.

1) IHRAAM

Before or after reaching the MEEQAAT wear IHRAAM after taking bath or making ablution (WUZOO). There are two sheets of white cloth in IHRAAM, one is tied round the waist and the other is put on the shoulders. After wearing IHRAAM offer two RAK'AT NAFIL, intend for UMRAH and read the TALBIYAH three times a little loudly. With the reading of TALBIYAH your IHRAAM is started.

Note: There is no specific cloth for the women, they have to wear any dress after taking bath or making ablution, remove the cloth from their faces, intend for UMRAH and read the TALBIYAH slowly.

Forbidden deeds for men and women after IHRAAM: Using perfume, to cut or get the hair or nails cut, to cover the face, to do intercourse or to do hugging and kissing, to prey animals, to wear such shoes which cover the middle bone of the feet.

Forbidden deeds for men only: Wearing the stitched clothes and covering the head with either the cap or the sheet.

Makroohaat of IHRAAM: Removing dirt from the body, using soap, combing the hair, using pins etc in the IHRAAM or tying the IHRAAM with thread.

Keep reciting TALBIYAH a little loudly till you reach Masjid-e-Haraam. As it is the best ZIKR in the state of IHRAAM. After reaching Makkah put your belongings at hotel or a safe place, take bath or make ablution and go straight to perform UMRAH.

2) TAWAAF

Enter the Masjid-e-Haraam peacefully and with great respect by putting your right foot inside the Masjid after reciting the DU'A of entering the Masjid (اللهم افتح لي ابواب رحمتك). When you see the KA'BA for the first time ask Allah the Almighty anything you want after praising Him and reciting His greatness.

Come to the corner of the KA'BA where HAJR-e-ASWAD is fixed in the MATAAF (the courtyard where TAWAAF is performed) and intend for the TAWAAF of UMRAH. Men are supposed to do IDHTIBAA' (putting the sheet of the IHRAAM on the left shoulder after crossing it from under the armpit of the right hand). Then kiss the HAJR-e-ASWAD if possible, otherwise point your hands towards it say بسم الله الله أكبر and start TAWAAF by keeping KA'BA on your left. While doing TAWAAF put your eyes in front of you and don't put your chest or back towards KA'BA. Men are supposed to do RAML (keep shoulders moving and walk a little fast with short steps haughtily). While passing through the third corner of the KA'BA, which is called RUKN-e-YAMAANI, put your both or just the right hand on it, if possible otherwise pass through it without pointing towards it. Recite this DU'A

in between HAJR-e-ASWAD and RUKN-e-YAMAANI; (ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار). Then after reaching HAJR-e-ASWAD point your palms towards it and recite بسم الله الله أكبر and kiss your palms. Your one round is completed, now complete the remaining six rounds also in the same way. After finishing the TAWAAF, offer two RAK'AT behind MAQAAM-e-IBRAHEEM if you get the place easily otherwise offer anywhere in the MASJID and drink ZAM-ZAM water. Then go to the SAFA hillock after once more kissing the HAJR-e-ASWAD or pointing your both hands towards it.

3) SA'EE

It is better to say: ان الصفا و المروة من شعائر الله after reaching SAFA, then keep your face towards the KA'BA, praise Allah, recite DAROOD, pray as much as you can by lifting your hands and simply move towards MARWA. Men are supposed to run a little between the green pillars. After reaching MARWA, pray as much as you can by lifting your hands. Your first round of SA'EE is completed. Move towards SAFA from MARWA in the same manner, your second round will be completed. The seventh round will be completed at MARWA. Every time you reach SAFA or MARWA, you should pray.

Note: It does not matter, if SA'EE is delayed after the completion of TAWAAF. Recite this DU'A رب اغفر وارحم، انك انت الاعز الاكرم also if you remember during SA'EE.

4) Shaving or cutting the hair of head

After the completion of SA'EE get the hair of your head shaved or cut, shaving the head is better for men. While the women are supposed either to cut themselves or get it cut by any of their MAHRAM, only the last portion of their plait.

Note: Some people remove their IHRAAM by cutting only a little hair from two or three sides, remember it is not allowed. The men doing this must have to slaughter an animal. Rather get your head shaved or get it cut in such a way that almost each and every hair is cut. Now your UMRAH is complete, remove your IHRAAM. As long as you are in MAKKAH keep doing NAFIL TAWAAF, you can do another UMRAHS also but it is better to do TAWAAF.

Some important MASAA'IL:

1. If you passed through MEEQAAT without IHRAAM, you can wear it anywhere afterwards but slaughtering an animal is obligatory for you in this way.
2. It is allowed to sleep by using pillow or by putting another sheet or blanket on the IHRAAM worn by you.
3. While in the state of IHRAM, one can take bath by removing it and can change it.
4. Doing TAWAAF is not allowed without ablution while it is not necessary for Sa`ee.
5. Women can't do TAWAAF while they are menstruating.
6. During TAWAAF and SA`EE pray whatever you like either in Arabic or in your own language or recite the Quran. There is no compulsory or specific Dua for each round.
7. The shoulder should be covered in the Namaz, IDHTEBA` is Sunnat in TAWAAF only.
8. If the congregational prayer is started during TAWAAF or SA`EE or you get tired leave TAWAAF and SA`EE then start afterwards from where you have left.
9. Whether you are doing Nafli or Farz TAWAAF don't` forget to offer 2 Raka`t TAWAAF after its completion.
10. There is no proof of Nafli SA`EE.
11. One can talk if needed during TAWAAF.
12. RAML & IDHTEBA` are Sunnat for the men only during TAWAAF.

حج کا مختصر و آسان طریقہ

حج کی تین قسمیں ہیں: (۱) تمتع (۲) قران (۳) افراد (شریعت نے اجازت دی ہے کہ آپ ان میں سے جس کو چاہیں اختیار کریں)

حج تمتع	حج قران	حج افراد
میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھیں	میقات سے حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھیں	میقات سے صرف حج کا احرام باندھیں
عمرہ کا طواف اور سعی کریں	عمرہ کا طواف اور سعی کریں	طوافِ قدوم (سنت) کریں
بال منڈوا کر یا کٹوا کر احرام اتار دیں	احرام ہی کی حالت میں رہیں	احرام ہی کی حالت میں رہیں
۷ یا ۸ ذی الحجہ کو مکہ ہی میں حج کا احرام باندھیں	ممنوعاتِ احرام سے بچتے رہیں	ممنوعاتِ احرام سے بچتے رہیں
۸ ذی الحجہ کو تلبیہ پڑھتے ہوئے منیٰ چلے جائیں	۸ ذی الحجہ کو تلبیہ پڑھتے ہوئے منیٰ چلے جائیں	۸ ذی الحجہ کو تلبیہ پڑھتے ہوئے منیٰ چلے جائیں

حج کا پہلا دن: ۸ ذی الحجہ

☆ آج منیٰ میں قیام کر کے ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور ۹ ذی الحجہ کی نمازِ فجر ادا کریں۔ (منیٰ میں یہ پانچوں نمازیں ادا کرنا اور آج کی رات منیٰ میں گزارنا سنت ہے۔)

حج کا دوسرا دن: ۹ ذی الحجہ

☆ آج صبح تلبیہ پڑھتے ہوئے منیٰ سے عرفات کے لئے روانہ ہو جائیں۔

☆ عرفات پہونچ کر ظہر اور عصر کی نمازیں وہاں ادا کریں۔

☆ غروبِ آفتاب تک قبلہ رخ کھڑے ہو کر خوب دعائیں کریں۔

☆ غروبِ آفتاب کے بعد تلبیہ پڑھتے ہوئے عرفات سے مزدلفہ روانہ ہو جائیں۔

☆ مزدلفہ پہونچکر مغرب اور عشاء کی نمازیں عشاء کے وقت میں ادا کریں۔

☆ رات مزدلفہ میں گزاریں۔ البتہ خواتین اور معذور لوگ آدھی رات کے بعد مزدلفہ سے منیٰ جا سکتے ہیں۔

حج کا تیسرا دن: ۱۰ ذی الحجہ

☆ مزدلفہ میں نمازِ فجر ادا کر کے دعائیں کریں۔ ☆ طلوعِ آفتاب سے قبل منیٰ کیلیے روانہ ہو جائیں۔

☆ منیٰ پہونچکر بڑے اور آخری جمرہ پر ۷ کنکریاں ماریں۔ ☆ تلبیہ پڑھنا بند کر دیں۔

☆ قربانی کریں۔ ☆ بال منڈوائیں یا کٹوائیں۔ ☆ احرام اتار دیں۔

☆ طوافِ زیارت یعنی حج کا طواف اور حج کی سعی کریں۔

(قربانی، بال کٹوانے، طوافِ زیارت اور حج کی سعی کو ۱۲ ذی الحجہ کی مغرب تک مؤخر کر سکتے ہیں)۔

حج کا چوتھا اور پانچواں دن: ۱۱ و ۱۲ ذی الحجہ

☆ منیٰ میں قیام کر کے تینوں جمرات پر زوال کے بعد سات سات کنکریاں ماریں۔

☆ ۱۲ ذی الحجہ کو کنکریاں مارنے کے بعد منیٰ سے جا سکتے ہیں۔

حج کا چھٹا دن: ۱۳ ذی الحجہ

☆ اگر آپ ۱۲ ذی الحجہ کو منیٰ سے روانہ نہیں ہوئے تو تینوں جمرات پر زوال کے بعد کنکریاں ماریں۔

حج کے فرائض: احرام۔ وقوفِ عرفہ۔ طوافِ زیارت کرنا۔ بعض علماء نے سعی کو بھی حج کے فرائض میں شمار کیا ہے۔

حج کے واجبات: میقات سے احرام کے بغیر نہ گذرنا۔ عرفہ کے دن غروبِ آفتاب تک میدانِ عرفات میں رہنا۔ مزدلفہ میں وقوف کرنا۔ جمرات کو کنکریاں مارنا۔ قربانی کرنا (حج افراد میں واجب نہیں)۔ سر کے بال منڈوانا یا کٹوانا۔ سعی کرنا۔ طوافِ وداع کرنا (میقات سے باہر رہنے والوں کیلئے)۔ حج کے فرائض میں سے اگر کوئی ایک فرض چھوٹ جائے تو حج صحیح نہیں ہوگا جس کی تلافی دم سے بھی ممکن نہیں۔ اگر واجبات میں سے کوئی ایک واجب چھوٹ جائے تو حج صحیح ہو جائیگا مگر جزا لازم ہوگی۔

ممنوعاتِ احرام: خوشبو استعمال کرنا۔ ناخن کاٹنا۔ جسم سے بال دور کرنا۔ میاں بیوی والے خاص تعلقات۔ چہرہ کا ڈھانکنا۔ سلے ہوئے کپڑے پہننا (صرف مردوں کے لئے)۔ سر کو ڈھانکنا (صرف مردوں کے لئے)۔ میقات سے باہر رہنے والے حضرات واپسی کے وقت طوافِ وداع ضرور کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلىٰ آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْن.

دوسرے کی طرف سے حج / عمرہ کرنا

چونکہ سعودی عرب میں مقیم ہم سب کے لئے دوسرے کی طرف سے حج / عمرہ کرنے کے مسائل سے واقفیت کی اشد ضرورت پڑتی ہے۔ لہذا ان مسائل کو تحریر کرنے کا خیال آیا۔ سب سے قبل اس موضوع سے متعلق مندرجہ ذیل احادیث کا مطالعہ فرمائیں، پھر ان احادیث کی روشنی میں علماء کے فیصلے پڑھیں :

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ اللہ تعالی نے اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے۔ میرا باپ بوڑھا ہے، سواری پر سوار نہیں ہوسکتا۔ کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کرسکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ کرسکتی ہو۔ (مسلم، کتاب الحج)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو شبرمہ کی طرف سے لبیک کہتے ہوئے سنا، تو نبی اکرم ﷺ نے اس شخص سے پوچھا: شبرمہ کون ہے؟ اس شخص نے عرض کیا: میرا بھائی، یا کہا: میرا رشتہ دار۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تم نے اپنا حج ادا کرلیا ہے؟ اس شخص نے عرض کیا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پہلے اپنا حج ادا کرو، پھر شبرمہ کی طرف سے حج ادا کرنا۔ (ابوداؤد، کتاب المناسک۔ ابن ماجہ۔ صحیح ابن حبان)

۳۔ حضرت ابو رزین عقیلیؓ (لقیط بن عامر) سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ میرا باپ بوڑھا ہے حج کی طاقت نہیں رکھتا ہے، نہ عمرہ کی، اور نہ ہی اونٹ پر سوار ہونے کی۔ (ان کے لئے کیا حکم ہے؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے باپ کی طرف سے حج اور عمرہ ادا کرو۔ (نسائی، کتاب الحج۔ ترمذی)

۴۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی، لیکن مرنے سے قبل حج نہیں کرسکی، کیا میں ماں کی طرف سے حج کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں۔ ان کی طرف سے حج کرو۔ ہاں، دیکھو اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم ادا نہ کرتی؟ پس اللہ کا قرض ادا کرو۔ اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے۔ (بخاری، الحج والنذر وعن المیت)

۵۔ حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی اکرم ﷺ کے پاس آئی اور سوال کیا کہ میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے، اور انہوں نے زندگی میں کوئی حج ادا نہیں کیا۔ کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کرلوں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں۔ اپنی ماں کی طرف سے حج ادا کرو۔ (ترمذی)

۶۔ جب آپ ﷺ حجۃ الوداع سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہونے لگے، تو حضرت عائشہؓ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ (حج کے ساتھ) عمرہ بھی ادا کرکے واپس جارہے ہیں، میں (ایام کی وجہ سے) عمرہ ادا نہیں کرسکی۔ آپ ﷺ نے ان کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیقؓ سے کہا کہ وہ انہیں تنعیم لے جائیں۔ حضرت عائشہؓ نے وہاں سے عمرہ کا احرام باندھا، مکہ مکرمہ واپس

آئیں اورعمرہ کی ادائیگی کی۔رسول اللہ ﷺ ان کے انتظار میں ٹھہرے رہے۔ حضرت عائشہؓ کی واپسی کے بعد آپ ﷺ نے صحابۂ کرام کو مدینہ منورہ روانگی کا حکم دیا۔ (بخاری ومسلم)

۷۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک ان گناہوں کا کفارہ ہے جو دونوں عمروں کے درمیان سرزد ہوں ۔۔۔۔ (بخاری ومسلم)

۸۔ حضرت عمرؓ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: پے درپے حج اورعمرے کیا کرو۔ بے شک یہ دونوں (حج اور عمرہ) فقر یعنی غریبی اور گناہوں کو اس طرح دور کردیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دور کردیتی ہے۔(ابن ماجہ)

۹۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: اللہ تعالیٰ (حج بدل میں) ایک حج کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرماتے ہیں، ایک مرحوم (جسکی طرف سے حجِ بدل ادا کیا جارہا ہے)، دوسرا حج کرنے والا، اورتیسرا وہ شخص جو حج کو بھیج رہا ہو (یعنی جو رقم خرچ کررہا ہے)۔ (الترغیب والترھیب)

ان ودیگر احادیث کی روشنی میں علماء کرام کے فیصلے:

☆ اگرکوئی شخص، کسی انتقال کرگئے شخص کی جانب سے حج/عمرہ بدل کرنا چاہے تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔ خواہ انتقال کرگئے شخص نے اپنی زندگی میں حج/عمرہ ادا کیا ہو یا نہیں۔ البتہ حج/عمرہ بدل کرنے والے کے لئے ضروری/بہتر ہے کہ وہ اپنا حج/عمرہ ادا کرچکا ہو۔

☆ اگرکوئی شخص، کسی ایسے زندہ شخص کی جانب سے حج/عمرہ کرنا چاہے جو انتہائی بوڑھا اور کمزور ہو چکا ہے، یا دائمی مریض ہے جس کا سفر کرنا مشکل ہے۔ تو یہ بھی بالاتفاق جائز ہے۔ خواہ وہ معذور شخص پہلے حج/عمرہ ادا کرچکا ہو یا نہیں۔ البتہ حج/عمرہ بدل کرنے والے کے لئے ضروری/بہتر ہے کہ وہ اپنا حج/عمرہ ادا کرچکا ہو۔

☆ اگرکوئی شخص، کسی زندہ، صحت مند وتندرست شخص کی جانب سے حج/عمرہ کرنا چاہے۔ تو اس سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔مگر احتیاط اسی میں ہے کہ زندہ، صحت مند وتندرست شخص کی طرف سے حج/عمرہ بدل نہ کیا جائے۔

☆ عورت، مرد کی طرف سے، اور مرد، عورت کی طرف سے، حج/عمرہ بدل ادا کرسکتا ہے۔

﴿مسئلہ﴾: حج/عمرہ بدل میں احرام کس میقات سے باندھا جائے؟ حج/عمرہ بدل کرنے والا اپنی میقات سے احرام باندھے، یا پھر جس شخص کی جانب سے حج/عمرہ ادا کیا جارہا ہے، اسکی میقات سے احرام باندھے؟ مثلاً کوئی شخص سعودی عرب میں مقیم ہے، اپنے بوڑھے والد جو ہندوستان یا پاکستان میں ہیں ان کی طرف سے حج/عمرہ کرنا چاہتا ہے، تو کیا حج/عمرہ بدل کرنے والے کے لئے ہندوستان یا پاکستان میں رہنے والوں کی میقات یعنی یلملم سے احرام باندھنا ضروری ہوگا، یا وہ اپنی میقات سے بھی احرام باندھ سکتا ہے۔ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ مگر اختلافات اور ایک میقات سے دوسری میقات پر جانے کی مشقت کو سامنے رکھ کر علماء نے اجازت دی ہے کہ حج/عمرہ بدل کرنے والا اپنی میقات سے بھی احرام باندھ سکتا ہے۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلىٰ آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْن.

حج / عمرہ میں حلق یا قصر

حج اعمرہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ والہانہ محبت، اور اس محبت میں سب کچھ بھلا دینے کا اظہار ہوتا ہے۔ سلے ہوئے کپڑے اتار کر ایک کفن نما لباس پہن لیا جاتا ہے۔ اب جسم کی زینت کا ہوش ہے نہ کپڑوں کے حسن کا، زیادہ صفائی کا خیال ہے، نہ بال کاڑھنے کا۔ بس لبیک لبیک کی رٹ ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے گھر پہنچ کر دیوانوں کی طرح کعبہ اور صفا مروہ کے چکر لگانا اور سر کی زینت بالوں کو کٹوانا ہے۔

حلق کے معنی سر کے بال منڈوانا اور قصر کے معنی بالوں کا کٹوانا ہے۔

☆ حج اعمرہ میں حلق یا قصر ضروری ہے، اس کے ترک کرنے پر ایک دم لازم ہوگا، بلکہ حضرت امام شافعیؒ کے نقطہ نظر میں تو حلق یا قصر حج اعمرہ کے ارکان میں سے ہے یعنی اس کے بغیر حج یا عمرہ ادا ہو ہی نہیں سکتا، خواہ کتنے ہی دم دے دئے جائیں۔

☆ پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ مرد حضرات کے لئے سر منڈوانا افضل ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے حلق کرانے والوں یعنی بال منڈوانے والوں کے لئے رحمت اور مغفرت کی دعا تین مرتبہ فرمائی ہے اور بال چھوٹے کرانے والوں کے لئے صرف ایک بار دعا فرمائی ہے (بخاری ومسلم)۔

نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں بال منڈوانے والوں کا ذکر بال کٹوانے والوں سے پہلے کیا ہے: مُحَلِّقِيْنَ رُؤُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ (سورۃ الفتح ۲۷)۔ نیز نبی اکرم ﷺ نے خود بھی بال ہی منڈوائے (مسلم)۔

☆ عورتوں کے لئے چونکہ سر کے بال منڈوانا ناجائز ہے، لہذا ان کے لئے صرف قصر ہی ہے، یعنی وہ اپنی چوٹی کے آخر سے انگلی کے ایک پورے کے برابر بال کاٹ دیں (ترمذی)۔

☆ سر منڈانے کے لئے ضروری ہے کہ پورے سر کے بال مونڈے جائیں، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے آدھے یا چوتھائی سر کے بال مونڈنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت بخاری ومسلم میں ہے۔

☆ سر منڈوانے کی طرح بالوں کی کٹنگ بھی پورے سر کی ہونی چاہئے، کیونکہ مذکورہ آیت میں قصر کو حلق کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جب حلق پورے سر کا ہے تو قصر یعنی بالوں کی کٹنگ بھی پورے سر کی ہی ہونی چاہئے۔ نیز نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام سے کسی بھی وقت چند بال سر کے ایک طرف سے اور چند بال دوسری طرف سے قینچی سے کاٹ کر احرام کھولنا ثابت نہیں ہے۔ صرف امام ابوحنیفہؒ (الشیخ نعمان بن ثابتؒ ۸۰ھ ۔۱۵۰ھ) نے وضو کے مسح پر قیاس کرکے کم از کم چوتھائی سر کے بال کٹنے کی شکل میں وجوب کے ادا ہونے کا فیصلہ فرمایا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ چند بال سر کے ایک طرف سے اور چند بال دوسری طرف سے قینچی سے کاٹ کر احرام کھول دینا جائز نہیں ہے۔ ایسی صورت میں دم واجب ہوجائیگا۔ لہذا یا تو سر کے بال منڈوائیں یا مشین پھروائیں یا اس طرح بالوں کو کٹوائیں کہ پورے سر کے بال کچھ نہ کچھ کٹ جائیں۔ قرآن کی آیت مُحَلِّقِيْنَ رُؤُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ کے ظاہر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سر پر کٹنگ کا اثر ضرور ظاہر ہونا چاہئے، چند بالوں کی کٹنگ سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا ہے۔

☆ عورتیں اپنی چوٹی کا سرا پکڑ کر ایک پورے کے برابر بال خود کاٹ لیں یا کسی محرم یا شوہر سے کٹوالیں۔ ☆ سر کے بال حدودِ حرم کے اندر کسی بھی جگہ کٹوا سکتے ہیں خواہ حج ادا کر رہے ہوں یا عمرہ۔ ☆ بال منڈوانے یا کٹوانے سے پہلے نہ احرام کھولیں اور نہ ہی ناخن وغیرہ کاٹیں، ورنہ دم لازم ہوجائیگا۔ ☆ اگر کسی شخص کے سر پر بال ہی نہیں ہیں تو وہ ایسے ہی سر پر استرا پھروا دے، اور پھر احرام اتار دے۔ ☆ بعض حضرات نے عقلی دلائل کی روشنی میں جو لکھا ہے کہ چند بال قصر کے لئے کافی ہیں، ان کا مطلب صرف ایسے شخص کو دم سے بچانا ہے جو ایسی غلطی کر چکا ہو، لیکن ان کا عمل پورے سر کے بال منڈوانے یا کٹوانے کا ہی ہے۔ لہذا جو مرد حضرات اپنے بالوں کی اتنی بھی قربانی نہیں دے سکتے کہ چھوٹے کرالیں، تو ان سے میری درخواست ہے کہ وہ زندگی میں بار بار حج اعمرہ نہ کریں، مکہ مکرمہ جا کر صرف طواف کرلیں، نماز پڑھ لیں، دعا کرلیں۔ محمد نجیب قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْن.

ریاض سے جدہ جاتے ہوئے عمرہ کرنے والوں کے لئے ضروری واہم ہدایات

اگر کوئی شخص ریاض سے جدہ کسی کام سے یا کسی شخص سے ملاقات کے لئے جارہا ہے، اور ساتھ میں یہ بھی نیت ہے کہ کام یا ملاقات سے فراغت کے بعد مکہ مکرمہ عمرہ کی ادائیگی کے لئے جانا ہے، تو اس شخص کے لئے جدہ سے احرام باندھنا کافی نہیں ہوگا۔ بلکہ اس شخص کے لئے تین شکلیں ہیں، کسی ایک کو اختیار کرے :

۱۔ ریاض سے جدہ جاتے ہوئے میقات (یعنی طائف۔السیل الکبیر) میں احرام باندھکر نیت کرکے تلبیہ پڑھے۔ جدہ میں کام سے فارغ ہوکر عمرہ کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ چلا جائے، لیکن اِس شکل میں اس شخص کو جدہ میں احرام ہی کی حالت میں رہنا ہوگا۔ یاد رکھو! احرام باندھنے کے بعد فوراً ہی عمرہ کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ جب تک چاہو احرام کی حالت میں رہ سکتے ہو مگر احرام کی پابندیاں لازم رہیں گی، مثلاً سلے ہوئے کپڑے نہیں پہن سکتے، خوشبو استعمال نہیں کرسکتے وغیرہ۔

۲۔ ریاض سے بغیر احرام باندھے جدہ چلا جائے۔ کام سے فراغت کے بعد طائف یعنی میقات جاکر احرام باندھے، اور پھر مکہ مکرمہ جاکر عمرہ کرے۔ (اس شخص کے لئے تنعیم یعنی مسجد عائشہ سے احرام باندھنا کافی نہیں ہوگا۔ اسی طرح شمیسیہ سے بھی احرام باندھنا کافی نہیں ہوگا، شمیسیہ جدہ مکہ شاہراہ پر واقع ایک علاقہ کا نام ہے جہاں سے منطقۂ حرم شروع ہوتا ہے۔ اور آجکل وہاں حدودِ حرم کی علامت کے طور پر حل بنی ہوئی ہے)۔

۳۔ ریاض سے میقات (یعنی طائف۔السیل الکبیر) میں احرام باندھتے ہوئے مکہ مکرمہ چلا جائے، سب سے پہلے عمرہ کی ادائیگی کرے، پھر جدہ جاکر اپنے کام میں مشغول ہوجائے۔

وضاحت: اس موضوع پر میں نے جتنی بھی کتابیں پڑھی ہیں یا جن علماء سے بھی رجوع کیا ہے خواہ وہ عرب ہوں یا غیر عرب۔ سب کی ایک ہی رائے معلوم ہوئی کہ عمرہ کی نیت کے ساتھ ریاض سے روانہ ہونے والا شخص جدہ سے احرام نہیں باندھ سکتا ہے۔

نوٹ:

۱۔ ریاض سے جدہ جانے والا اگر کوئی شخص جدہ میں کام میں مشغولیت یا کسی اور وجہ سے میقات (السیل الکبیر) سے احرام باندھنے کی دشواری برداشت نہیں کرسکتا ہے، تو برائے مہربانی اس سفر میں عمرہ نہ کرے۔ لیکن اگر مکہ مکرمہ جانا چاہتا ہے تو چلا جائے، جتنے چاہے طواف کرے، دعا کرے، نماز پڑھے، البتہ عمرہ نہ کرے۔

۲۔ اگر کسی شخص نے ایسا کرلیا۔ یعنی ریاض سے جدہ روانگی کے وقت' عمرہ کی ادائیگی کا بھی ارادہ تھا، اور پھر جدہ میں کام سے فراغت کے بعد جدہ ہی سے عمرہ کا احرام باندھ لیا تو اس شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ عمرہ کی ادائیگی سے پہلے میقات یعنی طائف جا کر دوبارہ نیت کر کے تلبیہ پڑھے اور پھر مکہ مکرمہ پہونچ کر عمرہ کی ادائیگی کرے۔ ورنہ (ریاض سے روانگی کے وقت عمرہ کی نیت تھی، پھر جدہ سے احرام باندھکر عمرہ ادا کرلیا تو) اُس پر ایک دم لازم ہوجائے گا، البتہ یہ دم زندگی میں کسی بھی وقت دیا جاسکتا ہے۔

۳۔ اگر کوئی شخص ریاض سے جدہ کسی کام سے جارہا ہے اور عمرہ کی ادائیگی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ جدہ میں جا کر اچانک عمرہ کی ادائیگی کا ارادہ بن گیا ، تو ایسی صورت میں اس شخص کے لئے جدہ سے عمرہ کا احرام باندھنا جائز ہے۔

۴۔ اگر ریاض سے کسی کام کے لئے جدہ روانگی کے وقت' عمرہ کی ادائیگی کی نیت تو ہے لیکن سفر کا پروگرام واضح نہ ہونے کی وجہ سے عمرہ کی ادائیگی غیر یقینی ہے، یعنی عمرہ کرے یا نہ کرے۔ تو غالب امکان کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے گا۔ یعنی ریاض سے روانگی کے وقت اگر زیادہ امکان عمرہ کرنے کا ہے، تو پھر جدہ سے احرام باندھنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اور اگر بہت کم امکان عمرہ کی ادائیگی کا تھا، مگر جدہ جا کر عمرہ کا مکمل ارادہ ہوگیا، تو پھر جدہ سے احرام باندھنے کی گنجائش ہے۔

۵۔ صرف ارادہ کرنے یا احرام کے کپڑے پہننے سے عمرہ کی ادائیگی لازم نہیں ہوتی، بلکہ نیت کرکے تلبیہ پڑھنے کے بعد عمرہ کی ادائیگی لازم ہوجاتی ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص کا ریاض سے روانگی کے وقت عمرہ کا ارادہ تھا مگر تلبیہ پڑھنے سے پہلے ہی عمرہ کی ادائیگی کا ارادہ ختم ہوگیا تو کوئی حرج نہیں۔ عمرہ کی ادائیگی اس پر لازم نہیں۔ اور کسی طرح کا کوئی صدقہ یا دم لازم نہیں۔

۶۔ جو حکم ریاض شہر میں رہنے والے کا بیان کیا گیا ہے، وہی حکم میقات کے باہر رہنے والے ہر شخص کے لئے ہے خواہ وہ کسی بھی شہر، اور کسی بھی ملک میں رہ رہا ہو مثلاً دمام، قطر، قاہرہ وغیرہ۔ یعنی میقات کے باہر رہنے والا یہ شخص اگر اپنے علاقے سے عمرہ کی نیت کے ساتھ مکہ مکرمہ روانہ ہورہا ہے خواہ وہ کسی بھی شہر سے گزرے، تو اس کے لئے پانچ میقاتوں میں سے کسی ایک میقات یا اس کے محاذی احرام باندھنا ضروری ہے۔ ان پانچ میقاتوں کا بیان تفصیل سے آرہا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس موقع پر میقات (یعنی وہ مقامات جھاں سے حج یا عمرہ کرنے والے حضرات احرام باندھتے ھیں) کی تھوڑی تفصیل لکھنا مناسب سمجھتا ھوں۔ میقات کے اعتبار سے دنیا کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ھے (مضمون کے آخر میں میقاتو ں کا نقشہ بھی موجود ھے) :

پھلی قسم: آفاق :

☆ اہل مدینہ اور اسکے راستے سے آنے والوں کے لئے ذوالحلیفہ (نیا نام بئرعلی) میقات ہے۔ مکہ مکرمہ سے اسکی مسافت تقریباً ۴۲۰ کیلومیٹر ہے۔

☆ اہل شام اور اسکے راستے سے آنے والوں کے لئے (مثلاً مصر، لیبیا، الجزائر، مراکش وغیرہ) جحفہ میقات ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے ۱۸۶ کیلومیٹر دور ہے۔

☆ اہلِ نجد اور اسکے راستے سے آنے والوں کے لئے (مثلاً بحرین، قطر، دمام، ریاض وغیرہ) قرن المنازل میقات ہے، اسکو آجکل (السیل الکبیر) کہا جاتا ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے کوئی ۷۸ کیلومیٹر پر واقع ہے۔

☆ اہل یمن اور اسکے راستے سے آنے والوں کے لئے (مثلاً ہندوستان، پاکستان وغیرہ) یَلَمْلَم میقات ہے۔ مکہ مکرمہ سے اسکی دوری ۱۲۰ کیلومیٹر ہے۔

☆ اہل عراق اور اسکے راستے سے آنے والوں کے لئے ذاتِ عرق میقات ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے ۱۰۰ کیلومیٹر مشرق میں واقع ہے۔

ان مذکورہ پانچ میقاتوں سے باہر کا علاقہ (یعنی تقریباً پوری دنیا) آفاق کہا جاتا ہے۔ اور اس کے رہنے والوں کو آفاقی کہا جاتا ہے۔

پھلی قسم کا حکم: حدودِ میقات سے باہر رہنے والے (یعنی آفاقی) حضرات حج اور عمرہ کا احرام ان پانچ میقاتوں میں سے کسی ایک میقات پر یا اس سے پہلے یا اس کے مقابل باندھیں۔

دوسری قسم: حرم:

مکہ مکرمہ کے چاروں طرف کچھ دور تک کی زمین حرم کہلاتی ہے، جسکی حدود یہ ہیں :

☆ مدینہ طیبہ کی طرف تنعیم (جہاں مسجد عائشہ بنی ہوئی ہے) تک حرم ہے جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔

☆ جدہ کی طرف مکہ مکرمہ سے دس میل کے فاصلہ پر شمیسیہ تک حرم ہے۔

☆ طائف کی طرف عرفات تک حرم ہے جو مکہ سے سات میل کے فاصلہ پر ہے۔ (یعنی عرفات حدودِ حرم سے باہر ہے)۔

☆ یمن کی طرف اضاءۃ لبن تک حرم ہے جو مکہ سے سات میل کے فاصلہ پر ہے۔

☆ عراق کی طرف سات میل تک حرم ہے۔

☆ جعرانہ کی طرف نو میل تک حرم ہے۔

اس مقدس سرزمین (حرم) میں ہر شخص کے لئے چند چیزیں حرام ہیں چاہے وہاں کا مقیم ہو یا حج وعمرہ کرنے کے لئے آیا ہو۔

۱) یہاں کے خود اُگے ہوئے درخت یا پودے کو کاٹنا۔

۲) گری پڑی چیز کا اٹھانا۔ (البتہ گمشدہ چیز کا اعلان کرنے کے لئے گری پڑی چیز کو اٹھایا جاسکتا ہے)۔

۳) یہاں کے کسی جانور کا شکار کرنا یا اسکو چھیڑنا۔ تکلیف دہ جانور جیسے سانپ، بچھو، گرگٹ، چھپکلی، مکھی، کھٹمل وغیرہ کو حرم میں بھی مارنا جائز ہے۔

وضاحت: غیر مسلموں کا حدود حرم میں داخلہ قطعاً حرام ہے۔

دوسری قسم کا حکم: اہلِ حرم (جو حدودِ حرم کے اندر مثلاً مکہ مکرمہ میں مستقل یا عارضی طور پر قیام پذیر ہیں) حج کا احرام اپنی رہائش سے ہی باندھیں، البتہ عمرہ کیلئے انہیں حرم سے باہر حل میں جاکر احرام باندھنا ہوگا۔

جو شخص میقات سے باہر کا رہنے والا ہے اور میقات پر احرام باندھ کر ایک عمرہ کرچکا ہے، مکہ ہی میں رہ کر دوسرا عمرہ کرنا چاہتا ہے، تو وہ بھی حل میں کسی جگہ مثلاً تنعیم میں جاکر احرام باندھے، پھر دوسرے عمرہ کی ادائیگی کرے۔

مسجد حرام سے سب سے زیادہ قریب حل میں جگہ تنعیم ہے جہاں مسجد عائشہ بنی ہوئی ہے۔

تیسری قسم: حِل: میقات اور حرم کے درمیان کی سرزمین (مثلاً جدہ) حِل کہلائی جاتی ہے جسمیں خود اُگے ہوئے درخت کو کاٹنا اور جانور کا شکار کرنا حلال ہے۔ نیز غیر مسلموں کا داخلہ بھی حل میں جائز ہے۔

تیسری قسم کا حکم: اہل حل (جنکی رہائش میقات اور حدودِ حرم کے درمیان ہے مثلاً جدہ کے رہنے والے) حج اور عمرہ دونوں کا احرام اپنے گھر سے باندھیں۔

وضاحت: کوئی بھی شخص عمرہ کا احرام حدودِ حرم کے اندر (مثلاً مکہ مکرمہ میں) نہیں باندھ سکتا ہے۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلاَمُ عَلَى النَّبِیِّ الْكَرِيمِ وَعَلٰى آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِين۔

حج / عمرہ سے روک دیا جانا

آج بروز جمعہ (30-10-2009) ریاض، بریدہ اور جدہ سے چند حضرات نے مسئلہ دریافت کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس بدھ اور جمعرات کو عمرہ کی ادائیگی کے لئے جانے والے تقریباً تمام حضرات کو CheckPost سے SwineFlu کی بیماری کے انتشار ہونے کے خدشہ کی وجہ سے مکہ مکرمہ جانے سے روک دیا۔ چنانچہ بے شمار حضرات احرام کھول کر عمرہ کی ادائیگی کے بغیر، گھر واپس چلے گئے۔ لہذا آپ حضرات سے درخواست ہے کہ مناسکِ حج کی ادائیگی تک، عمرہ کرنے کے لئے مکہ مکرمہ نہ جائیں۔

مسئلہ: حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد اگر کسی شخص کو حج یا عمرہ کی ادائیگی سے روک دیا جائے تو احرام باندھنے والے شخص پر ایک دم لازم ہوجائے گا، نیز قضا بھی کرنی ضروری ہوگی، جو زندگی میں کبھی بھی کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ ٦ ہجری میں نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ عمرہ کی ادائیگی کے لئے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ حدیبیہ کے مقام پر کفارِ مکہ نے نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کو عمرہ کی ادائیگی سے روک دیا اور صلح حدیبیہ ہوئی۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے ایک ایک قربانی دی اور پھر احرام اتار کر عمرہ کی ادائیگی کئے بغیر مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ آئندہ سال ۷ ہجری میں نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے عمرہ کی قضا کی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ (سورہ البقرہ ۱۹۶) حج یا عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو۔ یعنی حج یا عمرہ کا احرام باندھ لو تو پھر اس کا پورا کرنا ضروری ہے، چاہے نفلی حج وعمرہ ہو۔۔۔۔ ہاں اگر تم روک دیے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو، اسے کرڈالو۔ اگر راستے میں کوئی رکاوٹ آجائے تو ایک جانور یعنی ایک بکری، اور گائے یا اونٹ کا ساتواں حصہ جو بھی میسر ہو ذبح کرلو۔

مسئلہ: اگر محرم کو بیماری یا دشمن یا کسی دوسری وجہ سے حج یا عمرہ کی عدم ادائیگی کا خوف ہو تو اس کو چاہئے کہ احرام باندھتے وقت یوں کہے کہ اگر مجھے کوئی عذر لاحق ہوا تو میں وہیں حلال ہوجاؤں گا۔ اس شرط کے ساتھ محرم کو اگر کوئی رکاوٹ پیش آجائے تو اس کے لئے حلال ہونا جائز ہے۔ اور اس پر کوئی دم واجب نہیں ہوگا۔ (الشیخ عبدالعزیز بن بازؒ)

وضاحت: جن حضرات پر حج یا عمرہ میں کوئی دم واجب ہوجائے تو وہ اس کو اپنے لئے کوئی عقاب یا سزا نہ سمجھیں، بلکہ یہ ایک اللہ کا حکم ہے، اس کو خوشی سے انجام دیں۔ اس کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر وثواب ملے گا۔ ان شاءاللہ۔ دم کا فوری طور پر ادا کرنا ضروری نہیں ہوتا ہے۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض (30-10-2009)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِیِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْن.

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،،،،

آپ کے ۵ سوالات کے جوابات' اپنی معلومات کے مطابق لکھ رہا ہوں، اللہ تعالیٰ صحیح بات لکھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین :

۱۔ کسی شخص کے انتقال کے بعد' اسکی جانب سے عمرہ کی ادائیگی کی جاسکتی ہے۔ عورت' مرد کی طرف سے، اور مرد' عورت کی طرف سے، عمرہ بدل ادا کرسکتا ہے۔ البتہ کسی زندہ شخص کی جانب سے عمرہ کی ادائیگی نہیں کی جاسکتی ہے۔

۲۔ ایک مرتبہ احرام باندھکر' ایک ہی عمرہ کی ادائیگی کی جاسکتی ہے۔ البتہ ایک عمرہ سے فراغت کے بعد اگر دوسرا عمرہ ادا کرنا چاہتے ہیں تو حِل میں کسی بھی جگہ (مثلاً تنعیم جہاں مسجد عائشہ بنی ہوئی ہے) جائیں، عمرہ کی نیت کرکے تلبیہ پڑھ لیں اور پھر عمرہ کی ادائیگی کرلیں۔ دوسرے عمرہ کی ادائیگی کے لئے احرام کی چادروں کو بدلنا یا پلٹنا یا دھونا ضروری نہیں ہے۔یعنی احرام کی چادروں کو ایک سے زیادہ عمرہ کی ادائیگی کے لئے استعمال کرسکتے ہیں۔ مگر ہر عمرہ کی ادائیگی کے بعد بالوں کا کٹوانا یا منڈوانا ضروری ہے۔ یاد رکھیں کہ ایک سفر میں بار بار عمرہ کرنے کے بجائے، طواف زیادہ کرنا افضل اور بہتر ہے۔

۳۔ نیت اصل میں دل کے ارادہ کا نام ہے۔یعنی جس وقت آپ اپنے گھر سے عمرہ کی ادائیگی کے لئے روانہ ہوئے تو نیت ہوگئی، مگر بہتر یہ ہے کہ احرام کے کپڑے پہننے کے بعد تلبیہ پڑھنے سے قبل زبان سے بھی نیت کرلیں۔ اور نیت کے لئے عربی زبان کے الفاظ ہی استعمال کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ آپ اردو زبان میں بھی نیت کرسکتے ہیں۔کسی دوسرے شخص کی جانب سے عمرہ کی ادائیگی کی صورت میں' جس کی جانب سے عمرہ ادا کررہے ہیں، اس کی جانب سے عمرہ کی نیت کریں۔ مثلاً کہیں کہ میں اپنے والد کی جانب سے عمرہ ادا کرنے کی نیت کرتا ہوں۔

۴۔ ہر طواف کے بعد دو رکعت نماز ادا کی جاتی ہے، (خواہ حج کا طواف ہو، یا عمرہ کا، یا نفلی طواف)۔ طواف کی یہ دو رکعت نماز طواف کے بعد مسجد حرام میں کسی بھی جگہ ادا کرسکتے ہیں۔ اگر ازدہام زیادہ نہ ہو تو مقام ابراہیم کے پیچھے ادا کرنا افضل وبہتر ہے۔

۵۔ طواف اور سعی کے دوران کوئی بھی دعا لازم اور ضروری نہیں ہے۔جو چاہیں، جس زبان میں چاہیں، دعائیں مانگیں۔ پھر بھی آپ کی خواہش کے مطابق عمرہ کے دوران جن دعاؤں کا ذکر احادیث میں آیا ہے، ان کو مختصراً تحریر کردیتا ہوں:

طواف کے دوران بھی کوئی خاص دعا لازم نہیں البتہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان چلتے ہوئے یہ دعا بار بار پڑھیں۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

اگر یاد ہوتو، زمزم کا پانی پی کر الحمدللہ کہہ کر یہ دعا پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ عِلْماً نَافِعاً وَّرِزْقاً وَّاسِعاً وَّشِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ

صفا پر پہونچکر بہتر ہے کہ زبان سے کہیں:

اَبْدَاُ بِمَا بَدَاَ اللّٰهُ بِهٖ، اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ

پھر کعبہ کی طرف رخ کرکے دعا کی طرح ہاتھ اٹھالیں اور ۳ مرتبہ اللہ اکبر کہیں، اور اگر یہ دعا یاد ہو تو اسے بھی پڑھیں:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْر، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، اَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهُ

سعی کے دوران بھی کوئی خاص دعا لازم نہیں البتہ اس دعا کو خاص طور پر پڑھتے رہیں:

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ، وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ، اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَم

محمد نجیب قاسمی، ریاض

Janab Shamim Bhai

Asslamualaikum Warahmatullah

Aap ke dono sawal ka jawab dalail ke sath arz he:

1) **Hajj ya Umrah ka Ahram bandhne ke leyen pehle 2 Rakat ada Karne chaheye, jo Farz nahee balke Mustahab hen, phir Hajj ya Umrah ke niyat Karke Talbiyah padhna chaheye. Agrche isme Ulama ka ikhtelaf chla ara he, jaisa ke mundarjah zel links per dekha jasakta he.**

   http://www.binbaz.org.sa/mat/3655

   http://www.awqaf.ae/Fatwa.aspx?SectionID=9&RefID=5897

   http://majles.alukah.net/showthread.php?t=38276

   http://www.islamweb.net/fatwa/index.php?page=showfatwa&Option=FatwaId&Id=48218

   Bukhri ke hadeeth (1534) he ke Nabee Akram SAW ne Aqeeq Wadi (Madinah Walon ke Miqat) me farmaya ke rat me mere pas Allah Taala ke taraf se aane wale ne kaha ke is wadi me namaz padho aur Umrah ko Hajj ke sath milalo (yane Hajj Qiran) ....

   Muslim ke hadeeth me he ke Nabee Akram SAW ne 2 rakat ada ke aur phir Ahram bandha.

   Degar Ahadeeth me he ke Allah ke munade ne Nabi Akaram SAW se farmaya ke is Mubarak wadi me namaz padho aur Ahram bandho.

   In Ahadeeth aur is tarah ke digar Ahadeeth ke roshni me Muhaddesen aur Ulama ke ek badi jamat farmate he ke Ahram bandhne se pahle 2 Rakaat ada karna Mustahab he. Muslim Shareef ke Sharah likhne wale Imam Nawawi RA (Writer of رياض الصالحين) ne tahreer kiya he ke Ahram ke 2 Rakaat ke Mustahab hone per ummat-e-muslima muttafiq he. Imam Nawawi RA ne tahreer kiya he ke pahle Rakaat me سورة الكافرون aur dosri rakaat me سورة الاخلاص padne chaheye.

2) **Jahan tak Hajre Aswad ke taraf haath uthane ke baad haath ko boosa dene ka taaluq he to Muslim ke ek hadeeth (1268) me he ke Nabi Akram SAW ne haath ka boosa liya, ise leyan Imam Nawawi ne Tahreer kiya he ke jamhoor ka mazhab he ke hajre aswad ke taraf haath uthakar uska boosa dena mustahab he.**

   شرح النووي على مسلم - كتاب الحج باب استحباب استلام الركنين اليمانيين في الطواف دون الركنين الآخرين

   http://english.islamweb.net/newlibrary/display_book.php?bk_no=53&ID=555&idfrom=3699&idto=3707&bookid=53&startno=4

   http://www.afaqattaiseer.com/vb/showthread.php?t=3893

   Lekin chonke masala sirf Mustahab ka he, isleye bohot ziyada isme ulajhne ke zaroorat nahee he. Aapne suwal kiya isleyen jawab arz kardiya.

   والله أعلم بالصواب.

Mohammad Najeeb Qasmi, Riyadh

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْن۔

ماہِ رجب

قرآن وحدیث کی روشنی میں ماہ رجب کے متعلق چند امور تحریر کررہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو قرآن وحدیث کے مطابق زندگی گزارنے والا بنائے۔ آمین، ثم آمین۔

۱) حرمت والا مہینہ: رجب اُن چار مہینوں میں سے ایک ہے جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حرمت والے مہینے قرار دیا ہے۔ جو حسب ذیل ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم الحرام اور رجب۔ (بخاری ومسلم)

ان مہینوں کو حرمت والے مہینے اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں ہر ایسے کام جو فتنہ وفساد، قتل وغارت گری اور امن وسکون کی خرابی کا باعث ہو سے منع فرمایا گیا ہے، اگرچہ لڑائی جھگڑا سال کے دیگر مہینوں میں بھی حرام ہے، مگر ان چار مہینوں میں لڑائی جھگڑا کرنے سے خاص طور پر منع کیا گیا ہے۔ ان چار مہینوں کی حرمت وعظمت پہلی شریعتوں میں بھی مسلّم رہی ہے حتی کہ زمانہ جاہلیت میں بھی ان چار مہینوں کا احترام کیا جاتا تھا۔

۲) ماہِ رجب میں کسی خاص نماز پڑھنے کا کوئی ثبوت احادیث صحیحہ سے نہیں ملتا ہے۔ نماز کے اعتبار سے یہ مہینہ دیگر مہینوں کی طرح ہے۔

۳) اس ماہ میں روزہ رکھنے کی خاص فضیلت کا کوئی ثبوت احادیث صحیحہ سے نہیں ملتا ہے۔ روزہ کے اعتبار سے یہ مہینہ دیگر مہینوں کی طرح ہے۔ البتہ رمضان کے پورے ماہ کے روزہ رکھنا ہر بالغ مسلمان پر فرض ہیں۔ اور ماہ شعبان میں کثرت سے روزہ رکھنے کا تذکرہ احادیث میں موجود ہے۔

٤) ماہ رجب میں نبی اکرم ﷺ نے کوئی عمرہ ادا کیا یا نہیں؟ اس بارے میں علماء ومؤرخین کی رائے مختلف ہیں۔ البتہ ماہ رجب میں عمرہ کی ادائیگی کی جاسکتی ہے۔ اسلاف سے بھی اس ماہ میں عمرہ ادا کرنے کے ثبوت ملتے ہیں۔ البتہ رمضان کے علاوہ کسی ماہ میں عمرہ ادا کرنے کی کوئی خاص فضیلت احادیث میں موجود نہیں ہے۔

٥) رجب کا مہینہ شروع ہونے پر نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ ﴿اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِيْ رَجَبٍ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ اے اللہ! رجب اور شعبان کے مہینوں میں ہمیں برکت عطا فرما، اور رماہ رمضان تک ہمیں پہونچا﴾ (مسند احمد، بزاز، طبرانی، بیہقی)

لہٰذا ماہِ رجب کے شروع ہونے پر، ہم یہ دعا یا اس مفہوم پر مشتمل کوئی اور دعا مانگ سکتے ہیں۔

اس دعا سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے نزدیک رمضان کی کتنی اہمیت تھی کہ ماہِ رمضان کی عبادت کو حاصل کرنے کے لئے آپ ﷺ رمضان سے دو ماہ قبل دعاؤں کا سلسلہ شروع فرمادیتے تھے۔ ماہِ رجب کو بھی آپ ﷺ کی دعائے برکت حاصل ہوئی، جس سے ماہِ رجب کا کسی حد تک مبارک ہونا ثابت ہوتا ہے۔

٦) معراج کا واقعہ: اس واقعہ کی تاریخ اور سال کے متعلق، مورخین اور اہل سیر کی رائے مختلف ہیں۔ ان میں سے ایک رائے یہ ہے کہ نبوت کے بارہویں سال ۲۷ رجب کو ۵۱ سال ۵ مہینہ کی عمر میں نبی اکرم ﷺ کو معراج ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆ اسراء کے معنی رات کو لے جانے کے ہیں۔ مسجد حرام (مکہ مکرمہ) سے مسجد اقصیٰ کا سفر جس کا تذکرہ سورہ بنی اسرائیل (سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی) میں کیا گیا ہے، اس کو اسراء کہتے ہیں۔
اور یہاں سے جو سفر آسمانوں کی طرف ہوا، اس کا نام معراج ہے، جس کا ذکر سورہ نجم کی آیات (ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی، فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی، فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی) میں ہے۔ اور احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے، یعنی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی ایک بڑی تعداد سے معراج سے متعلق احادیث مروی ہیں۔

☆ قرآن مجید کے ارشادات اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ اسراء و معراج کا تمام سفر صرف روحانی نہیں تھا بلکہ جسمانی تھا، یعنی نبی اکرم ﷺ کا یہ سفر کوئی خواب نہیں تھا بلکہ ایک جسمانی سفر اور عینی مشاہدہ تھا۔ یہ ایک معجزہ تھا کہ مختلف مراحل سے گزر کر اتنا بڑا سفر، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے صرف رات کے ایک حصہ میں مکمل کردیا۔ اللہ تعالیٰ جو اس پوری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے، اس کے لئے کوئی بھی کام مشکل نہیں ہے، کیونکہ وہ تو قادر مطلق ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کے تو ارادہ کرنے پر چیز کا وجود ہوجاتا ہے۔ معراج کا واقعہ پوری انسانی تاریخ کا ایک ایسا عظیم، مبارک اور بے نظیر معجزہ ہے جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ خالق کائنات نے اپنے محبوب نبی اکرم ﷺ کو دعوت دے کر اپنا مہمان بنانے کا وہ شرف عظیم عطا فرمایا جو نہ کسی انسان کو کبھی حاصل ہوا اور نہ کسی مقرب ترین فرشتے کو۔

☆ واقعہ معراج کے مقاصد میں جو سب سے مختصر اور عظیم بات قرآن کریم (سورہ بنی اسرائیل) میں ذکر کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہم (اللہ تعالیٰ) نے آپ ﷺ کو اپنی کچھ نشانیاں دکھلائیں۔

☆ اس واقعہ کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ رات کے وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ (فلسطین) براق پر لے گئے۔ وہاں آپ ﷺ نے انبیاء کرام کی امامت فرماتے ہوئے نماز پڑھائی۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کو عالم بالا کی طرف لے چلے اور وہاں آسمانوں پر مختلف جلیل القدر انبیاء سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی۔۔۔ آخر آپ انتہائی بلندیوں پر پہونچ کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوئے۔ اور آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے اتنے قریب ہوئے کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے ایک ایسے مقام پر ملاقات کا شرف حاصل ہوا کہ جہاں کسی فرشتے کو بھی رسائی حاصل نہیں ہے۔

☆ اس موقع پر آپ ﷺ کو پانچ وقت نماز کی فرضیت کا حکم ہوا۔ اس سفر میں آپ ﷺ کو جنت اور دوزخ کا بھی مشاہدہ کرایا گیا۔

☆ معراج کے واقعہ سے متعلق کوئی خاص عبادت ہر سال ہمارے لئے مسنون یا ضروری نہیں ہے۔

☆ معراج میں پچاس نمازیں امت مسلمہ پر فرض کی گئی تھیں، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے پر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے

تخفیف کا سوال کیا، چنانچہ دس نمازیں کم کردیں گئیں۔ آپ ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے پر اللہ تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کرتے رہے، یہاں تک کہ صرف پانچ نمازیں فرض باقی رہ گئیں۔ لیکن احادیث کی روشنی میں' پانچ نمازیں پڑھنے پر ان شاء اللہ پچاس ہی نماز پڑھنے کا ثواب ملے گا۔

☆ صرف نماز ہی دین اسلام کا ایک ایسا عظیم رکن ہے جسکی فرضیت' زمین پرنہیں بلکہ ساتوں آسمانوں کے اوپر ایک بلند وبالا مقام پر معراج کی رات میں ہوئی۔ نیز اس کا حکم حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ تک نہیں پہنچا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرضیتِ نماز کا تحفہ بذاتِ خود اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمایا۔

☆ معراج کے سفر میں آپ ﷺ کی جن جلیل القدر انبیاء کرام سے ملاقاتیں ہوئیں:

پہلے آسمان پر	حضرت آدم علیہ السلام سے۔
دوسرے آسمان پر	حضرت یحیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے۔
تیسرے آسمان پر	حضرت یوسف علیہ السلام سے۔
چوتھے آسمان پر	حضرت ادریس علیہ السلام سے۔
پانچویں آسمان پر	حضرت ہارون علیہ السلام سے۔
چھٹے آسمان پر	حضرت موسیٰ علیہ السلام سے۔
ساتویں آسمان پر	حضرت ابراہیم علیہ السلام۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض najeebqasmi@yahoo.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن۔

ماہِ شعبان اور شبِ برأت

اسلامی کیلنڈر کے مطابق شعبان المعظم آٹھواں مہینہ ہے جو رجب المرجب اور رمضان المبارک کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ احادیث کی روشنی میں بلاشبہ یہ ماہ بہت سی فضیلتوں کا حامل ہے، چنانچہ رمضان کے بعد آپ ﷺ سب سے زیادہ روزے اسی ماہ میں رکھتے تھے۔

☆ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رمضان کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی پورے مہینے کے روزہ رکھتے نہیں دیکھا، سوائے شعبان کے کہ اس کے تقریباً پورے دنوں میں آپ روزہ رکھتے تھے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد)
اسی مضمون کی ایک روایت ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے ترمذی میں مذکور ہے۔

☆ حضرت اسامہ بن زید ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ میں نے آپ ﷺ کو شعبان سے زیادہ کسی اور مہینے میں (نفلی) روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ رجب اور رمضان کے درمیان واقع ایک مہینہ ہے جس کی برکت سے لوگ غافل ہیں۔ اس ماہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ میرے اعمال اس حال میں پیش ہوں کہ میں روزہ سے ہوں۔ (نسائی، الترغیب والترھیب ص ۴۲۵، مسند احمد، ابوداؤد ۲۰۷۶)۔ محدثین کی ایک بڑی جماعت کی رائے ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

☆ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شعبان کے تقریباً مکمل مہینے میں روزہ رکھتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ کیا آپ کو شعبان کے روزہ بہت پسند ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سال انتقال کرنے والوں کے نام اس ماہ میں لکھ دیتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ میری موت کا فیصلہ اس حال میں ہو کہ میں روزہ سے ہوں۔ (رواہ ابویعلی وھو غریب واسنادہ حسن) الترغیب والترھیب، وذکر الامام الحافظ السیوطی فی "الدر المنثور".

☆ بعض دیگر احادیث میں شعبان کے آخری دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے تاکہ اس کی وجہ سے رمضان المبارک کے روزے رکھنے میں دشواری نہ ہو (بخاری، کتاب الصوم۔ مسلم، کتاب الصیام)۔

ان اور اس طرح کی متعدد احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ماہ شعبان بلاشبہ بہت سی فضیلتوں کا حامل ہے اور اس ماہ کے آخری دو تین دن کے علاوہ اس ماہ میں زیادہ سے زیادہ روزہ رکھنا چاہئے۔

اس ماہ کی پندرہویں رات کو شب برأت کہا جاتا ہے، جو۱۴ تاریخ کے سورج غروب ہونے سے شروع ہوتی ہے اور ۱۵ تاریخ کی صبح صادق تک رہتی ہے۔ شب برأت فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی: نجات پانے کی رات کے ہیں۔ چونکہ اس رات میں بے شمار گناہگاروں کی مغفرت کی جاتی ہے اس لئے اس شب کو شب برأت کہا جاتا ہے۔

اس رات کی فضیلت کے سلسلہ میں علماء کے درمیان زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے، لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس رات کی فضیلت کا بالکلیہ انکار کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ بعض مشہور ومعروف مفسرین (مثلاً حضرت عکرمہؒ) نے تو قرآن کی آیت ﴿اِنَّـآ اَنـزَلْنَاهُ فِی لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ اِنَّـا كُنَّـا مُنْذِرِيْنَ. فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ سورہ الدخان ۳۔۴﴾ سے مراد شعبان کی پندرہویں رات (شب برأت) لی ہے، اور ہر زمانے کے مشہور ومعروف مفسرین نے اپنی تفسیروں میں حضرت عکرمہؒ کی تفسیر کو ذکر کیا ہے۔ اگرچہ جمہور علماء کی رائے میں اس آیت سے مراد شب قدر ہے مگر قابل غور بات یہ ہے کہ اگر شب برأت کی کوئی حقیقت ہی نہ ہوتی تو مشہور ومعروف مفسرین اس آیت کی تفسیر میں حضرت عکرمہؒ کی تفسیر کا ذکر کیوں کرتے، بلکہ اس کی مخالفت کرتے۔ حضرت عکرمہؒ ان تابعین میں سے ہیں جنہوں نے بڑے بڑے صحابہ کرام خاص کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت میں رہ کر قرآن وحدیث کا علم حاصل کیا، اور قرآن وحدیث کے علم کا ایک وافر حصہ حضرت عکرمہؒ کے ذریعہ ہی امت مسلمہ کو پہونچا ہے۔

شب برأت کی فضیلت کے متعلق تقریباً ۱۷ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے احادیث مروی ہیں، جن میں سے بعض صحیح ہیں، جن کی صحت کا اعتراف شیخ محمد ناصر الدین البانیؒ جیسے محدث نے بھی کیا ہے، اگرچہ دیگر احادیث کی سند میں ضعف موجود ہے لیکن وہ کم از کم قابل استدلال ضرور ہیں اور احادیث کی اتنی بڑی تعداد کو رد کرنا درست نہیں ہے، نیز امت مسلمہ کا شروع سے اس پر معمول بھی چلا آرہا ہے۔ لہذا علم حدیث کے قاعدہ کے مطابق "اگر حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہو لیکن امت مسلمہ کا عمل اس پر چلا آرہا ہو تو اس حدیث کو بھی قوت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ قابل اعتبار قرار دی جاتی ہے" ان احادیث پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ نیز اس باب کی احادیث مختلف سندوں کے ساتھ وارد ہوئی ہیں اگرچہ بعض احادیث کی سند میں ضعف ہے لیکن علم حدیث کے قاعدہ کے مطابق ایک دوسرے سے تقویت لے کر یہ احادیث حسن لغیرہ بن جاتی ہیں جس کا اعتراف متعدد بڑے بڑے محدثین نے بھی کیا ہے۔

عقل سے بھی سوچیں کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ مختلف ملکوں اور مختلف شہروں میں رہنے والے حضرات نبی اکرم ﷺ کی طرف کسی ایک جھوٹی بات کو منسوب کرنے میں متفق ہوگئے، نیز سب نے شعبان کی ۱۵ تاریخ کو ہی کیوں اختیار کیا، کوئی دوسری تاریخ، یا کوئی دوسرا مہینہ کیوں اختیار نہیں کیا ؟؟؟

ان احادیث سے شب برأت میں کسی مستقل عمل کو ثابت نہیں کیا جارہا ہے، بلکہ اعمال صالحہ (مثلاً نماز فجر وعشاء کی ادائیگی، بقدر توفیق نوافل خاص کر نماز تہجد کی ادائیگی، قرآن کریم کی تلاوت، اللہ کا ذکر، اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی اور دعائیں) کے کرنے کی رغبت دی جارہی ہے، جن کا تعلق ہر رات سے ہے، اور ان اعمال صالحہ کا احادیث صحیحہ سے ثبوت بھی ملتا ہے، جس پر ساری امت متفق ہے۔

شب برأت بھی ایک رات ہے۔ شب برأت میں تھوڑا اہتمام کے ساتھ ان اعمال صالحہ کی ادائیگی کے لئے علماء محققین کی ایک بڑی جماعت کی رائے کے مطابق ۱۷ صحابہ کرام سے منقول احادیث ثبوت کے لئے کافی ہیں۔

﴿وضاحت﴾: اگر کچھ لوگوں نے غلط رسم ورواج اس رات میں شروع کردئے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر مضمون کے آخر میں آرہا ہے، تو اس کی بنیاد پر ان اعمال صالحہ کو اس رات میں کرنے سے روکا نہیں جاسکتا، بلکہ رسم ورواج کے روکنے کا اہتمام کرنا ہوگا، مثلاً عید الفطر کی رات یا دن میں لوگ ناچنے گانے لگیں تو سرے سے عید الفطر کا انکار نہیں کیا جائے گا، بلکہ غلط رسم ورواج کو روکنے کا مکمل اہتمام کیا جائے گا۔ نیز شادی کے موقع پر رسم ورواج اور بدعات کی وجہ سے نکاح ہی سے انکار نہیں کیا جائے گا بلکہ بدعات اور رسم ورواج کو روکنے کی کوشش کی جائے گی۔ اسی طرح موت کے وقت اور اس کے بعد کی بدعات وخرافات کو روکنے کی کوشش کی جائے گی نہ کہ تدفین ہی بند کردی جائے۔

شب برآت کی فضیلت سے متعلق چند احادیث :

☆ حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پندرہویں شب میں تمام مخلوق کی طرف تجلی فرماتا ہے اور ساری مخلوق کی سوائے مشرک اور بغض رکھنے والوں کے سب کی مغفرت فرماتا ہے۔ (صحیح ابن حبان، طبرانی،،،، وذكره الامام الحافظ السيوطى فى "الدر المنثور" عن البيهقى،،، وذكره الحافظ الهيثمى فى "مجمع الزوائد" ج٨ ص٦٥ وقال: رواه الطبرانى فى الكبير والاوسط ورجاله ثقات)۔

☆ اسی مضمون کی روایت حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مسند احمد (۱۷۶/۲) بھی مروی ہے (قاتل اور بغض رکھنے والوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرماتا ہے)، جس کو الحافظ الہیثمی نے "مجمع الزوائد ج۸ ص۶۵" میں صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس حدیث کو شیخ محمد ناصر الدین البانیؒ نے بھی صحیح قرار دیا ہے (السنۃ ص۲۲۴،، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ....ج ۳)۔

☆ اسی مضمون کی روایت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے ابن ماجہ (کتاب اقامۃ الصلاۃ ۱/۴۵۵) میں مروی ہے۔ اور اس حدیث کو شیخ محمد ناصر الدین البانیؒ نے بھی صحیح قرار دیا ہے (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ....ج۳ ص۱۳۵)۔

☆ اسی مضمون کی روایت حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ (رواہ البزار، وذکر الحافظ الہیثمی فی "مجمع الزوائد")۔

☆ اسی مضمون کی روایت حضرت ابوثعلبہ الخشنیؓ سے مروی ہے۔ (اخرجہ الطبرانی والبیہقی،،،، الدر المنثور للسیوطی)۔

☆ اسی مضمون کی روایت حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مروی ہے۔(اخرجہ البزار والبیہقی ،،،، مجمع الزوائد للہیثمی)۔

☆ اسی مضمون کی روایت حضرت عوف بن مالکؓ سے مروی ہے۔(اخرجہ البزار،،،، مجمع الزوائد للہیثمی)۔

☆ اسی مضمون کی روایت حضرت کثیر بن مرہؓ سے مرسلاً مروی ہے۔(اخرجہ البیہقی،حسن البیان للشیخ عبداللہ الغماری)۔

☆ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پندرہویں شب میں اللہ تعالی کی طرف سے آواز لگائی جاتی ہے کہ ہے کوئی مغفرت مانگنے والا کہ میں اس کے گناہوں کو معاف کروں، ہے کوئی سوال کرنے والا کہ میں عطا کروں۔۔ ہر سوال کرنے والے کو میں عطا کرتا ہوں،سوائے مشرک اور زنا کرنے والے کے۔
(اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان ۳/۳۸۳،،،، الدرالمنثور للسیوطی،،،، ذکرہ الحافظ ابن رجب فی اللطائف)۔

☆ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کو اپنے پاس نہ پایا تو میں آپ ﷺ کی تلاش میں نکلی۔ آپ ﷺ بقیع میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں ڈر تھا کہ اللہ اور اسکے رسول تم پر ظلم کریں گے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے گمان ہوا کہ آپ دیگر ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے ہوں گے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالی پندرہویں شعبان کی شب کو نچلے آسمان پر نزول فرماتا ہے اور قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد میں لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔ اور اس رات میں بے شمارے لوگوں کی مغفرت کی جاتی ہے مگر مشرک،عداوت کرنے والے، رشتہ توڑنے والے،تکبرانہ طور پر ٹخنوں سے نیچے کپڑا پہننے والے، والدین کی نافرمانی کرنے والے اور شراب پینے والے کی طرف اللہ تعالی کی نظر کرم نہیں ہوتی۔(مسند احمد ۶/۲۳۸، ترمذی(ابواب الصیام)،ابن ماجہ(کتاب اقامۃ الصلاۃ)،بیہقی،مصنف ابن ابی شیبہ،الترغیب والترھیب)

☆ حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب شعبان کی پندرہویں شب ہو تو اس رات میں قیام کرو اور اس دن روزہ رکھو، اس لئے کہ اللہ تعالی غروب آفتاب کے وقت سے سماء دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور کہتے ہیں: کیا کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کی مغفرت کروں؟ کیا کوئی رزق کا متلاشی ہے کہ میں اسے رزق عطا کروں؟ کیا کوئی مصیبت کا مارا ہے کہ میں اسکی مصیبت دور کروں؟ کیا کوئی ایسا ہے؟ کیا کوئی ایسا ہے؟ حتی کہ صبح صادق کا وقت ہو جاتا ہے۔ (اخرجہ ابن ماجہ(کتاب اقامۃ الصلاۃ)،والبیہقی فی شعب الایمان،،،، الدرالمنثور للسیوطی،الترغیب والترھیب للمنذری، لطائف المعارف للحافظ ابن رجب)

اس رات میں ان اعمال صالحہ کا خاص اہتمام:

۱۔ عشاء اور فجر کی نمازیں وقت پر ادا کریں۔

۲۔ بقدر توفیق نفل نمازیں خاص کر نماز تہجد ادا کریں۔

۳۔ اگر ممکن ہو تو صلاۃ التسبیح پڑھیں۔

۴۔ قرآن پاک کی تلاوت کریں۔

۵۔ کثرت سے اللہ کا ذکر کریں۔

۶۔ اللہ تعالی سے خوب دعائیں مانگیں، خاص کر اپنے گناہوں کی مغفرت چاہیں۔

۷۔ کبھی کبھی شب برأت میں قبرستان تشریف لے جائیں۔ اپنے اور میت کے لئے دعائے مغفرت کریں۔
لیکن ہر شب برأت میں قبرستان جانے کا خاص اہتمام کوئی ضروری نہیں ہے کیونکہ پوری زندگی میں نبی اکرم ﷺ سے صرف ایک مرتبہ اس رات میں قبرستان جانا ثابت ہے۔

﴿نوٹ﴾: شب برأت میں پوری رات جاگنا کوئی ضروری نہیں ہے، جتنا آسانی سے ممکن ہو عبادت کرلیں، لیکن یاد رکھیں کہ کسی شخص کو آپ کے جاگنے کی وجہ سے تکلیف نہیں ہونی چاہئے۔

پندرھویں تاریخ کا روزہ:

شب برأت کی فضیلت کے متعلق بہت سی احادیث موجود ہیں مگر شب برأت کے بعد آنے والے دن کے روزے کے متعلق صرف ایک ضعیف حدیث موجود ہے۔ لہذا ماہ شعبان میں صرف اور صرف پندرہویں تاریخ کے روزہ رکھنے کا بہت زیادہ اہتمام کرنا، یا اس دن روزہ نہ رکھنے والے کو کم تر سمجھنا صحیح نہیں ہے، البتہ ماہ شعبان میں کثرت سے روزے رکھنے چاہئیں۔

اس رات میں مندرجہ ذیل اعمال کا احادیث سے کوئی ثبوت نہیں ہے، لہذا ان اعمال سے بالکل دور رہیں:

۱۔ حلوا پکانا۔ (حلوا پکانے سے شب برأت کا دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہے)۔

۲۔ آتش بازی کرنا۔ (یہ فضول خرچی ہے، نیز اس سے دوسروں کے املاک کو نقصان پہنچنے کا بھی خدشہ ہے)۔

۳۔ اجتماعی طور پر قبرستان جانا۔

۴۔ قبرستان میں عورتوں کا جانا۔ (عورتوں کا کسی بھی وقت قبرستان جانا منع ہے)۔

۵۔ قبرستان میں چراغاں کرنا۔

۶۔ مختلف قسم کے ڈیکوریشن کا اہتمام کرنا۔

۷۔ عورتوں اور مردوں کا اختلاط کرنا۔

۸۔ قبروں پر چادر چڑھانا۔ (کسی بھی وقت قبروں پر چادر چڑھانا غلط ہے)۔

﴿نوٹ﴾: اس رات میں بقدر توفیق انفرادی عبادت کرنی چاہئے۔لہذا اجتماعی عبادتوں سے حتی الامکان اپنے آپ کو دور رکھیں، کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے اس رات میں اجتماعی طور پر کوئی عبادت کرنا ثابت نہیں ہے۔

جن گناہ گاروں کی اس بابرکت رات میں بھی مغفرت نہیں ہوتی ، وہ یہ ہیں:

☆ مشرک

☆ قاتل

☆ والدین کی نافرمانی کرنے والا

☆ بغض وعداوت رکھنے والا

☆ رشتہ توڑنے والا

☆ تکبرانہ طور پر ٹخنوں سے نیچے کپڑا پہننے والا

☆ شراب پینے والا

☆ زنا کرنے والے

لہذا ہم سب کو تمام گناہوں سے خاص کر ان مذکورہ کبیرہ گناہوں سے بچنا چاہئے۔

﴿وضاحت﴾: مضمون کی طوالت سے بچنے کے لئے صرف چند احادیث کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے، دیگر احادیث وعلماء اور محدثین کے اقوال پڑھنے کے لئے الشیخ عبدالحفیظ المکی صاحب کی عربی زبان میں کتاب "فضائل لیلۃ النصف من شعبان" کا مطالعہ کریں۔بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رات میں سال بھر کے فیصلے بھی ہوتے ہیں، لیکن ان تمام ہی احادیث کی سند میں ضعف موجود ہے، لیکن حضرت عکرمہؒ کی تفسیر کی روشنی میں قرآن کریم (سورہ الدخان ۳-۴) سے بھی یہی اشارہ ملے گا۔

خلاصۂ کلام: ماہِ شعبان کی فضیلت اور اس میں زیادہ سے زیادہ روزہ رکھنے کے متعلق امت مسلمہ متفق ہے، البتہ پندرہوں رات کی خصوصی فضیلت کے متعلق علماء، فقہاء اور محدثین کے درمیان زمانۂ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ علماء، فقہاء اور محدثین کی ایک بڑی جماعت کی رائے ہے کہ اس باب سے متعلق احادیث کے قابل قبول (حسن لغیرہ) اور امت مسلمہ کا عمل ابتداء سے اس پر ہونے کی وجہ سے اس رات میں انفرادی طور پر نفل نمازوں کی ادائیگی، قرآن کریم کی تلاوت، ذکر اور دعاؤں کا کسی حد تک اہتمام کرنا چاہئے۔ کسی کسی شب برات میں قبرستان بھی چلا جانا چاہئے۔ اس نوعیت سے اس رات میں عبادت کرنا بدعت نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے تمام نیک اعمال کو قبول فرمائے۔آمین۔

محمد نجیب سنبھلی قاسمی، ریاض najeebqasmi@yahoo.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ اَجْمَعِين۔

ماہِ ذی الحجہ کا پہلا عشرہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام (سورۃ الفجر ۲) میں ذی الحجہ کی دس راتوں کی قسم کھائی ہے جس سے معلوم ہوا کہ ماہ ذی الحجہ کا ابتدائی عشرہ، اسلام میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔ حج کا اہم رکن: وقوفِ عرفہ اسی عشرہ میں ادا کیا جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم کو حاصل کرنے کا دن ہے۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی عظیم قربانی کی یاد میں، اللہ تعالیٰ کے حکم پر جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے، جو قیامت تک جاری رہے گی، انشاء اللہ۔ غرض رمضان المبارک کے بعد یہ ایام اخروی کامیابی حاصل کرنے کا بہترین موقع ہے۔ لہٰذا ان ایام میں زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کریں، اللہ کا ذکر کریں، روزہ رکھیں، قربانی کریں۔ احادیث میں ان ایام میں عبادت کرنے کے خصوصی فضائل وارد ہوئے۔ جن میں سے بعض احادیث یہاں ذکر کی جارہی ہیں:

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ جس میں نیک عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں ان دس دنوں کے عمل سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو۔ (بخاری)

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک عشرۂ ذی الحجہ سے زیادہ عظمت والے دوسرے کوئی دن نہیں ہیں، لہٰذا تم ان دنوں میں تسبیح وتہلیل اور تکبیر وتحمید کثرت سے کیا کرو۔ (طبرانی) ان ایام میں، ہر شخص کو تکبیر تشریق پڑھنے کا خاص اہتمام کرنا چاہئے، تکبیر تشریق کے کلمات یہ ہیں:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَر اَللّٰهُ اَكْبَر وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

☆ حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عرفہ کے دن کے روزے کے متعلق، میں اللہ تعالیٰ سے پختہ امید رکھتا ہوں کہ وہ اس کی وجہ سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔ (مسلم)۔

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ عرفہ کے دن کا ایک روزہ ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کی معافی کا سبب بنتا ہے۔ لہٰذا 9 ذی الحجہ کے دن روزہ رکھنے کا اہتمام کریں۔

☆ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوجائے، اور تم میں سے جو قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔ (مسلم)۔

اس حدیث اور دیگر احادیث کی روشنی میں' قربانی کرنے والوں کے لئے مستحب ہے کہ ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک جسم کے کسی حصے کے بال اور ناخن نہ کاٹیں۔

☆ ام المؤمنین حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ نہیں اور قیامت کے دن قربانی کرنے والا اپنے جانور کے بالوں، سینگوں اور کھروں کو لے کر آئے گا۔ (اور یہ چیزیں اجروثواب کا سبب بنیں گی)۔ نیز فرمایا کہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرفِ قبولیت حاصل کرلیتا ہے، لہذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔ (ترمذی)۔

☆ حضرت زید بن ارقم ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: قربانی تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ تمہیں قربانی کے جانور کے ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی۔ (الترغیب والترھیب)۔

☆ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص قربانی کرنے کی وسعت رکھتا ہو، پھر بھی وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ میں حاضر نہ ہو۔ (الترغیب والترھیب)۔

﴿وضاحت﴾ جو شخص قربانی کرنے کی وسعت رکھتا ہے تو اسے قربانی کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔

قربانی کے جانور: اونٹ، اونٹنی، گائے، بیل، بھینس میں سات حصے، البتہ چھوٹے جانور یعنی بکرا، بکری وغیرہ میں ایک حصہ ہوتا ہے۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْن۔

ماہِ محرم الحرام اور عاشورہ کا روزہ

ماہِ محرم الحرام:

محرم الحرام ان چار مہینوں میں سے ایک ہے جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حرمت والے مہینے قرار دیے ہیں۔

حرمت والے مہینے یہ ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم الحرام اور رجب۔ ان مہینوں کو حرمت والا اس لئے کہتے ہیں کیونکہ ان میں ہر ایسے کام سے جو فتنہ وفساد، قتل و غارت اور امن وسکون کی خرابی کا باعث ہو، بالخصوص منع فرمایا گیا ہے۔ ان چار مہینوں کی حرمت وعظمت پہلی شریعتوں میں بھی مسلّم رہی ہے، حتی کہ زمانہ جاہلیت میں بھی ان چار مہینوں کا احترام کیا جاتا تھا۔

محرم الحرام سے ہجری سال کی ابتدا کیوں؟

محرم الحرام اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے، یعنی محرم سے ہجری سال کا آغاز، اور ذی الحجہ پر ہجری سال کا اختتام ہوتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی سال کی ابتداء ماہِ محرم الحرام سے ہی کیوں کی گئی؟ جبکہ نبی اکرم ﷺ کی ہجرت مدینہ منورہ کی طرف ماہِ ربیع الاول میں ہوئی تھی۔ جواب سے پہلے چند ایسے امور کا ملاحظہ فرمائیں جن کے متعلق تقریباً تمام مؤرخین متفق ہیں:

۱) ہجری سال کا استعمال نبی اکرم ﷺ کے عہد میں نہیں تھا، بلکہ حضرت عمر فاروق ؓ کے عہد خلافت میں صحابہ کرام کے مشورے کے بعد ۱۷ ہجری میں شروع ہوا۔

۲) ہجری سال کے کیلنڈر کا افتتاح اگرچہ حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانے میں ہوا تھا، مگر تمام بارہ اسلامی مہینوں کے نام اور ان کی ترتیب نہ صرف نبی اکرم ﷺ کے زمانے، بلکہ عرصہ دراز سے چلی آرہی تھی۔ اور ان بارہ مہینوں میں سے حرمت والے چار مہینوں (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم الحرام، رجب) کی تحدید بھی زمانۂ قدیم سے چلی آرہی تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں ارشاد فرماتا ہے: مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے اسی دن سے جب سے آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ (سورہ التوبہ ۳۶)

۳) اسلامی کیلنڈر (ہجری) کے افتتاح سے قبل عربوں میں مختلف واقعات سے سال کو موسوم کیا جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے عربوں میں مختلف کیلنڈر رائج تھے، اور ہر کیلنڈر کی ابتدا محرم الحرام سے ہی ہوتی تھی۔

اب جواب عرض ہے:

حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانۂ خلافت میں جب ایک نئے اسلامی کیلنڈر کو شروع کرنے کی بات آئی، تو صحابہ کرام نے اسلامی کیلنڈر کی ابتداء کو نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت یا نبوت یا ہجرتِ مدینہ سے شروع کرنے کے مختلف مشورے دئے۔ آخر میں صحابہ کرام کے مشورہ سے ہجرتِ مدینہ منورہ کے سال کو بنیاد بنا کر ایک نئے اسلامی کیلنڈر کا آغاز کیا گیا۔ یعنی ہجرت مدینہ منورہ سے پہلے تمام سالوں کو زیرو (Zero) کردیا گیا، اور ہجرتِ مدینہ منورہ کے سال کو پہلا سال تسلیم کرلیا گیا۔ رہی مہینوں کی ترتیب' تو اس کو عربوں میں رائج مختلف کیلنڈر کے مطابق رکھی گئی یعنی محرم الحرام سے سال کی ابتداء۔ غرض یہ ہے کہ عربوں میں محرم الحرام کا مہینہ قدیم زمانے سے سال کا پہلا ہی مہینہ رہتا تھا، لہذا اسلامی سال کو شروع کرتے وقت اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ اس طرح ہجرت مدینہ منورہ سے نیا اسلامی کیلنڈر تو شروع ہوگیا، مگر مہینوں کی ترتیب میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

عاشورہ :

محرم کی دسویں تاریخ کو عاشورہ کہا جاتا ہے، جس کے معنی ہیں دسواں دن۔ یہ دن اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت اور برکت کا حامل ہے۔ اِس دن کے مقدس ہونے کے مختلف اسباب بیان کئے جاتے ہیں جن میں سے کچھ صحیح ہیں، جبکہ بعض اسباب کی کوئی دلیل اور بنیاد نہیں ہے۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اِس دن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت وبرکت کے نزول کے لئے منتخب کیا ہے۔ اِسی دن بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ فرعون سے نجات دی تھی، اور فرعون اپنے لشکر کے ساتھ غرق ہوا تھا۔

اسی مبارک دن میں آپ ﷺ کی وفات کے تقریباً ۵۰ سال بعد ۶۱ ہجری میں نبی اکرم ﷺ کے چہیتے نواسے حضرت حسین ؓ اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ کربلا کے میدان میں شہید ہوئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات میں حضرت حسن ؓ اور حضرت حسین ؓ کے بے شمار فضائل ملتے ہیں مثلاً: حضرت حسن ؓ اور حضرت حسین ؓ جنت میں نوجوانوں کے سردار ہیں (ترمذی)۔ جو حضرت حسین ؓ سے محبت کرتا ہے اللہ اس سے محبت کرتا ہے (ترمذی)۔

عاشورہ کا روزہ:

جب تک رمضان کے روزہ فرض نہیں ہوئے تھے، اُس وقت تک عاشورہ کا روزہ رکھنا فرض تھا، بعد میں جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کے روزہ کی فرضیت تو منسوخ ہوگئی، مگر حضورِ اقدس ﷺ نے اس دن روزہ رکھنے کو سنت اور مستحب قرار دیا۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ جو شخص عاشورہ کے دن کا روزہ رکھے گا تو اس کے پچھلے ایک سال کے گناہ کا کفارہ ہوجائیگا۔ (صحیح مسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ماہِ رمضان کے بعد افضل ترین روزے اللہ کے مہینے ماہِ محرم الحرام کے روزے ہیں۔ (مسلم)

حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں جب بھی عاشورہ کا دن آتا، آپ ﷺ روزہ رکھتے، لیکن وفات سے پہلے جو عاشورہ کا دن آیا تو آپ ﷺ نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ۱۰ محرم کو ہم بھی روزہ رکھتے ہیں اور یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے اُن کے ساتھ ہلکی سے مشابہت پیدا ہوجاتی ہے اِس لئے اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو صرف عاشورہ کا روزہ نہیں رکھوں گا بلکہ اس کے ساتھ ایک اور روزہ ۹ یا ۱۱ محرم الحرام کو رکھوں گا تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت ختم ہوجائے۔ لیکن اگلے سال عاشورہ کا دن آنے سے پہلے ہی حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوگیا اور آپ کو اس پر عمل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد کی روشنی میں صحابہ کرام نے عاشورہ کے روزہ کے ساتھ ۹ یا ۱۱ محرم الحرام کا ایک روزہ ملا کر رکھنے کا اہتمام فرمایا، اور اسی کو مستحب قرار دیا اور صرف عاشورہ کا روزہ رکھنا خلافِ اولی قرار دیا۔ یعنی اگر کوئی شخص صرف عاشورہ کا روزہ رکھ لے تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا بلکہ اس کو عاشورہ کا ثواب ملے گا لیکن چونکہ آپ ﷺ کی خواہش ۲ روزے رکھنے کی تھی اس لئے اس خواہش کی تکمیل میں بہتر یہی ہے کہ ایک روزہ اور ملا کر دو روزے رکھے جائیں۔

اس طرح عاشورہ کے روزے رکھنے کی ۴ شکلیں بنتی ہیں:

۱) ۹ ، ۱۰ اور ۱۱ تینوں دن روزے رکھ لیں۔

۲) ۹ اور ۱۰ دو دن روزہ رکھ لیں۔

۳) ۱۰ اور ۱۱ دو دن روزہ رکھ لیں۔

۴) اگر کسی وجہ سے ۲ روزے نہیں رکھ سکتے تو صرف ایک روزہ عاشورہ کے دن رکھ لیں۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم وَعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن.

﴿ خواتین کے خصوصی مسائل ﴾

۱۔ حیض ونفاس کے مسائل:

شریعت اسلامیہ میں حیض اُس خون کو کہتے ہیں جو عورت کے رحم (بچہ دانی) کے اندر سے متعینہ اوقات میں بغیر کسی بیماری کے نکلتا ہے۔ چونکہ یہ خون تقریباً ہر ماہ آتا ہے، اس لئے اس کو ماہواری (MC) بھی کہتے ہیں۔ اس خون کو اللہ تعالیٰ نے تمام عورتوں کے لئے مقدر کردیا ہے۔ حمل کے دوران یہی خون بچہ کی غذا بن جاتا ہے۔ لڑکی کے بالغ ہونے (۱۲۔۱۳ سال کی عمر) سے تقریباً ۵۰۔۵۵ سال کی عمر تک یہ خون عورتوں کو آتا رہتا ہے۔ حیض کی کم از کم، اور زیادہ سے زیادہ مدت کے متعلق علماء کی رائے متعدد ہیں، البتہ عموماً اس کی مدت ۳ دن سے ۱۰ دن تک رہتی ہے۔

نفاس اُس خون کو کہتے ہیں جو رحم مادر سے بچہ کی ولادت کے وقت اور ولادت کے بعد خارج ہوتا ہے۔ نفاس کی کم از کم مدت کی کوئی حد نہیں ہے، (ایک دو روز میں بھی بند ہوسکتا ہے) اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت ۴۰ دن ہے۔ (مسلم، ابوداود، ترمذی) لہذا ۴۰ دن سے پہلے جب بھی عورت پاک ہوجائے، یعنی اس کا خون آنا بند ہوجائے، تو وہ غسل کرکے نماز شروع کردے۔ خون بند ہوجانے کے بعد بھی ۴۰ دن تک انتظار کرنا اور نماز وغیرہ سے رکے رہنا' غلط ہے۔

حیض یا نفاس والی عورتوں کے لئے مندرجہ ذیل امور ناجائز ہیں :

A) ان دونوں حالت میں صحبت کرنا۔ (سورۃ البقرہ ۲۲۲) البتہ ان ایام میں سوائے مجامعت کے ہر جائز شکل میں استمتاع کیا جاسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : سوائے مجامعت (ہم بستری) کے ہر کام کرسکتے ہو (مسلم)

B) نماز اور روزہ کی ادائیگی۔ (مسلم) حیض سے پاک وصاف ہوجانے کے بعد عورت روزے کی قضا کرے گی، لیکن نماز کی قضا نہیں کرے گی۔ (بخاری ومسلم) نماز روزہ میں فرق کی وجہ اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔ پھر بھی علماء کرام نے لکھا ہے کہ نماز ایسا عمل ہے جس کی بار بار تکرار ہوتی ہے، لہذا ممکن ہے کہ مشقت اور پریشانی سے بچنے کے لئے اس کی قضا کا حکم نہیں دیا گیا، لیکن روزہ کا معاملہ اس کے برعکس ہے (سال میں صرف ایک مرتبہ اس کا وقت آتا ہے)، لہذا روزہ کی قضا کا حکم دیا گیا۔

C) قرآن کریم بغیر کسی حائل (کپڑے) کے چھونا۔ قرآن کریم کو صرف پاکی کی حالت میں ہی چھوا جاسکتا ہے، لہذا ناپاکی کے ایام میں عورت کسی کپڑے مثلاً باہری غلاف کے ساتھ ہی قرآن کو چھوئے۔ (سورہ الواقعہ ۷۹، نسائی)

D) بیت اللہ کا طواف کرنا۔(بخاری و مسلم) البتہ سعی (صفامروہ پر دوڑنا) ناپاکی کی حالت میں کی جاسکتی ہے۔ (بخاری)

E) مسجد میں داخل ہونا۔ (ابوداؤد) اگر عورت مسجد حرام یا کسی دوسری مسجد میں ہے اور ناپاکی کا وقت شروع ہو گیا تو عورت کو چاہئے کہ فوراً مسجد سے باہر نکل جائے، البتہ صفا مروہ یا مسجد حرام کے باہر صحن میں کسی جگہ بیٹھ سکتی ہے۔

F) بغیر چھوئے قرآن کریم کی تلاوت کرنا۔ (ابوداؤد) اس سلسلہ میں علماء کی رائے مختلف ہیں، البتہ تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ ان ایام میں قرآن کریم کی تلاوت بغیر دیکھے بھی نہ کی جائے۔ البتہ قرآن کریم میں وارد اذکار اور دعائیں ان ایام میں پڑھی جاسکتی ہیں۔

﴿ نوٹ ﴾

☆ میاں بیوی کا حیض کی حالت میں صحبت کرنا، اور پیچھے کے راستے کو کسی بھی وقت اختیار کرنا حرام ہے۔

☆ حیض (ماہواری۔MC) کو وقتی طور پر روکنے والی دوائیں استعمال کرنے کی شرعاً گنجائش ہے۔

☆ حیض یا نفاس والی عورت کا خون جس نماز کے وقت شروع ہوا، اگر خون شروع ہونے سے قبل نماز کی ادائیگی نہ کر سکی تو پھر اس نماز کی قضا اس پر واجب نہیں ہے۔ البتہ جس نماز کے وقت میں خون بند ہوگا، غسل کرکے اس نماز کی ادائیگی اس کے ذمہ ہوگی۔

۲۔ استحاضہ کے مسائل:

حیض یا نفاس کے علاوہ بیماری کی وجہ سے بھی عورت کو کبھی کبھی خون آجاتا ہے جسکو استحاضہ کہا جاتا ہے۔اس بیماری کے خون (استحاضہ) کے نکلنے سے وضو تو ٹوٹ جاتا ہے، مگر نماز اور روزہ کی ادائیگی اس عورت کے لئے معاف نہیں ہے۔ نیز ان بیماری کے ایام میں صحبت بھی کی جاسکتی ہے۔ (ابوداؤد، نسائی)

﴿ نوٹ ﴾

☆ اگر کسی عورت کو بیماری کا خون ہر وقت آنے لگے یعنی خون کے قطرے ہر وقت نکل رہے ہیں کہ تھوڑا سا وقت بھی نماز کی ادائیگی کے لئے نہیں مل پا رہا ہے تو اس کا حکم اس شخص کی طرح ہے جس کو ہر وقت پیشاب کے قطرات گرنے کی بیماری ہو جائے کہ وہ ایک وقت کے لئے وضو کرے اور اس وقت میں جتنی چاہے نماز پڑھے، قرآن کی تلاوت کرے، دوسری نماز کا وقت شروع ہونے پر اس کو دوسرا وضو کرنا ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

۳۔ مانع حمل کے ذرائع کا استعمال :

شریعت اسلامیہ نے اگرچہ نسلوں کو بڑھانے کی ترغیب دی ہے، لیکن پھر بھی ایسے اسباب اختیار کرنے کی اجازت دی ہے جس سے وقتی طور پر حمل نہ ٹھہرے، مثلاً دواؤں یا کنڈوم کا استعمال، یا عزل کرنا (منی کو شرمگاہ کے باہر نکالنا)۔ (بخاری)

٤۔ اسقاط حمل (Abortion):

☆ اگر حمل ٹھہر جائے تو اسقاط حمل جائز نہیں ہے۔ (سورہ بنی اسرائیل ۳۱، سورہ الانعام ۱۵۱)

☆ البتہ شرعی وجہ جواز پائے جانے کی صورت میں بہت بھی نہایت محدود دائرہ میں حمل کا اسقاط جائز ہے۔

☆ چار مہینے مکمل ہو جانے کے بعد حمل کا اسقاط بالکل حرام ہے، کیونکہ وہ ایک جان کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔

☆ اگر کسی وجہ سے حمل کے برقرار رہنے سے ماں کی جان کو خطرہ ہو جائے تو ماں کی زندگی کو بچانے کے لئے چار ماہ کے بعد بھی اسقاط حمل جائز ہے۔ یہ محض دو ضرر میں سے بڑے ضرر کو دور کرنے، اور دو مصلحتوں میں سے بڑی مصلحت کو حاصل کرنے کی لئے اجازت دی گئی ہے۔

٥۔ رضاعت (دودھ پلانے) سے حرمت کا مسئلہ:

اگر کوئی عورت کسی دو سال سے کم عمر کے بچے کو اپنا دودھ پلا دے تو وہ دونوں ماں بیٹے کے حکم میں ہو جاتے ہیں، لیکن قرآن وحدیث کی روشنی میں' جمہور علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رضاعت (دودھ پلانے) کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے بچے نے دودھ پیا ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ جن عورتوں کا ارادہ' دودھ پلانے کی مدت پوری کرنے کا ہے، وہ اپنی اولاد کو دو سال مکمل دودھ پلائیں۔(سورہ البقرہ ۲۳۳)

نیز نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: رضاعت سے حرمت صرف اسی وقت ثابت ہوتی ہے جب کہ رضاعت (دودھ پلانا) دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے ہو۔(ترمذی) یعنی دودھ پلانے سے ماں بیٹے کا رشتہ اسی وقت ہوگا جبکہ دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے بچے کو دودھ پلایا جائے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: حدیث صحیح ہے اور صحابہ کرام کا عمل بھی یہی تھا کہ رضاعت سے حرمت اسی وقت ثابت ہوگی جب دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے بچے نے دودھ پیا ہو۔ دودھ چھڑانے کی مدت کے بعد کسی مرد کو دودھ پلانے سے کوئی حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ (ترمذی)۔

امام ابوحنیفہؒ نے اگرچہ ڈھائی سال تک بچے کو دودھ پلانے کی گنجائش رکھی ہے، البتہ علماء احناف کا فتویٰ دو سال تک ہی دودھ پلانے کا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کا دودھ پی لے تو اس سے نکاح پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، البتہ ایسا کرنے سے بچنا چاہئے۔ صحابہ کرام کے زمانے سے آج تک' امت مسلمہ کے %99.99 محدثین، مفسرین، مفکرین، فقہا، نیز چاروں امام اور جمہور علماء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ کسی مرد کو عورت کا دودھ پلانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے، یعنی دونوں کے درمیان کسی بھی شکل میں ماں بیٹے کا رشتہ نہیں بن سکتا ہے، اس کے لئے بنیادی شرط ہے کہ دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے بچے کو دودھ پلایا جائے۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض (najeebqasmi@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلام عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم وَعَلیٰ آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْن.

اسلام اور ضبط ولادت (Birth Control in Islam)

جناب غوث قادری صاحب   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،،،

قرآن وحدیث سے اچھی طرح واقفیت کی صورت میں آپ موضوع بحث مسئلہ میں اپنی رائے ضرور تحریر کر سکتے ہیں۔ مگر آپ نے اصل موضوع سے ہٹ کر علماء کرام کو برا بھلا کہنا شروع کردیا، جس کی وجہ سے دلی تکلیف ہوئی۔ آپ کو اپنی رائے پیش کرنے کا ضرور حق حاصل ہے، مگر کسی بھی عالم سے خواہ وہ کسی بھی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہو، اس طرح مخاطب ہونا، ایک تعلیم یافتہ شخص کے لئے زیب نہیں دیتا۔

آپ کے مراسلہ کی تحریر کا گرا ہوا معیار دیکھ کر چند احباب نے مجھے مشورہ دیا کہ ایسے حضرات سے الجھنا صرف وقت کا ضائع کرنا ہے کیونکہ آپ کی تحریر کا انداز اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ مسئلہ کا سمجھنا اور سمجھانا مقصود نہیں بلکہ خلفشاری پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ فوراً اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو یاد کیا: ﴿وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَاماً﴾ (سورہ الفرقان ٦٣) یعنی اہل ایمان‘ اہل جہالت واہل سفاہت سے الجھتے نہیں ہیں بلکہ ایسے موقعوں پر اعراض وگریز کی پالیسی اختیار کرتے ہیں اور بے فائدہ بحث نہیں کرتے۔

غرضیکہ خالق کائنات کے فرمان کے مطابق جو دنیا کے ذرہ ذرہ سے واقف ہے، ہر زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے جو بلاوجہ بحث ومباحثہ میں لوگوں کو پھنسا کر دیگر اہم وضروری کاموں سے روکنے کی مذموم کوشش کریں گے--- لہذا باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آپ کے ہر ہر لفظ کا منہ توڑ جواب تحریر کرسکتا ہوں، اپنے بڑوں کے مشورہ پر جناب والا سے مخاطب ہونے کے سلسلہ کو یہیں ختم کرتا ہوں۔ والسلام----

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دیگر دینی بھائیو!

قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ ضبط ولادت (Birth Control) پر ایک تفصیلی مضمون انگریزی میں تحریر کرچکا ہوں، مگر بعض شک وشبہات کو دور کرنے کے لئے چند سطریں مزید تحریر کررہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ ضبط ولادت کو سمجھنے والا بنائے۔

اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر آج تک تمام مفسرین، محدثین، فقہاء، دانشور اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اگر میاں بیوی دو یا تین سے زیادہ بچے رکھنے کی خواہش رکھتے ہیں تو ان کو ایک یا دو بچے رکھنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ حضور اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق اولاد کی کثرت مطلوب ہے، جیسا کہ انگریزی کے مضمون میں مکمل حوالوں کے ساتھ احادیث تحریر کرچکا ہوں اور ان احادیث کے صحیح ہونے پر تقریباً تمام ہی مکاتب فکر کے علماء متفق ہیں، نیز نبی اکرم ﷺ سے کسی ایک موقع پر بھی بچوں کو کم پیدا کرنے کی کوئی ترغیب دور دور تک کہیں نہیں ملتی حالانکہ نبی اکرم ﷺ اپنی امت کے لئے بہت زیادہ شفیق اور رحم کرنے والے تھے، بلکہ آپ ﷺ نے اپنے عمل سے بھی امت مسلمہ کو زیادہ بچے کرنے کی ترغیب دی کہ آپ ﷺ کی چار لڑکیاں اور تین لڑکے پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ کے سامنے صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کے آپ ﷺ سے بھی زیادہ بچے پیدا ہوئے لیکن آپ ﷺ نے کسی ایک صحابی کو ایک مرتبہ بھی یہ نہیں کہا کہ اب بس کرو، اور ان ہی کی تربیت کرلو، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا اصل وبنیادی مقصد لوگوں کی تربیت ہی تھا۔ معلوم ہوا کہ کثرت اولاد بچوں کی بہترین تربیت سے مانع نہیں ہے، اگر ہے تو حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو کثرت اولاد سے کیوں نہیں روکا؟ حضور اکرم ﷺ کی زندگی نہ صرف صحابہ کرام کے لئے موڈل ہے بلکہ

قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے بہترین اسوہ (نمونہ) ہے۔

ایک مغالطہ کا ازالہ: اس زمانے میں ضبط ولادت پر زیادہ تر عمل شہروں میں اور مالداروں میں ہورہا ہے، جس سے ان کے بچے بظاہر خوشحال نظر آتے ہیں جس کو دیکھ کر مغربی تہذیب سے متاثر لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ کم بچوں کے ہونے کا نتیجہ ہے، حالانکہ یہ ضبط ولادت کا نتیجہ نہیں بلکہ وہ تو پہلے سے ہی خوشحال تھے۔ اگر کم اولاد کی وجہ سے خوشحالی آئی ہوتی تو دیہات میں کسی غریب شخص کے ایک یا دو بچے ہونے کی صورت میں اس شخص کی زندگی کا معیار ان شہروالوں اور مالداروں کی طرح یا ان سے زیادہ بہتر ہوجاتا جن کے دو سے زیادہ بچے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ کم بچے خوشحالی کا یقینی ذریعہ نہیں ہے۔

اسلام میں بہترین تربیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لڑکا ڈاکٹر یا انجینئر بن جائے خواہ وہ اسلام کی بنیادی تعلیم سے واقف ہو یا نہ ہو۔ اسلامی تربیت کے لئے اسلام کے بنیادی احکام سے واقفیت اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے خواہ وہ ڈاکٹر ہو یا انجینئر، کسی یونیورسٹی کا پروفیسر ہو یا کسی دیہات میں قاعدہ بغدادی پڑھانے والا، بڑا تاجر ہو یا سبزی فروش۔

ضبط ولادت (Birth Control) کے سلسلہ میں زمانہ قدیم سے علماء، فقہاء اور مفکرین کی تین رائے چلی آرہی ہیں:

۱) ضبط ولادت کی بالکل اجازت نہیں ہے۔ اس کی دلیل کے لئے سورہ انعام کی ۱۵۱ ویں آیت پیش کی جاتی ہے۔

۲) ضبط ولادت کی گنجائش ہے، یعنی اگر کوئی شخص مانع حمل کے اسباب اختیار کرنا چاہے تو جائز ہے، کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے بعض صحابہ کرام کو عزل کرنے (ضبط ولادت کا ایک طریقہ) سے منع نہیں فرمایا۔ (بخاری)

۳) ضبط ولادت مفلسی کے ڈر سے حرام ہے یعنی یہ سوچ کر کہ ہمارے بچوں کو کون کھلائے گا۔۔۔ لیکن دیگر صورتوں میں جائز ہے۔

﴿نوٹ﴾: Abortion کی اجازت نہیں ہے۔ ہاں اگر ماں کی جان کو خطرہ ہوجائے تب Abortion کرایا جاسکتا ہے۔

ضبط ولادت کی تحریک کی ابتداء ۱۷۹۸ء میں یورپ کے مشہور ماہر معاشیات مالتھوس (Malthus) نے شروع کی تھی۔ جس کے غلط نتائج سامنے آئے اور آرہے ہیں جس کا تفصیلی تجزیہ مولانا مودودیؒ نے اپنی کتاب (اسلام اور ضبط ولادت) میں کیا ہے۔ جس کا اعتراف خود مستشرقین نے کیا ہے اور کررہے ہیں۔ کتاب کا انگریزی ترجمہ Attach کررہا ہوں، جبکہ اردو کتاب اس link پر پڑھی جاسکتی ہے۔

http://tazkeer.org/scan/?itemid=3049&title=Islam+aur+Zabt-e-Wiladat+%28Birth+Control+In+Islam+%29

مولانا مودودیؒ نے اس ۱۵۹ صفحات پر مشتمل کتاب کے ذریعہ امت مسلمہ کو یہی دعوت دی ہے کہ ضبط ولادت (Birth Control) مغربی تہذیب کی دین ہے، اور ضبط ولادت کی موجودہ شکل اسلامی روح کے خلاف ہے۔

آج سے تقریباً ۲۵ سال پہلے تک ہمارے معاشرہ میں ضبط ولادت پر کوئی خاص عمل نہیں تھا۔ اب ہمارے معاشرہ میں خاص کر شہروں میں اس کا رواج شروع ہوگیا ہے، حتی کہ مغرب سے متاثر بعض لوگ رسول اکرم ﷺ کی خواہش کے برخلاف زیادہ بچے پیدا کرنے کو غلط قرار دینے لگے ہیں، اور اس کے لئے ایسے ایسے عقلی دلائل پیش کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اب تک سارے انسان ایک بڑی غلطی کے مرتکب تھے۔

﴿خلاصہ کلام﴾: آپ کے لئے شرعاً اجازت ہے کہ آپ وقتی طور پر مانع حمل کے اسباب اختیار کرکے دو یا تین بچوں پر اس سلسلہ کو موقوف کرسکتے ہیں۔ مگر کوئی شخص زیادہ بچے رکھنا چاہے تو آپ اسے حقارت کی نگاہ سے نہیں بلکہ عزت کی نگاہوں سے دیکھیں۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض (najeebqasmi@yahoo.com)

Dear Brothers,

Assalamualaikum Warahmatullah,

Though I have cleared my and Ulamas` stand on the ongoing issue (Birth Control in Islam), but after reading some letters, it is my religious obligation to clarify this topic in detail:

The responsibility of Rizq for us and all the creatures is on Allah as He Himself has said in the Quran many times, though He has asked us to work as a mean of Rizq because Dunya is Darul Asbab, some of His such sayings are :

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الأَرْضِ إِلاَّ عَلَى اللهِ رِزْقُهَا (سورة الهود 6)

ولا تقتلوا أولادكم خشية إملاق نحن نرزقهم وإياكم إنَّ قتلهم كان خطئاً كبيراً (سورة الإسراء: 31)

ولا تقتلوا أولادكم من إملاق، نحن نرزقكم وإياهم (سورة الأنعام: 151)

It is clear from several Qurani Aayat and Ahadeeth that we are only the mean of Rizk for our children and not the sustainer. We can try to solve the family and other issues, but it is Allah who solves all the issues.

From the beginning of Islam till now all the Mufassirin, Muhaddisin, Fuqaha, Mufakkerin and Ulama are agree in the light of the Quran and Hadeeth that if someone wants to have more children, he could not be incited to have less children.

Allah Taala says in the Quran that one can marry two, three and four women with a condition that he should be just with all wives. When we will have more than one wife it will ultimately increase the number of children.

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً (سورة النساء: 3)

The Shariah has allowed us to have less children as it is narrated in Bukhari that some Sahabas said we were doing Azl (to discharge the semen outside) and the Quran was still revealing on the Prophet and he has not prohibited us from doing Azl… The Sahabas who were doing Azl were having many children and not one or two, as the Islamic history books are filled with this information.

The Shariah has not incited us to have less children rather our beloved Prophet, who is ardently desirous of our welfare and is tender and merciful to us, as Allah has said:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (سورة التوبة 128)

But he has incited and asked us to have more children as he has said:

تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأمم يوم القيامة

Marry the women who love you much and bear more children as I will be proud of a large Ummah on the Day of Judgement. When Sahaba asked how we will know that this particular woman will bear more children, the Prophet said see her mother and grandmother.

All the schools of thought is agree that this hadeeth is Saheeh. Following is the reference of this hadeeth.

----

1 - جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال إني أصبت امرأة ذات حسب وجمال وإنها لا تلد أفأتزوجها قال لا ثم أتاه الثانية فنهاه ثم أتاه الثالثة فقال تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأمم

الراوي: معقل بن يسار المحدث: أبو داود - المصدر: سنن أبي داود - الصفحة أو الرقم: 2050
خلاصة حكم المحدث: سكت عنه [وقد قال في رسالته لأهل مكة كل ما سكت عنه فهو صالح]

----

2 - تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأمم يوم القيامة
الراوي: أنس بن مالك المحدث: ابن حبان - المصدر: المقاصد الحسنة - الصفحة أو الرقم: 198
خلاصة حكم المحدث: [صحيح]

----

3 - جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال إني أصبت امرأة ذات حسب وجمال ، وإنها لا تلد ، أفأتزوجها ؟ قال : لا ثم أتاه الثانية فنهاه ، ثم أتاه الثالثة فنهاه فقال : تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأمم
الراوي: معقل بن يسار المحدث: عبد الحق الإشبيلي - المصدر: الأحكام الصغرى - الصفحة أو الرقم: 606
خلاصة حكم المحدث: [أشار في المقدمة أنه صحيح الإسناد]

----

4 - جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله إني أصبت امرأة ذات حسب ومنصب ومال إلا أنها لا تلد أفأتزوجها فنهاه ثم أتاه الثانية فقال له مثل له ذلك ثم أتاه الثالثة فقال له تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأمم
الراوي: معقل بن يسار المحدث: المنذري - المصدر: الترغيب والترهيب - الصفحة أو الرقم: 94/3
خلاصة حكم المحدث: [إسناده صحيح أو حسن أو ما قاربهما]

----

5 - تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأمم يوم القيامة
الراوي: - المحدث: ابن كثير - المصدر: تفسير القرآن - الصفحة أو الرقم: 15/2
خلاصة حكم المحدث: ثابت

----

6 - تزوجوا الودود الولود .
الراوي: معقل بن يسار المزني المحدث: العراقي - المصدر: تخريج الإحياء - الصفحة أو الرقم: 53/2
خلاصة حكم المحدث: إسناده صحيح

----

7 - كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمر بالباءة وينهى عن التبتل نهيا شديدا ويقول تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأنبياء يوم القيامة
الراوي: أنس المحدث: الهيثمي - المصدر: مجمع الزوائد - الصفحة أو الرقم: 261/4
خلاصة حكم المحدث: إسناده حسن

----

8 - تزوجوا الودود الولود ، فإني مكاثر بكم يوم القيامة
الراوي: أنس بن مالك المحدث: ابن حجر العسقلاني - المصدر: فتح الباري لابن حجر - الصفحة أو الرقم: 13/9
خلاصة حكم المحدث: صحيح

----

9 - تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم يوم القيامة
الراوي: أنس المحدث: السفاريني الحنبلي - المصدر: كشف اللثام - الصفحة أو الرقم: 245/5
خلاصة حكم المحدث: صحيح

----

10 - تزوجوا الودود الولود ، فإني مكاثر بكم الأمم يوم القيامة
الراوي: - المحدث: أحمد شاكر - المصدر: عمدة التفسير - الصفحة أو الرقم: 359/1
خلاصة حكم المحدث: [أشار في المقدمة إلى صحته]
----
11 - تزوجوا الولود الودود ؛ فإني مكاثر بكم الأمم يوم القيامة
الراوي: - المحدث: ابن باز - المصدر: مجموع فتاوى ابن باز - الصفحة أو الرقم: 8/423
خلاصة حكم المحدث: صحيح
----
12 - تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأمم
الراوي: عبدالله بن عمر المحدث: الألباني - المصدر: السلسلة الصحيحة - الصفحة أو الرقم: 498/5
خلاصة حكم المحدث: إسناده جيد
----
13 - تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأمم يوم القيامة
الراوي: أنس بن مالك المحدث: الألباني - المصدر: إرواء الغليل - الصفحة أو الرقم: 1784
خلاصة حكم المحدث: صحيح
----
14 - تزوجوا الودود الولود ؛ فإني مكاثر بكم الأنبياء يوم القيامة
الراوي: أنس بن مالك المحدث: الألباني - المصدر: التعليقات الرضية - الصفحة أو الرقم: 2/137
خلاصة حكم المحدث: إسناده حسن
----
15 - جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال إني أصبت امرأة ذات حسب وجمال وإنها لا تلد أفأتزوجها قال لا ثم أتاه الثانية فنهاه ثم أتاه الثالثة فقال تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأمم
الراوي: معقل بن يسار المزني المحدث: الألباني - المصدر: صحيح أبي داود - الصفحة أو الرقم: 2050
خلاصة حكم المحدث: حسن صحيح

----
16 - تزوجوا الودود الولود ، فإني مكاثر بكم الأمم .
الراوي: معقل بن يسار المزني المحدث: الألباني - المصدر: صحيح الترغيب - الصفحة أو الرقم: 1921
خلاصة حكم المحدث: حسن صحيح
----
17 - تزوجوا الودود الولود ؛ فإني مكاثر بكم
الراوي: معقل بن يسار المزني المحدث: الألباني - المصدر: صحيح الجامع - الصفحة أو الرقم: 2940
خلاصة حكم المحدث: صحيح
----
18 - تزوجوا الودود الولود ، فإني مكاثر بكم الأمم .
الراوي: معقل بن يسار المزني المحدث: الألباني - المصدر: آداب الزفاف - الصفحة أو الرقم: 60
خلاصة حكم المحدث: صحيح
----
19 - تزوجوا الودود الولود ، فإني مكاثر بكم الأنبياء يوم القيامة .

الراوي: أنس بن مالك المحدث: الألباني - المصدر: آداب الزفاف - الصفحة أو الرقم: 17
خلاصة حكم المحدث: إسناده حسن وله شواهد
----
20 - تزوجوا الودود ؛ الولود ؛ فإني مكاثر بكم الأمم
الراوي: معقل بن يسار المزني المحدث: الألباني - المصدر: تخريج مشكاة المصابيح - الصفحة أو الرقم: 3027
خلاصة حكم المحدث: صحيح لغيره
----
21 - جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فقال : إني أصبت امرأة ذات حسب ومنصب ، إلا أنها لا تلد ، أفأتزوجها ؟ ! فنهاه ، ثم أتاه الثانية ، فنهاه ، ثم أتاه الثالثة ، فنهاه ، فقال : تزوجوا الولود الودود ، فإني مكاثر بكم
الراوي: معقل بن يسار المزني المحدث: الألباني - المصدر: صحيح النسائي - الصفحة أو الرقم: 3227
خلاصة حكم المحدث: حسن صحيح
----
22 - جاء رجل إلى النبي - صلى الله عليه وعلى آله وسلم – فقال : إني أصبت امرأة ذات جمال وحسب وأنها لا تلد، أفأتزوجها قال : لا ثم أتاه الثانية فنهاه ثم أتاه الثالثة فقال : تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأمم .
الراوي: معقل بن يسار المزني المحدث: الوادعي - المصدر: الصحيح المسند - الصفحة أو الرقم: 1143
خلاصة حكم المحدث: صحيح

From the beginning of Islam till now all the Mufassirin, Muhaddisin, Fuqaha, Mufakkerin and Ulama are having the opinion in the light of Prophet`s saying, that one cannot incite a person who wants more children to have less children.

Our brother Mr. Ghouse Qadri is deciding by his mentality while clear Hadeeth is present in this regard at the same time the Shariah has given a secondary position to the mentality. If the Qurani Ayat or Hadeeth is present regarding any issue we are not supposed to use our mental power.

Anyone who is saying against the Ulamas should remember what Allah says about Ulamas:
إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (سورة الفاطر 28)
Verily the Ulamas fear more Allah from amongst His slaves.
In the light of this very Ayat of the Quran we can say that Ulamas are more God-fearing than general people.

The Prophet has said that who does not respect our Ulamas is not from my Ummat as it is cleared from the following:

عن عبادة بن الصامت رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:(ليس من أمتي من لم يجل كبيرنا ويرحم صغيرنا ويعرف لعالمنا حقه) رواه أحمد والحاكم وقال العلامة الألباني حديث حسن، كما في صحيح الترغيب والترهيب 152/1. وقال الإمام أبو جعفر الطحاوي صاحب العقيدة الطحاوية المشهورة:[وعلماء السلف من السابقين ومن بعدهم من التابعين أهل الخبر والأثر وأهل الفقه والنظر لا يذكرون إلا بالجميل ومن ذكرهم بسوء فهو على غير السبيل] شرح العقدية الطحاوية ص 554.
وقد حذر العلماء من سب العلماء ومن الوقيعة بهم فقد ورد عن الإمام أحمد بن الأذرعي قوله [الوقيعة في أهل العلم ولا سيما أكابرهم من كبائر الذنوب] حرمة أهل العلم ص 319.

وقال الحافظ ابن عساكر يرحمه الله مخاطباً رجلاً تجرأ على العلماء: [إنما نحترمك ما احترمت الأئمة].

وقال الحافظ ابن عساكر يرحمه الله: (اعلم يا أخي وفقني الله وإياك لمرضاته وجعلنا ممن يخشاه ويتقيه حق تقاته أن لحوم العلماء مسمومة وعادة الله في هتك منتقصيهم معلومة وأن من أطلق لسانه في العلماء بالثلب بلاه الله قبل موته بموت القلب (فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ)

There are some people who spent their whole day and night in worldly duties, when they see any Email, they start writing their comments feeling themselves greater than the Ulamas.
So I request all of you to read and understand what Allah and His Prophet says about Ulamas before writing anything against any Aalim:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (سورة الفاطر 28)

Verily the Ulamas fear more Allah from amongst His slaves.

Mohammad Najeeb Qasmi, Riyadh
najeebqasmi@yahoo.com
najeebsambhali@yaho.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم وَعَلٰی آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْن.

بچے کی پیدائش کے وقت کان میں اذان اور اقامت

شریعت اسلامیہ نے بچے کی پیدائش کے وقت جن احکام شرعیہ سے امت مسلمہ کو آگاہ کیا ہے ان میں سے ایک ولادت کے فوراً بعد بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا ہے۔

☆ حضرت ابورافع ؓ فرماتے ہیں: جب حضرت حسن بن علی ؓ کی پیدائش ہوئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے حضرت حسن بن علی ؓ کے کان میں اذان کہی۔ (ترمذی، ابوداود)

☆ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن بن علی ؓ کی پیدائش کے وقت ان کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی۔ (بیہقی)

☆ حضرت حسن بن علی ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بچے کی پیدائش کے وقت دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے تو ام صبیان سے حفاظت ہوتی ہے۔ (بیہقی)

ام صبیان سے مراد ایک ہوا ہے جس سے بچے کو ضرر پہونچ سکتا ہے۔ بعض حضرات نے اس سے مراد جن لیا ہے اور کہا ہے کہ بچے کے کان میں اذان اور اقامت کہنے پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس سے حفاظت ہو جاتی ہے۔

اذان اور اقامت کہنے کی بعض حکمتیں:

۱) ولادت کے وقت اذان کہنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ بچے کے کانوں میں سب سے پہلے اس ذات اقدس کا نام نامی داخل ہوتا ہے جس نے ایک حقیر قطرہ سے ایک ایسا خوبصورت انسان بنادیا، جسے اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔

۲) احادیث (بخاری ومسلم) میں آتا ہے کہ اذان اور اقامت کے کلمات سن کر شیطان دور بھاگتا ہے۔ چونکہ بچے کی پیدائش کے وقت شیطان بھی گھات لگا کر بیٹھتا ہے تو اذان اور اقامت کی آواز سنتے ہی اس کے اثر میں کمی واقع ہوتی ہے۔

۳) دنیا دارالامتحان ہے اس لئے یہاں آتے ہی بچے کو سب سے پہلے دین اسلام اور عبادت الٰہی کا درس دیا جاتا ہے۔

نوٹ: بچے کے کان میں اذان اور اقامت کہنے کے متعلق روایات میں ضعف ضرور موجود ہے لیکن متعدد شواہد کی بنا پر ان احادیث کو تقویت مل جاتی ہے۔ نیز ابتداء سے ہی امت مسلمہ کا عمل اس پر رہا ہے۔ امام ترمذیؒ نے حدیث کو صحیح قرار دیکر فرمایا کہ امت مسلمہ کا عمل بھی اس پر چلا آرہا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ ہمیں بچے کی پیدائش کے وقت حتی الامکان دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت ضرور کہنی چاہئے جیسا کہ علامہ ابن القیمؒ نے اپنی مشہور ومعروف کتاب "تحفۃ الودود فی احکام المولود" میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ نیز شیخ عبدالعزیز بن بازؒ ودیگر علماء کرام نے تحریر فرمایا ہے۔

مسئلہ: اگر کسی بچے کی ولادت کے وقت اذان اور اقامت کے کلمات نہیں کہے گئے تو بعد میں بھی یہ کلمات کہے جاسکتے ہیں، لیکن اگر زیادہ ہی عرصہ گزر گیا تو پھر اذان اور اقامت کے کلمات کہنے کی ضرورت نہیں۔

طالب دعا: محمد نجیب قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلىٰ آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْن.

عقیقہ کے مسائل

عقیقہ کے لغوی معنی کاٹنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں نومولود بچہ / بچی کی جانب سے اسکی پیدائش کے ساتویں دن جو خون بہایا جاتا ہے اسے عقیقہ کہتے ہیں۔عقیقہ کرنا سنت ہے،رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

اس کے چند اہم فوائد یہ ہیں:

☆ زندگی کی ابتدائی سانسوں میں نومولود بچہ / بچی کے نام سے خون بہا کر اللہ تعالی سے اس کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے۔

☆ یہ اسلامی Vaccination ہے،جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بعض پریشانیوں،آفتوں اور بیماریوں سے راحت مل جاتی ہے۔ (ہمیں دنیاوی Vaccinations کے ساتھ اس Vaccination کا بھی اہتمام کرنا چاہئے)۔

☆ بچہ / بچی کی پیدائش پر جو اللہ تعالی کی ایک عظیم نعمت ہے،خوشی کا اظہار ہوجاتا ہے۔

☆ بچہ / بچی کا عقیقہ کرنے پر کل قیامت کے دن باپ بچہ / بچی کی شفاعت کا مستحق بن جائے گا،جیسا کہ حدیث نمبر ۲ میں ہے۔

☆ عقیقہ کی دعوت سے رشتے دار،دوست واحباب اور دیگر متعلقین کے درمیان تعلق بڑھتا ہے،جس سے ان کے درمیان محبت والفت پیدا ہوتی ہے۔

عقیقہ کے متعلق چند احادیث:

۱) رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: بچہ / بچی کے لئے عقیقہ ہے، اس کی جانب سے تم خون بہاؤ، اور اس سے گندگی (سر کے بال) کو دور کرو (بخاری)۔

۲) رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: ہر بچہ / بچی اپنا عقیقہ ہونے تک گروی ہے۔ اس کی جانب سے ساتویں دن جانور ذبح کیا جائے، اس دن اس کا نام رکھا جائے اور سر منڈوایا جائے (ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، مسند احمد)۔

نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان: کل غلام مرتھن بعقیقته کی شرح علماء نے بیان کی ہے کہ کل قیامت کے دن بچہ / بچی کو باپ کے لئے شفاعت کرنے سے روک دیا جائے گا، اگر باپ نے استطاعت کے باوجود بچہ / بچی کا عقیقہ نہیں کیا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حتی الامکان بچہ / بچی کا عقیقہ کرنا چاہئے۔

۳) رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: لڑکے کی جانب سے دو بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری ہے (ترمذی،مسند احمد)

۴) رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: لڑکے کی جانب سے دو بکرے اور لڑکی کی جانب سے ایک بکرا ہے ۔ عقیقہ کے جانور مذکر ہوں یا مؤنث،اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یعنی بکرا یا بکری جو چاہیں ذبح کردیں۔ (ترمذی،مسند احمد)۔

۵) رسول اللہ ﷺ نے اپنے نواسے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کا عقیقہ ساتویں دن کیا، اسی دن ان کا نام رکھا اور حکم دیا کہ ان کے سروں کے بال مونڈھ دئے جائیں (ابوداؤد)۔

ان مذکورہ ودیگر احادیث کی روشنی میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ بچہ / بچی کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کرنا، بال منڈوانا، نام رکھنا اور ختنہ کرانا سنت ہے۔ لہٰذا باپ کی ذمہ داری ہے کہ اگر وہ اپنے نومولود بچہ / بچی کا عقیقہ کرسکتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی اس سنت کو ضرور زندہ کرے تاکہ عند اللہ اجر عظیم کا مستحق بنے، نومولود بچہ / بچی کو اللہ کے حکم سے بعض آفتوں اور بیماریوں سے راحت مل سکے، نیز کل قیامت کے دن بچہ / بچی کی شفاعت کا مستحق بن سکے۔

کیا ساتویں دن عقیقہ کرنا شرط ہے؟

عقیقہ کرنے کے لئے ساتویں دن کا اختیار کرنا مستحب ہے۔ ساتویں دن کو اختیار کرنے کی اہم وجہ یہ ہے کہ زمانہ کے ساتوں دن بچہ / بچی پر گزر جاتے ہیں۔ لیکن اگر ساتویں دن ممکن نہ ہو تو ساتویں دن کی رعایت کرتے ہوئے چودھویں یا اکیسویں دن کرنا چاہئے، جیسا کہ حضرت عائشہ ؓ کا فرمان احادیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ اگر کوئی شخص ساتویں دن کے بجائے چوتھے یا آٹھویں یا دسویں دن یا اس کے بعد کبھی بھی عقیقہ کرے تو یقیناً عقیقہ کی سنت ادا ہوجائے گی، اس کے فوائد ان شاء اللہ حاصل ہوجائیں گے، اگرچہ عقیقہ کا مستحب وقت چھوٹ گیا۔

کیا بچہ / بچی کے عقیقہ میں کوئی فرق ہے؟

بچہ / بچی دونوں کا عقیقہ کرنا سنت ہے، البتہ احادیث کی روشنی میں صرف ایک فرق ہے وہ یہ ہے کہ بچہ کے عقیقہ کے لئے دو اور بچی کے عقیقہ کے لئے ایک بکرا / بکری ضروری ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کے پاس بچہ کے عقیقہ کے لئے دو بکرے ذبح کرنے کی استطاعت نہیں ہے تو وہ ایک بکرا سے بھی عقیقہ کرسکتا ہے، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ کی روایت ابوداؤد میں موجود ہے۔

بچہ / بچی کے عقیقہ میں فرق کیوں رکھا گیا؟

اسلام نے عورتوں کو معاشرہ میں ایک ایسا اہم اور باوقار مقام دیا ہے جو کسی بھی ساوی یا خود ساختہ مذہب میں نہیں ملتا، لیکن پھر بھی قرآن کی آیات ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ (سورہ البقرۃ ۲۲۸) ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ (سورہ النساء ۳۴) و احادیث شریفہ کی روشنی میں یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے نظام کو چلانے کے لئے مردوں کو عورتوں پر کسی درجہ میں فوقیت دی ہے، جیسا کہ دنیا کے وجود سے لے کر آج تک ہر قوم میں اور ہر جگہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ مثلاً حمل وولادت کی تمام تر تکلیفیں اور مصیبتیں صرف عورت ہی جھیلتی ہے۔ لہٰذا شریعت اسلامیہ نے بچہ کے عقیقہ کے لئے دو اور بچی کے عقیقہ کے لئے ایک خون بہانے کا جو حکم دیا ہے، اس کی حقیقت خالق کائنات ہی بہتر جانتا ہے۔

عقیقہ میں بکرا / بکری کے علاوہ دیگر جانور مثلاً اونٹ گائے وغیرہ کو ذبح کیا جاسکتا ہے؟

اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے، مگر تحقیقی بات یہ ہے کہ حدیث نمبر (۱ اور ۲) کی روشنی میں بکرا / بکری کے علاوہ اونٹ گائے کو بھی عقیقہ میں ذبح کرسکتے ہیں، کیونکہ اس حدیث میں عقیقہ میں خون بہانے کے لئے نبی اکرم ﷺ نے بکرا / بکری کی کوئی شرط نہیں رکھی، لہٰذا اونٹ گائے کی قربانی دے کر بھی عقیقہ کیا جاسکتا ہے۔ نیز عقیقہ کے جانور کی عمر وغیرہ کے لئے تمام علماء نے عید الاضحیٰ کی قربانی کے جانور کے شرائط تسلیم کئے

ہیں۔

کیا اونٹ گائے وغیرہ کے حصہ میں عقیقہ کیا جاسکتا ھے؟

اگر کوئی شخص اپنے ۲ لڑکوں اور ۲ لڑکیوں کا عقیقہ ایک گائے کی قربانی میں کرنا چاہے، یعنی قربانی کی طرح حصوں میں عقیقہ کرنا چاہے، تو اس کے جواز سے متعلق علماء کا اختلاف ہے، ہمارے علماء نے قربانی پر قیاس کرکے اس کی اجازت دی ہے، البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ اس طریقہ پر عقیقہ نہ کیا جائے بلکہ ہر بچہ / بچی کی طرف سے کم از کم ایک خون بہایا جائے۔

کیا عقیقہ کے گوشت کی ھڈیاں توڑکر کھا سکتے ھیں؟

بعض احادیث اور تابعین کے اقوال کی روشنی میں بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ عقیقہ کے گوشت کے احترام کے لئے جانور کی ہڈیاں جوڑوں ہی سے کاٹ کر الگ کرنی چاہئیں۔ لیکن شریعت اسلامیہ نے اس موضوع سے متعلق کوئی ایسا اصول وضابطہ نہیں بنایا ہے کہ جس کے خلاف عمل نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ احادیث اور تابعین کے اقوال بہتر وافضل عمل کو ذکر کرنے کے متعلق ہیں۔ لہذا اگر آپ ہڈیاں توڑ کر بھی گوشت بنا کر کھانا چاہیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ یاد رکھیں کہ ہندوستان اور پاکستان میں عموماً گوشت چھوٹا چھوٹا کرکے یعنی ہڈیاں توڑ کر ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

کیا بالغ مرد وعورت کا بھی عقیقہ جا سکتا ھے؟

جس شخص کا عقیقہ بچپن میں نہیں کیا گیا، جیسا کہ عموماً ہندوستان اور پاکستان میں عقیقہ چھوڑ کر چھٹی وغیرہ کرنے کا زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے، جو کہ غلط ہے۔ لیکن اب بڑی عمر میں اس کا شعور ہورہا ہے تو وہ یقیناً اپنا عقیقہ کرسکتا ہے، کیونکہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے نبوت ملنے کے بعد اپنا عقیقہ کیا (اخرجہ ابن حزم فی "المحلی"، والطحاوی فی "المشکل")۔ نیز احادیث میں کسی بھی جگہ عقیقہ کرنے کے آخری وقت کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ بڑی بچی کے سر کے بال منڈوانا جائز نہیں ہے، ایسی صورت میں بال نہ کٹوائیں، کیونکہ بال کٹوائے بغیر بھی عقیقہ کی سنت ادا ہوجائے گی۔

دیگر مسائل:

☆ قربانی کے جانور کی طرح عقیقہ کے جانور کی کھال یا تو غرباء ومساکین کو دے دیں یا اپنے گھریلو استعمال میں لے لیں۔

☆ کھال یا کھال کو فروخت کرکے اسکی قیمت قصائی کو بطور اجرت دینا جائز نہیں ہے۔

☆ قربانی کے گوشت کی طرح عقیقہ کے گوشت کو خود بھی کھا سکتے ہیں اور رشتہ داروں کو بھی کھلا سکتے ہیں۔ اگر قربانی کے گوشت کے ۳ حصے کر لئے جائیں تو بہتر ہے: ایک اپنے لئے، ایک رشتے داروں کے لئے اور تیسرا حصہ غریبوں کے لئے، لیکن یہ تین حصے کرنا کوئی ضروری نہیں ہے۔

☆ عقیقہ کے گوشت کو پکا کر رشتے داروں کو بلاکر بھی کھلا سکتے ہیں، اور کچا گوشت بھی تقسیم کر سکتے ہیں۔

﴿نوٹ﴾: اگر بچہ / بچی کی پیدائش جمعہ کے روز ہوئی ہے تو ساتواں دن جمعرات ہوگا۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض (najeebqasmi@yahoo.com)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلام عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم وَعَلیٰ آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِیْن.

بیٹی اللہ کی رحمت

اللہ تعالی نے اپنے پاک کلام قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿ لِلّٰهِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ، یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ، یَهَبُ لِمَن یَّشَآءُ اِنَاثاً وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ. اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُکْرَاناً وَّاِنَاثاً وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْماً ﴾ (سورہ الشوریٰ ۴۹_۵۰)۔

آسمانوں اور زمین کی سلطنت وبادشاہت صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے بیٹے اور بیٹیاں دنوں عطا کردیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے بانجھ کردیتا ہے------ اس کے ہاں نہ لڑکا پیدا ہوتا ہے اور نہ لڑکی پیدا ہوتی ہے، لاکھ کوشش کرے مگر اولا نہیں ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالی کی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے۔ جس کے لئے جو مناسب سمجھتا ہے وہ اس کو عطا فرمادیتا ہے۔ لڑکیاں اور لڑکے دونوں اللہ کی نعمت ہیں۔ لڑکے اور لڑکیوں دونوں کی ضرورت ہے۔ عورتیں مرد کی محتاج ہیں، اور مرد عورتوں کے محتاج ہے۔ اللہ تعالی نے اپنی حکمت بالغہ سے دنیا میں ایسا نظام قائم کیا ہے کہ جس میں دونوں کی ضرورت ہے اور دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔

اللہ کی اِس حکمت اور مصلحت کی روشنی میں جب ہم اپنا جائزہ لیتے ہیں تو ہم میں سے بعض احباب ایسے نظر آئیں گے کہ جن کے یہاں لڑکے کی بڑی آرزوئیں اور تمنائیں کی جاتی ہیں، جب لڑکا پیدا ہوتا ہے تو اس وقت بہت خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اور اگر لڑکی پیدا ہوجائے تو خوشی کا اظہار نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ بعض اوقات بچی کی پیدائش پر شوہر اپنی بیوی پر، اسی طرح گھر کے دیگر افراد عورت پر ناراض ہوتے ہیں، حالانکہ اس میں عورت کا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کی عطا ہے۔کسی کو ذرہ برابر بھی اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یاد رکھیں کہ لڑکیوں کو کم تر سمجھنا زمانۂ جاہلیت کے کافروں کا عمل تھا، جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے۔ ﴿ان میں سے جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہوجاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے-------------خوب سن لو کہ وہ (کفار مکہ) بہت برا فیصلہ کرتے ہیں﴾۔ (سورۃ النحل ۵۸_۵۹) لہذا ہمیں بیٹی کے پیدا ہونے پر بھی یقیناً خوشی ومسرت کا اظہار کرنا چاہئے۔

نبی اکرم ﷺ نے بیٹیوں کی پرورش پر جتنے فضائل بیان فرمائے ہیں، بیٹے کی پرورش پر اس قدر بیان نہیں فرمائے۔

لڑکیوں کی پرورش کے فضائل سے متعلق چند احادیث :

☆ حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں، یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں، اور وہ ان کے ساتھ بہت اچھے طریقے سے زندگی گزارے (یعنی ان کے جو حقوق شریعت نے مقرر فرمائے ہیں وہ ادا کرے، ان کے ساتھ احسان اور سلوک کا معاملہ کرے، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے) اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کی بدولت اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔ (ترمذی۔باب ماجاء فی النفقہ علی البنات)

☆ اسی مضمون کی حدیث حضرت ابو ہریرہ ؓ سے بھی مروی ہے مگر اس میں اتنا اضافہ ہے کہ آپ ﷺ کے ارشاد فرمانے پر کسی نے سوال کیا کہ اگر کسی کی ایک بیٹی ہو (تو کیا وہ اس ثواب عظیم سے محروم رہے گا؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص ایک بیٹی کی اسی طرح پرورش کرے گا، اس کے لئے بھی جنت ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین)

☆ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص پر لڑکیوں کی پرورش اور دیکھ بھال کی ذمہ داری ہو اور وہ اس کو صبر و تحمل سے انجام دے تو یہ لڑکیاں اس کے لئے جہنم سے آڑ بن جائیں گی۔ (ترمذی)

☆ حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کی دو یا تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان کی اچھے انداز سے پرورش کرے (اور جب شادی کے قابل ہوجائیں تو ان کی شادی کردے) تو میں اور وہ شخص جنت میں اس طرح داخل ہونگے جس طرح یہ دونوں انگلیاں ملی ہوئی ہیں۔ (ترمذی۔باب ماجاء فی النفقہ علی البنات)

☆ حضرت عائشہ ؓ سے ایک قصہ منقول ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ایک خاتون میرے پاس آئی جس کے ساتھ اس کی دو لڑکیاں تھیں، اس خاتون نے مجھ سے کچھ سوال کیا، اس وقت میرے پاس سوائے ایک کھجور کے اور کچھ نہیں تھا، وہ کھجور میں نے اس عورت کو دیدی، اس اللہ کی بندی نے اس کھجور کے دو ٹکڑے کئے اور ایک ایک ٹکڑا دونوں بچیوں کے ہاتھ پر رکھ دیا، خود کچھ نہیں کھایا، حالانکہ خود اسے بھی ضرورت تھی، اس کے بعد وہ خاتون بچیوں کو لے کر چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور اکرم ﷺ تشریف لائے تو میں نے اس خاتون کے آنے اور ایک کھجور کے دو ٹکڑے کرکے بچیوں کو دینے کا پورا واقعہ سنایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: جس کو دو بچیوں کی پرورش کرنے کا موقع ملے اور وہ ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرے تو وہ بچیاں اس کو جہنم سے بچانے کے لئے آڑ بن جائیں گی۔ (ترمذی)

﴿وضاحت﴾: مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ لڑکیوں کی شریعت اسلامیہ کے مطابق تعلیم وتربیت اور پھر ان کی شادی کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین فضیلتیں حاصل ہوں گی:

۱)　جہنم سے چھٹکارا۔

۲)　جنت میں داخلہ۔

۳)　حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جنت میں ہمراہی۔

قرآن کی آیات ودیگر احادیث کی روشنی میں یہ بات بڑے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق اولاد کی بہتر تعلیم وتربیت وہی کرسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو، جیسا کہ پہلی حدیث میں گزرا (ان کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے)۔

حضور اکرم ا کا طرزِ عمل:

حضور اکرم ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں: حضرت فاطمہؓ، حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، اور حضرت ام کلثومؓ۔ آپ ﷺ اپنی چاروں بیٹیوں سے بہت محبت فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی تین بیٹیوں کا انتقال آپ کی زندگی میں ہی ہوگیا تھا، حضرت فاطمہؓ کا انتقال آپ ﷺ کے انتقال کے چھ ماہ بعد ہوا۔ آپ ﷺ کی چاروں بیٹیاں جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ حضور اکرم ﷺ حضرت فاطمہؓ کے ساتھ بہت ہی شفقت اور محبت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ جب سفر میں تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ سے ملتے، اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لے جاتے۔

مسئلہ: جہاں تک محبت کا تعلق ہے، اس کا تعلق دل سے ہے اور اس میں انسان کو اختیار نہیں ہے، اس لئے اس میں انسان برابری کرنے کا مکلف نہیں ہے۔ یعنی کسی ایک بچہ یا بچی سے محبت زیادہ کرسکتا ہے۔ مگر اس محبت کا بہت زیادہ اظہار کرنا کہ جس سے دوسرے بچوں کو احساس ہو، منع ہے۔

مسئلہ: اولاد کو ہدیہ اور تحفہ دینے میں برابری ضروری ہے۔ لہذا ماں باپ اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان اگر پیسے یا کپڑا یا کھانے پینے کی کوئی چیز تقسیم کریں تو اس میں برابری ضروری ہے۔ اور لڑکی کو بھی اتنا ہی دیں جتنا لڑکے کو دیں۔ شریعت کا یہ حکم کہ لڑکی کا لڑکے کے مقابلے میں آدھا حصہ ہے، یہ حکم باپ کے انتقال کے بعد اس کی میراث میں ہے۔ زندگی کا قاعدہ یہ ہے کہ لڑکی اور لڑکے دونوں کو برابر دیا جائے۔

مسئلہ: اگر ماں باپ کو ضرورت کے موقع پر اولاد میں کسی ایک پر کچھ زیادہ خرچ کرنا پڑے، تو کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً بیماری، تعلیم اور اسی طرح کوئی دوسری ضرورت ہو تو خرچ کرنے میں کمی بیشی کرنے میں کوئی گناہ اور پکڑ نہیں ہے۔ لہذا حسب ضرورت کمی بیشی ہوجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

مسئلہ: بیٹی کی شادی کے بعد بھی بیٹی کا حق میراث ختم نہیں ہوتا ہے۔ یعنی باپ کے انتقال کے بعد وہ بھی باپ کی جائیداد میں شریک رہتی ہے۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض (najeebqasmi@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْن.

والدین کی فرمانبرداری

قرآن وحدیث میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی خصوصی تاکید کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اپنی توحید وعبادت کا حکم دینے کے ساتھ' والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے، جس سے والدین کی اطاعت' ان کی خدمت اوران کے ادب واحترام کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے۔ احادیث میں بھی والدین کی فرمانبرداری کی خاص اہمیت وتاکیداوراسکی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اس موضوع سے متعلق' بعض آیات اوراحادیث کا ترجمہ لکھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والا بنائے۔ ان کی فرمانبرداری کرنے والا بنائے۔ ان کے حقوق کی ادائیگی کما حقہ ادا کرنے والا بنائے۔

آیات قرآنیہ:

☆ اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا۔ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات چیت کرنا۔ اور عاجزی ومحبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھنا۔ اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پرودگار! ان پر ویسا ہی رحم کر جیسا کہ انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔۔۔۔۔(سورہ بنی اسرائیل ۲۳، ۲۴)

☆ اور تم سب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اوراس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو ۔۔۔۔۔(سورہ النساء ۳٦)

☆ ہم نے ہر انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی نصیحت کی ہے۔۔۔۔۔(سورہ العنکبوت ۸)

احادیث شریفہ:

☆ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ کو کونسا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میں نے کہا کہ اس کے بعد کونسا عمل اللہ کو زیادہ پسند ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: والدین کی فرمانبرداری۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میں نے کہا کہ اس کے بعد کونسا عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔ (بخاری، مسلم)

☆ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر ہجرت اور جہاد کرنے کے لئے بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس شخص نے کہا: (الحمدللہ) دونوں حیات ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص سے پوچھا: کیا تو واقعی اللہ تعالیٰ سے اجر عظیم کا طالب ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے والدین کے پاس جا اور ان کی خدمت کر۔ (مسلم)

☆ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر دریافت کیا: میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہاری ماں۔ اس شخص نے پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارا باپ۔ (بخاری)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: باپ جنت کے دروازوں میں سے بہترین دروازہ ہے۔ چنانچہ تمہیں اختیار ہے خواہ (اس کی نافرمانی کرکے اور دل دکھا کے) اس دروازہ کو ضائع کردو یا (اسکی فرمانبرداری اور اس کو راضی رکھ کر) اس دروازہ کی حفاظت کرو۔ (ترمذی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رضامندی، والد کی رضامندی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔ (ترمذی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کی عمر دراز کی جائے اور اس کے رزق کو بڑھادیا جائے اس کو چاہئے کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے، اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ (مسند احمد)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کیا اس کے لئے خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں اضافہ فرمائیں گے۔ (مستدرک حاکم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص ذلیل وخوار ہو، ذلیل وخوار ہو، ذلیل وخوار ہو۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کون ذلیل وخوار ہو؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جو اپنے ماں باپ میں سے کسی ایک یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پائے پھر (ان کی خدمت کے ذریعہ) جنت میں داخل نہ ہو۔ (مسلم)

قرآن وحدیث کی روشنی میں امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ والدین کی نافرمانی بہت بڑا گناہ ہے۔ والدین کی ناراضگی، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنتی ہے۔ لہذا ہمیں والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ خاص کر جب والدین یا دونوں میں سے کوئی بڑھاپے کو پہنچ جائے تو انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا حتی کہ ان کو اُف تک نہیں کہنا چاہئے۔ ادب واحترام اور محبت وخلوص کے ساتھ ان کی خدمت کرنی چاہئے۔ ممکن ہے کہ بڑھاپے کی وجہ سے ان کی کچھ باتیں یا اعمال آپ کو پسند نہ آئیں، آپ اس پر صبر کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ اس صبر کرنے پر بھی اجر عظیم عطا فرمائے گا، ان شاء اللہ۔ محمد نجیب قاسمی، ریاض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِيْن.

والدین کے حقوق

قرآن وحدیث کی روشنی میں علماء نے والدین کے حسب ذیل بعض حقوق مرتب کئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو والدین کے حقوق ادا کرنے والا بنائے :

دوران حیات حقوق

☆ ان کا ادب واحترام کرنا۔

☆ ان سے محبت کرنا۔

☆ ان کی فرمانبرداری کرنا۔

☆ ان کی خدمت کرنا۔

☆ ان کو حتی الامکان آرام پہنچانا۔

☆ ان کی ضروریات پوری کرنا۔

☆ وقتاً فوقتاً ان سے ملاقات کرنا۔

بعد از وفات حقوق

☆ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی اور رحمت کی دعائیں کرنا۔

☆ ان کی جانب سے ایسے اعمال کرنا جن کا ثواب ان تک پہنچے۔

☆ ان کے رشتے دار، دوست ومتعلقین کی عزت کرنا۔

☆ ان کے رشتے دار، دوست ومتعلقین کی حتی الامکان مدد کرنا۔

☆ ان کی امانت وقرض ادا کرنا۔

☆ ان کی جائز وصیت پر عمل کرنا۔

☆ کبھی کبھی ان کی قبر پر جانا۔

اللہ تعالیٰ ہماری اولاد کو بھی ان حقوق کی ادائیگی کرنے والا بنائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا والے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ والدین کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اولاد کے درمیان مساوات قائم رکھیں اور ان کے حقوق کی ادائیگی کریں۔ عموماً غیر شادی شدہ اولاد سے محبت کچھ زیادہ ہوجاتی ہے، جس پر پکڑ نہیں ہے، لیکن بڑی اولاد کے مقابلے میں چھوٹی اولاد کو معاملات میں ترجیح دینا مناسب نہیں ہے، جس کی وجہ سے گھریلو مسائل پیدا ہوتے ہیں، لہٰذا والدین کو حتی الامکان اولاد کے درمیان برابری کا معاملہ کرنا چاہئے۔ اگر اولاد گھر وغیرہ کے اخراجات کے لئے باپ کو رقم دیتی ہے تو اس کا صحیح استعمال ہونا چاہئے۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن۔

مَحْرَم کا بیان (یعنی جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے)

سورۃ النساء کی ۲۳ ویں اور ۲۴ ویں آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کا ذکر فرمایا ہے جن کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

نَسبی رشتے:

☆ ماں	(حقیقی ماں یا سوتیلی ماں، اسی طرح دادی یا نانی)
☆ بیٹی	(اسی طرح پوتی یا نواسی)
☆ بہن	(حقیقی بہن، ماں شریک بہن، باپ شریک بہن)
☆ پھوپھی	(والد کی بہن خواہ سگی ہوں یا سوتیلی)
☆ خالہ	(ماں کی بہن خواہ سگی ہوں یا سوتیلی)
☆ بھتیجی	(بھائی کی بیٹی خواہ سگی ہوں یا سوتیلی)
☆ بھانجی	(بہن کی بیٹی خواہ سگی ہوں یا سوتیلی)

رضاعی رشتے:

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جن عورتوں سے نسب کی وجہ سے نکاح نہیں کیا جاسکتا ہے، رضاعت (دودھ پینے) کی وجہ سے بھی انہی رشتوں میں نکاح نہیں کیا جاسکتا ہے۔ (بخاری ومسلم) غرض رضاعی ماں، رضاعی بیٹی، رضاعی بہن، رضاعی پھوپھی، رضاعی خالہ، رضاعی بھتیجی اور رضاعی بھانجی سے نکاح نہیں ہوسکتا ہے۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کے فرمان کی روشنی میں رضاعت سے حرمت اسی صورت میں ہوگی جب کہ دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے دودھ پلایا گیا ہو۔

ازدواجی رشتے:

☆ بیوی کی ماں (ساس)

☆ بیوی کی پہلے شوہر سے بیٹی، لیکن ضروری ہے کہ بیوی سے صحبت کرچکا ہو۔

☆ بیٹے کی بیوی (بہو) (یعنی اگر بیٹا اپنی بیوی کو طلاق دیدے یا مرجائے تو باپ بیٹے کی بیوی سے شادی نہیں کرسکتا)۔

☆ دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا۔ (اسی طرح خالہ اور اسکی بھانجی، پھوپھی اور اسکی بھتیجی کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا منع ہے)۔

عام رشتے:

☆ کسی دوسرے شخص کی بیوی (اللہ تعالیٰ کے اِس واضح حکم کی وجہ سے ایک عورت بیک وقت ایک سے زائد شادی نہیں کرسکتی ہے)۔

﴿وضاحت﴾:

۱) بیوی کے انتقال یا طلاق کے بعد بیوی کی بہن (سالی)، اسکی خالہ، اسکی بھانجی، اسکی پھوپھی یا اسکی بھتیجی سے نکاح کیا جاسکتا ہے۔

۲) بھائی، ماموں یا چچا کے انتقال یا ان کے طلاق دینے کے بعد بھابھی، ممانی اور چاچی کے ساتھ نکاح کیا جاسکتا ہے۔

عورت کا جن مردوں سے پردہ نہیں ہے اور ان کے ہمراہ سفر کیا جاسکتا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں، جیساکہ سورۂ النور کی آیت 31 اور سورۂ الاحزاب کی آیت 55 میں مذکور ہے:

نسبی رشتے:

☆ باپ (اسی طرح دادا یا نانا)

☆ بیٹا (اسی طرح پوتا یا نواسا)

☆ بھائی (حقیقی بھائی، ماں شریک بھائی، باپ شریک بھائی)

☆ چچا (والد کے بھائی خواہ سگے ہوں یا سوتیلے)

☆ ماموں (والدہ کے بھائی خواہ سگے ہوں یا سوتیلے)

☆ بھتیجا (بھائی کا بیٹا خواہ سگا ہو یا سوتیلا)

☆ بھانجا (بہن کا بیٹا خواہ سگا ہو یا سوتیلا)

رضاعی رشتے:

رضاعی باپ، رضاعی بیٹا، رضاعی بھائی، رضاعی چچا، رضاعی ماموں، رضاعی بھتیجا اور رضاعی بھانجا۔

ازدواجی رشتے:

☆ شوہر

☆ شوہر کے والد یا دادا

☆ شوہر کی پہلی / دوسری بیوی کا بیٹا

☆ داماد

وضاحت:

۱) خونی یا رضاعی یا ازدواجی رشتہ نہ ہونے کی وجہ سے عورت کو اپنے بہنوئی، دیور یا جیٹھ، خالو یا پھوپھا سے شرعی اعتبار سے پردہ کرنا چاہئے اور ان کے ساتھ سفر بھی نہیں کرنا چاہئے۔ غرضیکہ مرد اپنی سالی یا بھابھی کے ہمراہ سفر نہیں کرسکتا ہے۔

۲) عورتوں کو اپنے چچا زاد، پھوپھی زاد، خالہ زاد اور ماموں زاد بھائی سے پردہ کرنا چاہئے اور ان کے ساتھ سفر بھی نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ عورت کی اپنے چچا زاد، پھوپھی زاد، خالہ زاد اور ماموں زاد بھائی سے شادی ہوسکتی ہے۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض najeebqasmi@yahoo.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیمِ وَعَلیٰ اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ اَجْمَعِین۔

اَنْبِیَاء وَرُسُل

اللہ تعالی نے انس وجن کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے اپنے پاک کلام میں فرمایا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ (سورہ الذاریات ۵٦) میں نے جنات اور انسانوں کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔۔۔۔۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ عبادت کیا ہے؟ کس طرح کی جائے؟ اس کا کیا طریقہ ہونا چاہئے؟ اسی کے لئے اللہ تبارک وتعالی اپنے بندوں میں سے بعض بندوں کو منتخب فرما کر ان کو وحی کے ذریعہ احکامات بھیجتا ہے کہ کیا کام کرنے ضروری ہیں، کیا کام کئے جاسکتے ہیں اور کن کاموں سے بچنا ہے، غرضیکہ وحی کے ذریعہ زندگی گزارنے کا طریقہ بیان کیا جاتا ہے، اسی کا نام عبادت ہے۔ ان منتخب بندوں کو جو وقت کے امام، علم وعمل کے مجسم پیکر اور تقوی کے علمبردار ہوتے ہیں، نبی یا رسول کہا جاتا ہے، جن کی ذمہ داری اللہ کے بندوں کو اپنے قول وعمل سے اللہ تعالی کی طرف بلانا ہوتی ہے۔۔۔ ان انبیاء ورسولوں کے واقعات پڑھنے چاہئیں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو قدر تفصیل سے بیان کرنے کے بعد اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: لَقَدْ کَانَ فِی قَصَصِھِمْ عِبْرَۃٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (سورہ یوسف ۱۱۱) انبیاء کرام کے واقعات میں عقلمندوں کے لئے یقیناً نصیحت اور عبرت ہے۔

نبی اور رسول میں کیا فرق ہے، اسکی تشریح میں علماء کے متعدد آراء واقوال ہیں، لیکن تمام مفسرین ومفکرین اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن وحدیث میں دونوں لفظ ایک دوسرے کے لئے استعمال ہوئے ہیں، البتہ نبی عام ہے اور رسول خاص ہے۔

نبیوں اور رسولوں کا یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور نبی اکرم ﷺ پر ختم ہوا، غرضیکہ نبی اکرم ﷺ رسول ہونے کے ساتھ ساتھ آخری نبی بھی ہیں جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ (سورۃ الاحزاب ۴۰)۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضور اکرم ﷺ تک آنے والے انبیاء ورسل کی معین تعداد تو اللہ تعالی کے سوا کوئی نہیں جانتا، جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں فرمایا ہے: وَرُسُلاً قَدْ قَصَصْنَاھُمْ عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلاً لَّمْ نَقْصُصْھُمْ عَلَیْکَ (سورۃ النساء ۱٦۴) آپ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے آپ سے بیان کئے ہیں، اور بہت سے رسولوں کے نہیں بیان کئے۔۔۔ لیکن پھر بھی حضرت ابوذر غفاریؓ کی مشہور ومعروف حدیث، جسمیں ان کے سوال کرنے پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نبیوں کی کل تعداد تقریباً ایک لاکھ ۲۴ ہزار، اور رسولوں کی کل تعداد ۳۱۳/۳۱۵ ہے۔﴿صحیح ابن حبان﴾ کی بنیاد پر لکھا گیا ہے کہ انبیاء کرام کی تعداد صحابہ کرام کی تعداد کی طرح تقریباً ایک لاکھ ۲۴ ہزار تھی (واللہ اعلم بالصواب)۔ اس روایت کی سند میں بعض علماء کے نقطہ نظر میں اگرچہ کچھ ضعف موجود ہے، مگر متعدد شواہد کی بناء پر تاریخی حیثیت سے یہ حدیث قبول کی گئی ہے۔

جن نبیوں اور رسولوں کا تذکرہ قرآن کریم میں آیا ہے ان کی تعداد ۲۵ ہے، ان میں سے ۱۸ کا ذکر تو قرآن کریم (سورہ الانعام ۸۳-۸٦) میں ایک ہی جگہ پر ہے۔ جن ۲۵ انبیاء کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے، ان کے نام یہ ہیں:

(۱) آدم علیہ السلام (۲) ادریس علیہ السلام (۳) نوح علیہ السلام (۴) ہود علیہ السلام (۵) صالح علیہ السلام (٦) ابراہیم علیہ السلام (۷) لوط علیہ السلام

(۸) اسماعیل علیہ السلام (۹) اسحاق علیہ السلام (۱۰) یعقوب علیہ السلام (۱۱) یوسف علیہ السلام (۱۲) ایوب علیہ السلام (۱۳) شعیب علیہ السلام

(۱۴) موسیٰ علیہ السلام (۱۵) ہارون علیہ السلام (۱۶) یونس علیہ السلام (۱۷) داؤد علیہ السلام (۱۸) سلیمان علیہ السلام (۱۹) الیاس علیہ السلام
(۲۰) الیسع علیہ السلام (۲۱) زکریا علیہ السلام (۲۲) یحییٰ علیہ السلام (۲۳) عیسی علیہ السلام (۲۴) ذوالکفل علیہ السلام (اکثر مفسرین کے نزدیک)
(۲۵) حضرت محمد ﷺ۔

حضرت عزیر علیہ السلام کا ذکر قرآن میں (سورہ التوبہ ۳۰) میں آیا ہے، لیکن ان کے نبی ہونے میں اختلاف ہے۔ ان ۲۵ انبیاء کرام کے علاوہ تین انبیاء کا ذکر احادیث میں آیا ہے۔ (۱) شیث علیہ السلام (۲) یوشع علیہ السلام (۳) خضر علیہ السلام (ان کے نبی ہونے میں اختلاف ہے)۔

ان انبیاء میں سے پانچ نبی ایک ہی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں: حضرت ابرہیم علیہ السلام، ابرہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام اور ابرہیم علیہ السلام کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام۔

جزیرۂ عرب سے تعلق رکھنے والے انبیاء: آدم علیہ السلام، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، شعیب علیہ السلام اور محمد ﷺ۔

عراق سے تعلق رکھنے والے انبیاء: ادریس علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام اور یونس علیہ السلام۔

شام اور فلسطین سے تعلق رکھنے والے انبیاء: لوط علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، ایوب علیہ السلام، ذوالکفل علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، الیاس علیہ السلام، الیسع علیہ السلام، زکریا علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام اور عیسی علیہ السلام۔

مصر سے تعلق رکھنے والے انبیاء: یوسف علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام۔

ان ۲۵ انبیاء کرام کے قرآن کریم میں ذکر کی تقریبی تعداد:

آدم علیہ السلام ۲۵	ادریس علیہ السلام ۲	نوح علیہ السلام ۴۳	ہود علیہ السلام ۷	صالح علیہ السلام ۹
ابراہیم علیہ السلام ۶۹	لوط علیہ السلام ۲۷	اسماعیل علیہ السلام ۱۲	اسحاق علیہ السلام ۱۷	یعقوب علیہ السلام ۱۶
یوسف علیہ السلام ۲۷	ایوب علیہ السلام ۴	شعیب علیہ السلام ۱۱	موسیٰ علیہ السلام ۱۳۶	ہارون علیہ السلام ۱۹
یونس علیہ السلام ۶	داؤد علیہ السلام ۱۶	سلیمان علیہ السلام ۱۷	الیاس علیہ السلام ۳	الیسع علیہ السلام ۲
زکریا علیہ السلام ۸	یحییٰ علیہ السلام ۴	عیسی علیہ السلام ۲۵	ذوالکفل علیہ السلام ۲	محمد ﷺ: ۵ صراحت کے ساتھ

☆ قرآن میں حضور اکرم ﷺ کا ذکر پانچ مرتبہ صراحت کے ساتھ ہوا ہے (محمد کا لفظ چار مرتبہ اور احمد کا لفظ ایک مرتبہ)۔ لفظ رسول اللہ، رسول اور نبی کے ساتھ آپ کا ذکر متعدد جگہوں پر آیا ہے، جبکہ بے شمار جگہوں پر آپ کو براہِ راست مخاطب کیا گیا ہے۔

☆ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق کتابوں میں مذکور ہے کہ وہ جنت سے ہند کی سرزمین پر اتارے گئے۔ ہند یا مکہ مکرمہ میں مدفون ہیں۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو صاحبزادے: اسحاق علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ ان کے بعد تمام انبیاء کرام حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہوئے، سوائے تمام نبیوں کے سردار حضرت محمد ﷺ کے کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

☆ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا جس کے معنی ہیں بندۂ خدا۔ ان ہی کی نسل کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔

☆ حضرت نوح علیہ السلام قوم نوح، حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد، حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود، حضرت لوط علیہ السلام قوم لوط اور حضرت موسیٰ، ہارون، داؤد، سلیمان، زکریا، یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام قوم بنو اسرائیل کے مختلف قبائل کی اصلاح کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے۔

دعاؤں کا محتاج: محمد نجیب قاسمی سنبھلی، ریاض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْن۔

حضرت ابراهیم علیه السلام کی زندگی کے مختصر احوال

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام تقریباً چار ہزار سال قبل عراق میں پیدا ہوئے۔

☆ ان کا والد آزر مذہبی پیشوا تھا، بت بنا کر بیچا کرتا تھا۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زمانہ طفولت سے ہی سے بتوں کی عبادت کی مخالفت کی۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کھل کر بتوں کی مخالفت کے بعد انکو قتل کرنے اور گھر سے نکالنے کی دھمکی دی گئی۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک عبادت گاہ میں گھس کر بڑے بت کے علاوہ تمام بتوں کے ٹکڑے کرنے کا واقعہ' پیش آیا، جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔۔۔ اور پھر نمرود بادشاہ کے ساتھ مناظرہ ہوا۔

☆ مناظرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے منطقی جواب پر غور کرنے کے بجائے یہ شاہی فرمان جاری کیا گیا کہ اس کو جلا ڈالو، اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آتش نمرود میں ڈالے جانے کا واقعہ پیش آیا، مگر اللہ تعالی کے حکم سے آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈی ہونے کے ساتھ سلامتی اور آرام کی چیز بن گئی۔

☆ اس قوم کی بدنصیبی کی حد یہ تھی کہ اتنا بڑا معجزہ دیکھنے کے باوجود ایک آدمی بھی ایمان نہیں لایا۔

☆ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق چھوڑ کر ملک شام تشریف لے گئے۔

☆ وہاں سے فلسطین چلے گئے، اور وہیں مستقل قیام فرما کر اسی کو دعوت کا مرکز بنایا۔

☆ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی حضرت سارہ کے ہمراہ مصر تشریف لے گئے۔

☆ وہاں کے بادشاہ نے حضرت ہاجرہ کو حضرت ابراہیم کی اہلیہ حضرت سارہ کی خدمت کے لئے پیش کیا۔

☆ اس وقت تک حضرت سارہ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔

☆ مصر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر فلسطین واپس تشریف لے لائے۔

☆ حضرت سارہ نے خود حضرت ہاجرہ کا نکاح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کروادیا۔

☆ بڑھاپے میں حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔

☆ کچھ عرصہ بعد حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

☆ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ کے چٹیل میدان میں بیت اللہ کے قریب چھوڑ دیا۔

☆ جب کھانے پینے کے لئے کچھ نہ رہا تو حضرت ہاجرہ بے چین ہوکر قریب کی صفا اور مروہ پہاڑیوں پر پانی کی تلاش میں دوڑیں۔ چنانچہ پانی کا چشمہ زمزم جاری ہوا۔

☆ کچھ مدت کے بعد ایک قبیلہ بنوجرہم کا ادھر سے گزر ہوا۔ پانی کی سہولت دیکھ کر انہوں نے حضرت ہاجرہ سے قیام کی اجازت چاہی، حضرت ہاجرہ نے وہاں قیام کرنے کی اجازت دے دی۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ نبی کا خواب سچا ہوا کرتا ہے، چنانچہ اللہ کے اس حکم کی تکمیل کے لئے فوراً فلسطین سے مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ جب باپ نے بیٹے کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہیں ذبح کرنے کا حکم دیا ہے تو فرمانبردار بیٹے اسماعیل علیہ السلام کا جواب تھا :

ابا جان! جو کچھ آپ کو حکم دیا جارہا ہے، اسے کر ڈالئے۔ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔

☆ اور پھر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تاریخ انسانی کا وہ عظیم الشان کارنامہ انجام دیا جس کا مشاہدہ نہ اس سے پہلے کبھی زمین وآسمان نے کیا، اور نہ اس کے بعد کریں گے۔ اپنے دل کے ٹکڑے کو منہ کے بل زمین پر لٹادیا، چھری تیز کی، آنکھوں پر پٹی باندھی اور اُس وقت تک پوری طاقت سے چھری اپنے بیٹے کے گلے پر چلاتے رہے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ صدا نہ آگئی۔ اے ابراہیم! تو نے خواب سچ کر دکھایا، ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ جنت سے ایک مینڈھا بھیج دیا گیا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کر دیا۔

☆ اس عظیم امتحان میں کامیابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ دنیا میں میری عبادت کے لئے گھر تعمیر کرو۔ چنانچہ باپ بیٹے نے مل کر بیت اللہ شریف (خانہ کعبہ) کی تعمیر کی۔

☆ بیت اللہ کی تعمیر سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کردو۔ حضرت ابراہیم نے حج کا اعلان کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اعلان نہ صرف اس وقت کے زندہ لوگوں تک پہونچادیا بلکہ عالم ارواح میں تمام روحوں نے بھی یہ آواز سنی، جس شخص کی قسمت میں بیت اللہ کی زیارت لکھی تھی اس نے اس اعلان کے جواب میں لبیک کہا۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن۔

خلفاء راشدین کی زندگی کے مختصر احوال

حضور اکرم ﷺ رسالت ونبوت کی عظیم ذمہ داری کا حق کَما حقہٗ ادا کرنے کے بعد ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری کو تقریباً ۶۳ سال کی عمر میں انتقال فرماگئے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد تقریباً ۳۰ سال یعنی ۴۰ ہجری تک حضرت ابوبکر صدیق ؓ، حضرت عمر فاروق ؓ، حضرت عثمان غنی ؓ اور حضرت علی مرتضیٰ ؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں بخوبی انجام دیں۔ ۱۱ہجری سے ۴۰ ہجری تک کا وقت تاریخ میں خلافت راشدہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اور ان جلیل القدر صحابہ کو خلفاء راشدین کے نام سے جانا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہی خلفاء راشدین کے متعلق ارشاد فرمایا ہے: ﴿تم میری اور میرے بعد آنے والے خلفاء راشدین کی سنت کو بہت مضبوطی کے ساتھ پکڑلو﴾۔ (ترمذی، ابوداود)

نبی اکرم ﷺ کے ارشادات: ﴿میری امت میں خلافت تیس سال تک رہے گی پھر بادشاہت ہوجائے گی﴾ (ترمذی، مسند احمد)، ﴿تمہارے دین کی ابتدا میں نبوت ورحمت ہے پھر خلافت ورحمت ہوگی، پھر بادشاہت وجبریت ہوجائے گی﴾ (سیوطیؒ) کی روشنی میں محدثین ومفکرین اور مؤرخین فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد ﴿تم میری اور میرے بعد آنے والے خلفاء راشدین کی سنت کو بہت مضبوطی کے ساتھ پکڑلو﴾ سے مراد یہی چار خلفاء ہیں، جن کا تعلق قبیلہ قریش سے ہے۔ حضرت امیر معاویہ ؓ اور ان کے بعد یہ خلافت بادشاہت میں تبدیل ہوتی چلی گئی، اور خلیفہ نے ایک بادشاہ کی حیثیت اختیار کرلی۔ مؤرخین نے حضرت حسن بن علی ؓ کی حضرت معاویہ ؓ سے صلح سے قبل تقریباً سات ماہ کی خلافت کو بھی خلافت راشدہ میں شمار کیا ہے، کیونکہ حضرت حسن ؓ کی تقریباً ۷ ماہ کی خلافت کو شمار کرکے ہی تیس سال مکمل ہوتے ہیں۔ بعض مؤرخین نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو حکماً پانچواں خلیفہ راشد شمار کیا ہے، کیونکہ انہوں نے چاروں خلفاء کے نقش قدم پر چل کر خلافت کی ذمہ داریاں نبھائیں۔

نبی اکرم ﷺ کی نیابت میں دین اور دنیا کے امور میں سرپرستی کرنے اور شرعی احکامات کا نفاذ کرانے کا نام خلافت ہے۔ راشد کی جمع راشدون اور راشدین آتی ہے جس کے معنی سیدھے راستے پر چلنے والے یعنی ہدایت یافتہ کے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق ؓ (خلافت ۱۱ ہجری سے ۱۳ ہجری تک) :

آپ ؓ کا نام عبداللہ بن ابی قحافہ، کنیت ابوبکر، اور واقعہ معراج پر تصدیق کرنے سے لقب صدیق ہوا۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے روز ہی حضرت خدیجہ ؓ کے بعد سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ ان کی تبلیغ سے بے شمار صحابہ اسلام لائے جن میں بعض اہم نام یہ ہیں: حضرت عثمان غنی ؓ، حضرت زبیر ؓ بن عوام، حضرت عبدالرحمٰن ؓ بن عوف، حضرت طلحہ ؓ بن عبیداللہ اور حضرت سعد ؓ بن ابی وقاص۔ اسلام لانے کے بعد سے موت تک پوری زندگی اعلاء کلمۃ اللہ اور احیاء اسلام میں لگادی۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں آپ ؓ بڑی سخاوت اور فراوانی سے خرچ کرتے تھے، مثلاً بے شمار غلاموں کو خرید کر آزاد کیا، جن میں رسول اللہ کے مؤذن حضرت بلال ؓ بھی ہیں۔ آپ ؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہ ؓ سے نبی اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہ ؓ کے انتقال کے بعد نکاح فرمایا۔ آپ ؓ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ کی۔ قرآن کریم کی آیت

﴿ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ﴾ (سورہ التوبہ ۴۰) میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہی کا ذکر ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے حکم سے نبی اکرم ﷺ کی وفات سے قبل چند نمازیں حضرت ابوبکر ؓ ہی نے امامت کرکے صحابہ کرام کو پڑھائیں۔ انتقال کے دن حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے ساتھ مل کر نمازِ فجر کی امامت کی۔ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام کے مشورہ سے آپ کو خلیفہ متعین کیا گیا۔ آپ کی خلافت کے چند اہم کام یہ ہیں:

☆ حضرت اسامہ بن زید ؓ کے لشکر کو ملک شام روانہ کیا، جو افواج قیصر کو پسپا کرکے فتح یاب ہوا اور صحیح سالم واپس آیا۔

☆ مرتدین، مانعین زکوٰۃ اور داعیان نبوت سے قتال کرکے نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے تمام فتنوں کو ختم کیا۔

☆ مذکورہ فتنوں کا قلع قمع کرنے میں بے شمار حفاظ کرام شہید ہوئے، چنانچہ آپ ؓ نے قرآن کریم کو ایک جگہ جمع کرایا۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا ۱۳ ہجری میں انتقال ہوا، حضرت عائشہ ؓ کے حجرہ مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ ؓ کی عمر تقریباً ۶۳ سال اور خلافت ۱۱ ہجری سے ۱۳ ہجری تک دو سال تین ماہ دس دن رہی۔

حضرت عمر فاروق ؓ (خلافت ۱۳ ہجری سے ۲۳ ہجری تک):

آپ ؓ کا نام عمر بن خطاب، کنیت ابوحفص اور لقب فاروق (حق کو باطل سے الگ کرنے والا) ہے۔ ۶ نبوت میں ۳۳ سال کی عمر میں اسلام لائے۔ آپ سے قبل ۳۹ مرد اسلام قبول کرچکے تھے۔ آپ ؓ کے قبول اسلام پر مسلمانوں نے تکبیر بلند کی۔ آپ ؓ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بہت تقویت ملی۔ تمام غزوات میں نبی اکرم ﷺ کے ہمرکاب رہے۔ قرآن کریم اگرچہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے عہد خلافت میں جمع کیا گیا مگر یہ تجویز حضرت عمر فاروق ؓ کی ہی تھی، اور انہیں کے اصرار پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ اس عمل کے لئے تیار ہوئے تھے۔ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت خفیہ طور پر نہیں کی بلکہ علانیہ طور پر کی۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے مرض الوفات میں صحابہ کرام کے مشورہ سے حضرت عمر ؓ کو مسلمانوں کا خلیفہ متعین فرمایا۔ بعد میں آپ ؓ کو امیر المؤمنین کے خطاب سے نوازا گیا۔ آپ ؓ کے عہد خلافت میں ملک عراق، فارس، شام اور مصر فتح ہوئے، اسلامی کیلنڈر کا افتتاح ہوا، کوفہ اور بصرہ شہر آباد کئے گئے، ماہِ رمضان میں نمازِ تراویح کا جماعت کے ساتھ اہتمام شروع ہوا، زکوٰۃ کی آمدنی کے اندراج کی غرض سے بیت المال قائم کیا گیا۔

۲۶ ذی الحجہ ۲۳ ہجری کی صبح آپ ؓ مسجد نبوی میں نمازِ فجر کی امامت کررہے تھے کہ فیروز نامی مجوسی المذہب غلام نے خنجر سے زخمی کیا، چار دنوں کے بعد یکم محرم الحرام ۲۴ ہجری کو انتقال فرماگئے۔ نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ حضرت عمر فاروق ؓ کی خلافت دس سال، چھ ماہ اور چار دن رہی۔

حضرت عثمان غنی ؓ (خلافت ۲۴ ہجری سے ۳۵ ہجری تک):

آپ ؓ کا نام عثمان بن عفان، کنیت ابوعبداللہ اور ابوعمرو ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی دو صاحبزادیاں (رقیہ ؓ اور ام کلثوم ؓ) یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں، اس لئے ذوالنورین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ دو بار حبشہ ہجرت کی، پھر حبشہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔ آپ نے اللہ کے راستہ میں بہت مال خرچ فرمایا، غزوہ تبوک کے لشکر کی تیاری کے لئے بے شمار مال واغراض عطا فرمائے۔ جنگ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں نبی اکرم ﷺ کے ہمرکاب رہے۔ حضرت عمر فاروق ؓ کی شہادت

کے بعد خلیفہ بنے۔ ۳۵ ہجری میں ۸۲ سال کی عمر میں آپ ؓ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ آپ ؓ کی خلافت گیارہ سال، گیارہ ماہ اور تیرہ دن رہی۔ آپ کی خلافت میں تونس ملک فتح ہوا۔ فتوحات کی وجہ سے اسلامی مملکت میں بہت زیادہ توسیع ہوئی، جسکی وجہ سے یہ سوچ کر کہ کہیں قرآن کریم کی قراءت میں اختلاف رونما ہو جائے، آپؓ نے قرآن کریم کو ایک صحیفہ (مصحف عثمانی) میں جمع کرایا اور اس صحیفہ کے نسخے تمام ریاستوں میں ارسال کئے، اس طرح قرآن کریم کے ایک نسخہ (مصحف عثمانی) پر امت مسلمہ متحد ہوگئی۔

حضرت علی مرتضیٰ ؓ: (خلافت ۳۵ ہجری سے ۴۰ ہجری تک)

آپؓ کا نام علیؓ بن ابی طالب، کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے۔ آپؓ نبی اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد ہیں۔ آپؓ کی تربیت نبی اکرم ﷺ کے گھر پر ہوئی۔ حضور اکرم ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ ؓ سے آپ کی شادی ہوئی۔ آپؓ نے بچپن میں بھی کبھی بت پرستی نہیں کی تھی۔ تیرہ سال سے کم کی عمر میں اسلام لائے، بچوں میں سب سے پہلے آپ ہی اسلام لائے تھے۔ شب ہجرت میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر نبی اکرم ﷺ کے بستر پر سوئے۔ وحی لکھنے والے چند صحابہ میں سے ایک آپؓ بھی ہیں۔ جنگ تبوک کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے انہیں مدینہ منورہ میں اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑا۔ سوائے اس جنگ کے باقی تمام غزوات میں نبی اکرم ﷺ کے ہمرکاب رہے۔ آپؓ کی شجاعت کے کارنامے بہت مشہور ہیں۔ آپؓ کی علمی حیثیت بڑی مسلم تھی حتی کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک موقع پر فرمایا کہ حضرت علیؓ ہم سب سے بڑھ کر قاضی ہیں۔ حضرت عثمان غنی ؓ کی شہادت کے بعد صحابہ کرام نے مشورہ کے بعد آپؓ کو خلیفہ متعین کیا۔ آپؓ نے چند مصلحتوں کی وجہ سے مسلمانوں کا دارالخلافت مدینہ منورہ سے عراق کے شہر کوفہ منتقل کردیا۔ پولس کا شعبہ بنایا۔ ۳۶ ہجری میں جنگ جمل اور ۳۷ ہجری میں جنگ صفین واقع ہوئی۔ ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ ہجری کی صبح کو ابن ملجم کے ہاتھوں شہید ہوگئے اور کوفہ ہی میں دفن کئے گئے۔ اس طرح آپ کی کل عمر تقریباً ۶۳ سال اور آپ ؓ کی خلافت چار سال اور سات ماہ رہی۔

حضرت حسن بن علی ؓ:

آپ کا نام حسن بن علیؓ ہے، آپ کی والدہ حضرت فاطمہؓ ہیں جو حضور اکرم ﷺ کی صاحبزادی ہیں۔ رمضان ۳ ہجری میں پیدا ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ اپنے نواسے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے بہت محبت کیا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد عراق میں مسلمانوں کے اصرار پر حضرت حسنؓ نے بیعت خلافت لی۔ دوسری طرف شام میں حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔ ممکن تھا کہ مسلمانوں کے درمیان ایک اور جنگ شروع ہو جائے لیکن حضرت حسنؓ انتہائی زاہد و متقی اور اللہ سے ڈرنے والے تھے، انہوں نے اپنی دوراندیشی سے مسلمانوں کو قتل عام سے بچا کر حضرت معاویہؓ کے ساتھ صلح فرمالی اور خلافت سے دست بردار ہوگئے۔ ۵۰ ہجری میں ۴۷ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا، جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

خلافت راشدہ: ۱۱ ہجری سے ۴۱ ہجری تک (632-662) خلافت بنو امیہ: ۴۱ ہجری سے ۱۳۲ ہجری تک (662-750) خلافت بنو عباسیہ: 132 ہجری سے 656 ہجری تک (750-1258)۔ خلافت عثمانیہ: ۶۹۸ ہجری سے ۱۳۴۲ ہجری تک (1299-1924)۔ غرضیکہ ۱۹۲۴ میں تقریباً ۱۳۵۰ سال بعد مسلمانوں کی ایک مرکزی خلافت / حکومت ختم ہوگئی۔ محمد نجیب قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيمِ وَعَلٰى آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْن.

فاتح سندھ محمد بن قاسمؒ کی زندگی کے مختصر احوال

محمد بن قاسمؒ طائف میں ثقفی قبیلہ کے ایک مشہور خاندان کے یہاں ۷۲ ہجری میں پیدا ہوئے (آپ تابعین میں سے تھے)۔ عبد الملک بن مروان کے زمانہ خلافت ۷۵ ہجری میں حجاج بن یوسف کو شرقی ریاستوں (عراق) کا حاکم اعلیٰ متعین کیا گیا۔ حجاج بن یوسف نے اپنے چچا قاسم کو بصرہ شہر کا والی متعین کیا۔ محمد بن قاسمؒ اپنے والد کے ساتھ طائف سے بصرہ منتقل ہوگئے، اور وہیں تعلیم وتربیت پائی۔ حجاج بن یوسف نے اپنے خاص فوجیوں کی ٹریننگ کے لئے واسط شہر بسایا۔ اس شہر میں محمد بن قاسمؒ کی فوجی تربیت ہوئی۔ چنانچہ صرف ۱۷ سال کی عمر میں محمد بن قاسمؒ ایک فوجی کمانڈر کی حیثیت سے سامنے آئے۔

محمد بن قاسمؒ سندھ کے متعلق بہت سنا کرتے تھے۔ خلفاء راشدین کے زمانے میں بھی اس علاقہ میں جنگیں ہوئیں۔ حضرت امیر معاویہؓ کے عہد خلافت ۴۴ ہجری میں مکران علاقہ پر فتح حاصل ہوئی۔

۸۸ ہجری میں جزیرہ یاقوت (سیلان) کے بادشاہ نے عربوں سے اچھے تعلق قائم کرنے کے لئے ایک جہاز عراق کے لئے روانہ کیا، جسمیں یتیم اور بیوہ مسلم عورتیں سوار تھیں۔ جب یہ جہاز سندھ کے بندرگاہ (دیبل) سے گزرا تو سندھ کے کچھ لوگوں نے اس جہاز کو لوٹ لیا۔ حجاج بن یوسف نے سندھ کے بادشاہ سے جہاز اور مسلم عورتوں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ مگر اس نے رہائی کرنے سے انکار کردیا۔ حجاج بن یوسف نے دو مرتبہ لشکر کشائی کی مگر ناکامی ہوئی۔ جب حجاج بن یوسف کو یقین ہوگیا کہ مسلم عورتیں اور فوج کے جوان دیبل کی جیلوں میں بند ہیں، اور سندھ کا بادشاہ عربوں سے دشمنی کی وجہ سے ان کو چھوڑنا نہیں چاہتا ہے، تو حجاج بن یوسف نے سندھ کے تمام علاقوں کو فتح کرنے کے لئے ۹۰ ہجری میں ایک بڑے لشکر کو محمد بن قاسمؒ کی قیادت میں سندھ روانہ کیا۔ محمد بن قاسمؒ نے صرف ۲ سال میں اللہ کے فضل وکرم سے ۹۲ ہجری تک سندھ کے بے شمار علاقے فتح کرلئے۔ ۹۲ ہجری میں سندھ کے راجہ داہر کی قیادت میں سندھی فوج سے فیصلہ کن جنگ ہوئی، جسمیں سندھ کا راجہ مارا گیا، اور محمد بن قاسمؒ کی قیادت میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ غرض صرف ۲۰ سال کی عمر میں محمد بن قاسمؒ فاتح سندھ بن گئے۔ ۹۵ ہجری تک سندھ کے دیگر علاقے حتی کے پنجاب کے بعض علاقے محمد بن قاسمؒ کی قیادت میں مسلمانوں نے فتح کرلئے۔

محمد بن قاسمؒ نے سندھ پر فتح حاصل کرنے کے بعد جونبی ہند (موجودہ ہندوستان) کی حدود میں داخل ہونے کا ارادہ کیا، نئے بادشاہ سلیمان بن عبد الملک کا حکم پہونچا کہ فوراً عراق واپس آجاؤ۔ ولید بن عبد الملک کے بعد سلیمان بن عبد الملک خلیفہ بنے۔ نئے خلیفہ سلیمان بن عبد الملک اور محمد بن قاسمؒ کے خاندان کے ساتھ تعلقات اچھے نہیں رہے۔ محمد بن قاسمؒ کو یقین تھا کہ میرا عراق واپس جانا موت کو دعوت دینا ہے۔ سندھ کے لوگوں اور فوج کے ذمہ داروں نے محمد بن قاسمؒ کو واپس جانے سے منع کیا۔ لیکن محمد بن قاسمؒ نے خلیفہ کے حکم کی نافرمانی کرنے سے انکار کیا اور عراق واپس گئے۔ سلیمان بن عبد الملک نے بغض وعناد میں محمد بن قاسمؒ کو جیل میں بند کردیا۔ مختلف طرح سے تکلیفیں دیں۔ غرض ۹۵ ہجری میں فاتح سندھ محمد بن قاسمؒ صرف ۲۳ سال کی عمر میں اللہ کو پیارا ہوگیا۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْن.

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ؒ

آج امت مسلمہ خاص کر برصغیر میں رہنے والے مسلمان مختلف جماعتوں، گروہوں اور تنظیموں میں منقسم ہو گئے ہیں۔ ﴿كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ﴾ (سورہ الروم ۳۲)۔ ہر فرقہ اور گروہ سمجھتا ہے کہ وہ ہی حق پر ہے اور دوسرے باطل پر ہیں۔

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف فی نفسہ برا نہیں ہے بشرطیکہ اختلاف کا بنیادی مقصد حقیقت کا اظہار ہو اور اس اختلاف سے کسی کی دل آزاری اور اہانت مطلوب ومقصود نہ ہو۔ اختلاف تو دور نبوت میں بھی تھا۔ بعض امور میں صحابہ کرام کی رائے ایک دوسرے سے مختلف ہوا کرتی تھی۔ بعض مواقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ لیا اور آپ ﷺ نے اپنی رائے کے بجائے صحابہ کرام کے مشورہ پر عمل کیا، مثلاً غزوۂ احد کے موقع پر حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کے نقطۂ نظر پر عمل کرکے مدینہ منورہ سے باہر نکل کر کفار مکہ کا مقابلہ کیا۔

غزوۂ احزاب سے واپسی پر نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو فوراً بنوقریظہ روانہ فرمایا اور کہا کہ عصر کی نماز وہاں جاکر پڑھو۔ راستہ میں جب نمازِ عصر کا وقت ختم ہونے لگا تو صحابہ کرام میں عصر کی نماز پڑھنے کے متعلق اختلاف ہوگیا۔ ایک جماعت نے کہا کہ حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق ہمیں بنوقریظہ ہی میں جاکر نمازِ عصر پڑھنی چاہئے خواہ عصر کی نماز قضا ہوجائے، جبکہ دوسری جماعت نے کہا کہ آپ ﷺ کے کہنے کا منشا یہ تھا کہ ہم عصر کی نماز کے وقت میں ہی بنوقریظہ پہونچ جائیں گے لیکن اب چونکہ عصر کے وقت میں بنوقریظہ کی بستی میں پہونچ کر نمازِ عصر پڑھنا ممکن نہیں ہے، لہذا ہمیں عصر کی نماز ابھی پڑھ لینی چاہئے۔ اس طرح صحابہ کرام دو جماعت میں منقسم ہوگئے، کچھ حضرات نے نمازِ عصر وہیں پڑھی، جبکہ دوسری جماعت نے بنوقریظہ کی بستی میں جاکر قضا پڑھی۔ جب صبح نبی اکرم ﷺ بنوقریظہ پہونچے اور اس واقعہ سے متعلق تفصیلات معلوم ہوئیں تو آپ ﷺ نے کسی جماعت پر بھی کوئی تنقید نہیں کی اور نہ ہی اس اہم موقع پر آپ ﷺ نے کوئی ہدایت جاری کی، جس سے معلوم ہوا کہ احکام میں اختلاف تو کل قیامت تک جاری رہے گا اور اس نوعیت کا اختلاف مذموم نہیں ہے۔ البتہ عقائد اور اصول میں اختلاف کرنا مذموم ہے۔

علامہ ابن القیمؒ نے اپنی کتاب ﴿الصواعق المرسلۃ﴾ میں دلائل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان بھی متعدد مسائل میں اختلاف تھا، جن میں سے ایک مسئلہ ایک مجلس میں ایک لفظ سے تین طلاق کے واقع ہونے کے بارے میں ہے۔ یہ اختلاف محض اظہار حق یا تلاش حق کے لئے تھا۔

لیکن! آج ہم اختلاف کے نام پر بغض وعناد کررہے ہیں، اپنے مکتب فکر کو صحیح اور دیگر مکاتب فکر کو غلط قرار دینے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کررہے ہیں حالانکہ اسلام میں اختلاف کی گنجائش تو ہے مگر بغض وعناد اور لڑائی جھگڑا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں فرمایا: ﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ (سورہ الانفال ۴۶) آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ بزدل ہوجاؤگے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

آج غیر مسلم قومیں خاص کر یہود ونصاریٰ کی تمام مادی طاقتیں مسلمانوں کو زیر کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ دنیاوی طاقتیں اسلام اور مسلمانوں کو ذلیل ورسوا کرنے کے لئے ہر ممکن حربہ استعمال کر رہی ہیں، جس سے ہر ذی شعور واقف ہے۔ لہذا ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ صحابہ اور اکابرین کی سیرت کی روشنی میں اپنے اختلاف کو صرف اظہار حق یا تلاش حق تک محدود رکھیں۔ اپنا موقف ضرور پیش کریں، لیکن دوسرے کی رائے کی صرف اس بنیاد پر مخالفت نہ کریں کہ اس کا تعلق دوسرے مکتب فکر سے ہے۔ اب تو دیگر آسمانی مذاہب کے ساتھ بھی ہم آہنگی کی بات شروع ہونے لگی ہے۔ لہذا ہمیں امت مسلمہ کے شیرازہ کو بکھیرنے کے بجائے اس میں پیوندکاری کرنی چاہئے۔ اگر کسی عالم کے قول میں کچھ نقص ہے تو اس کی زندگی کا بیشتر حصہ سامنے رکھ کر اس کی عبارت میں توجیہ و تاویل کرنی چاہئے، نہ کہ اس پر کفر وشرک کے فتوے لگائے جائیں۔ فروعی مسائل میں اختلاف کی صورت میں دیگر مکاتب فکر کی رائے کا احترام کرتے ہوئے قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنا موقف ضرور پیش کیا جاسکتا ہے، لیکن دوسرے مکتب فکر کی رائے کی تذلیل اور رسوائی ہماری زندگی کا مقصد نہیں ہونا چاہئے۔

برصغیر میں مختلف مکاتب فکر کے آپسی اختلافات کا شکار حدیث کی بےلوث خدمت کرنے والی شخصیت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی بھی ہے۔ فضائل سے متعلق ان کی تحریر کردہ ۹ کتابوں کے مجموعہ ﴿فضائل اعمال﴾ کو بھرپور تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے اور ان کی علم حدیث کی عظیم خدمات کو ہی پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ ان ۹ کتابوں کے مجموعہ پر مختلف اعتراضات کئے گئے، جن کے متعدد جوابات شائع ہوئے اور یہ سلسلہ برابر جاری وساری ہے۔ اس سلسلہ کی اہم کڑی حضرت مولانا لطیف الرحمٰن صاحب قاسمی کی عربی زبان میں تحریر کردہ وہ جامع کتاب ﴿تحقیق المقال فی تخریج احادیث فضائل الاعمال للشیخ محمد زکریاؒ﴾ ہے جو بیروت (لبنان) اور دبئی سے شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور ۲۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہندوپاک میں اس کے دو ترجمہ اختصار کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے ان ۹ کتابوں کے مجموعہ پر اعتراضات کا خلاصہ دو امور پر مشتمل ہے:

۱) کتاب میں ضعیف احادیث بھی تحریر کی گئی ہیں۔

۲) بزرگوں کے واقعات کثرت سے ذکر کئے گئے ہیں۔

مسئلہ کی وضاحت سے قبل چند تاریخی حقائق کو سمجھیں:

☆ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں حدیث لکھنے کی عام اجازت نہیں تھی تاکہ قرآن وحدیث میں اختلاط نہ پیدا ہوجائے۔

☆ خلفاء راشدین کے زمانہ میں بھی حدیث لکھنے کا نظم صرف انفرادی طور پر اور وہ بھی محدود پیمانے پر تھا۔

☆ ۲۰۰ ہجری سے ۳۰۰ ہجری کے درمیان احادیث لکھنے کا خاص اہتمام ہوا، چنانچہ حدیث کی مشہور ومعروف کتابیں: بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی وغیرہ (جن کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے) اسی دور میں تحریر کی گئی ہیں، جبکہ مؤطا امام مالک ۱۶۰ ہجری کے قریب تحریر ہوئی۔ ان احادیث کی کتابوں کی تحریر سے قبل ہی ۱۵۰ ہجری میں امام ابوحنیفہؒ (شیخ نعمان بن ثابت) کی وفات ہو چکی تھی۔ امام محمدؒ کی روایت سے امام ابوحنیفہؒ کی حدیث کی کتاب ﴿کتاب الآثار﴾ ان احادیث کی کتابوں کی تحریر سے قبل مرتب ہوگئی تھی۔

☆ نبی اکرم ﷺ کے فرمان یا عمل کو جو حدیث ذکر کرنے کا بنیادی مقصد ہوتا ہے، متن حدیث کہا جاتا ہے۔

☆ جن واسطوں سے یہ حدیث محدث تک پہنچتی ہے اس کو سند حدیث کہتے ہیں۔ حدیث کی مشہور کتابوں میں محدث اور صحابی کے درمیان

عموماً دو یا تین یا چار واسطے ہیں، کہیں کہیں اس سے زیادہ بھی ہیں۔

☆ احادیث کی کتابیں تحریر ہونے کے بعد حدیث بیان کرنے والے راویوں پر باقاعدہ بحث ہوئی، جس کو اسماء الرجال کی بحث کہا جاتا ہے۔ احکام شرعیہ میں علماء وفقہاء کے اختلاف کی طرح بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ شدید اختلاف محدثین کا راویوں کو ضعیف اور ثقہ قرار دینے میں ہے۔ یعنی ایک حدیث ایک محدث کے نقطۂ نظر میں ضعیف اور دیگر محدثین کی رائے میں صحیح ہوسکتی ہے۔

☆ سند میں اگر کوئی راوی غیر معروف ثابت ہوا یعنی یہ معلوم نہیں کہ وہ کون ہے، یا اس نے کسی ایک موقع پر جھوٹ بولا ہے، یا سند میں انقطاع ہے۔۔۔۔ تو اس بنیاد پر محدثین وفقہاء احتیاط کے طور پر اس راوی کی حدیث کو عقائد اور احکام میں قبول نہیں کرتے ہیں بلکہ جو عقائد یا احکام صحیح متند احادیث سے ثابت ہوئے ہیں ان کے فضائل کے لئے قبول کرتے ہیں۔ چنانچہ بخاری ومسلم کے علاوہ حدیث کی مشہور ومعروف تمام ہی کتابوں میں ضعیف احادیث کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے، اور امت مسلمہ ان کتابوں کو زمانۂ قدیم سے قبولیت کا شرف دیے ہوئے ہے، حتی کہ بخاری کی تعالیق اور مسلم کی شواہد میں بھی ضعیف احادیث موجود ہیں۔ امام بخاریؒ نے حدیث کی متعدد کتابیں تحریر فرمائیں، بخاری شریف کے علاوہ ان کی بھی تمام کتابوں میں ضعیف احادیث کثرت سے موجود ہیں۔

﴿نوٹ﴾: اگر ضعیف احادیث قابل اعتبار نہیں ہیں تو سوال یہ ہے کہ محدثین نے اپنی کتابوں میں انہیں کیوں جمع کیا؟ اور ان کے لئے طویل سفر کیوں کئے؟ نیز یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ اگر ضعیف حدیث کو قابل اعتبار نہیں سمجھا جائے گا تو سیرت نبوی اور تاریخ اسلام کا ایک بڑا حصہ دفن کرنا پڑے گا۔ زمانۂ قدیم سے جمہور محدثین کا اصول یہی ہے کہ ضعیف حدیث فضائل میں معتبر ہے اور انہوں نے ضعیف حدیث کو صحیح حدیث کی اقسام کے ضمن میں ہی شمار کیا ہے۔

مسلم شریف کی سب سے زیادہ مقبول شرح لکھنے والے امام نوویؒ (مؤلف ریاض الصالحین) فرماتے ہیں: محدثین، فقہاء، اور ان کے علاوہ جمہور علماء نے فرمایا ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنا فضائل اور ترغیب وترہیب میں جائز اور مستحب ہے۔ (الاذکار، ص ۷۔۸)

اسی اصول کو دیگر علماء ومحدثین نے تحریر فرمایا ہے جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

شیخ ملا علی قاریؒ	(موضوعات کبیرہ ص ۵، شرح العقاریہ ج ۱ ص ۹، فتح باب العنایہ ۱/۴۹)
شیخ امام حاکم ابوعبداللہ نیشاپوریؒ	(مستدرک حاکم ج ۱، ص ۴۹۰)
شیخ ابن حجر الہیثمیؒ	(فتح المبین، ص ۳۲)
شیخ ابومحمد بن قدامہؒ	(المغنی ۱/۱۰۴۴)
شیخ علامہ الشوکانیؒ	(نیل الاوطار ۳ / ۲۸)
شیخ حافظ ابن رجب حنبلیؒ	(شرح علل الترمذی ۱/۷۲۔۷۴)
شیخ علامہ ابن تیمیہ حنبلیؒ	(فتاویٰ ج ۱ ص ۳۹)
شیخ نواب صدیق حسن خانؒ	(دلیل الطالب علی المطالب ص ۸۸۹)

جہاں تک بزرگوں کے واقعات بیان کرنے کا تعلق ہے تو اس سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا ہے بلکہ صرف قرآن وحدیث سے ثابت شدہ حکم کی

تائید کے لئے کسی بزرگ کا واقعہ ذکر کیا جاتا ہے۔ بزرگوں کے واقعات تحریر کرنے کا رواج ہر وقت اور ہر مکتبِ فکر میں موجود ہے، جیسا کہ مولانا لطیف الرحمٰن قاسمی صاحب نے اپنی کتاب ﴿تحقیق المقال فی تخریج احادیث فضائل الاعمال للشیخ محمد زکریاؒ ﴾ میں دیگر مکاتبِ فکر کے متعدد علماء کی کتابوں کے نام حوالوں کے ساتھ تحریر فرمائے ہیں۔ امت مسلمہ کا ایک بڑا حصہ اس بات پر متفق ہے کہ کبھی کبھی بزرگوں کے ذریعہ ایسے واقعات رونما ہوجاتے ہیں جن کا عام آدمی سے صدور مشکل ہوتا ہے۔ نیز اگر مان بھی لیا جائے کہ کتاب میں بعض واقعات کا ذکر غیر مناسب ہے یا چند موضوع احادیث ذکر کردی گئی ہیں، اگر چہ وہ احادیث کی مشہور و معروف کتابوں سے ہی لی گئی ہیں، تو صرف اس بنیاد پر ان کی حدیث کی خدمات کو نظر انداز کرنا ان کی عظیم شخصیت کے ساتھ انصاف نہیں ہے۔ شیخ الحدیثؒ نے چالیس سال سے زیادہ حدیث کی کتابیں پڑھائیں، کوئی تنخواہ نہیں لی۔ سو سے زیادہ عربی واردو زبان میں کتابیں تحریر فرمائیں، ایک کتاب کے حقوق بھی اپنے لئے محفوظ نہیں رکھے۔ ۱۸ جلدوں پر مشتمل ﴿اوجز المسالک الی مؤطا امام مالک﴾ کتاب عربی زبان میں تحریر فرمائی، جس سے لاکھوں عرب وعجم نے استفادہ کیا اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی شخصیت:

شیخ الحدیثؒ ۱۰ رمضان ۱۳۱۵ھ (۱۲ فروری ۱۸۹۸) کو ضلع مظفر نگر کے قصبہ کاندھلہ کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد شیخ محمد یحییٰؒ مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں استاذ حدیث تھے۔ آپ کے دادا شیخ محمد اسماعیلؒ بھی ایک بڑے جید عالم تھے۔ آپ کے چچا شیخ محمد الیاسؒ ہیں جو فاضل دار العلوم دیوبند ہونے کے ساتھ تبلیغی جماعت کے مؤسس بھی ہیں، جنہوں نے امت مسلمہ کی اصلاح کے لئے مخلصانہ کوشش کرتے ہوئے ایک ایسی جماعت کی بنیاد ڈالی، جسکی ایثار وقربانی کی بظاہر کوئی نظیر اس دور میں نہیں ملتی، اور یہ جماعت ایک مختصر عرصہ میں دنیا کے چپہ چپہ میں یہاں تک کہ عربوں میں بھی پھیل چکی ہے۔ ۲ خلیجی ممالک، ۲۲ عرب ممالک اور ۷۵ اسلامی ممالک مل کر بھی آج تک کوئی ایسی منظم جماعت نہیں تیار کر سکے، جس کی ایک آواز پر بغیر کسی اشتہاری وسیلہ کے لاکھوں کا مجمع پلک جھپکتے ہی جمع ہوجائے۔۔۔ عمومی طور پر اب ہماری زندگی دن بدن منظم ہوتی جارہی ہے، چنانچہ اسکول، کالج اور یونیورسٹی حتی کہ مدارس عربیہ اسلامیہ میں بھی داخلہ کا ایک معین وقت، داخلہ کے لئے ٹیسٹ اور انٹرویو، کلاسوں کا نظم ونسق، پھر امتحانات اور ۳ یا ۵ یا ۸ سالہ کورس اور ہر سال کے لئے معین کتابیں پڑھنے پڑھانے کی تحدید کردی گئی ہے۔ حالانکہ قرآن وحدیث سے ان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اسی طرح اپنی اور بھائیوں کی اصلاح کے لئے کوئی وقت متعین نہیں ہونا چاہئے، لیکن تعلیم وملازمت وکاروبار غرضیکہ ہماری زندگیوں کے منظم شیڈیول کو سامنے رکھتے ہوئے اکابرین نے اس محنت کے لئے بھی وقت کی ایک ترتیب دے دی ہے۔۔۔ انفرادی طور پر جب ہمارے اندر کمیاں موجود ہیں تو اجتماعی طور پر کام کرنے کی صورت میں کمیاں ختم نہیں ہوجائیں گی۔ موجودہ دور کی کوئی بھی اسلامی تنظیم تنقید سے خالی نہیں ہے۔۔۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ شیخ محمد الیاسؒ کی فکر سے وجود میں آنی والی اپنی اور بھائیوں کی اصلاح کی مذکورہ کوشش مجموعی اعتبار سے بے شمار خوبیاں اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے چچا زاد بھائی شیخ محمد یوسف بن شیخ محمد الیاسؒ تھے جنہوں نے عربی زبان میں تین جلدوں پر مشتمل حیاۃ الصحابہ تحریر فرمائی، جس کے مختلف زبانوں میں ترجمے بھی ہوئے، جو عرب وعجم میں لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوئے اور ہورہے ہیں، جن سے لاکھوں کی تعداد نے استفادہ کیا اور کررہے ہیں۔

اس خاندان نے عربی واردو میں سینکڑوں کتابیں تحریر کیں لیکن خلوص وللّٰہیت کی واضح علامت یہ ہے کہ ایک کتاب کے حقوق بھی اپنے لئے محفوظ نہیں کئے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے اجر عظیم کی امید کے ساتھ اعلان کردیا کہ جو چاہے شائع کرے، فروخت کرے، تقسیم کرے، چنانچہ دنیا کے بے شمار ناشرین خاص کر لبنان کے متعدد ناشرین اس خاندان کی عربی کتابیں بڑی مقدار میں شائع کررہے ہیں اور عربوں میں ان کی کتابیں بہت مقبول ہیں۔ سعودی عرب کے تقریباً تمام بڑے مکتبوں میں ان کی کتابیں (مثلاً اوجز المسالک الی مؤطا امام مالک اور حیاۃ الصحابہ) دستیاب ہیں۔

۱۲ سال کی عمر میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا ؒ نے مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں داخلہ لیا۔ دارالعلوم دیوبند کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور برصغیر کا سب سے بڑا مدرسہ شمار کیا جاتا ہے جس کی بنیاد دارالعلوم دیوبند کے ۶ ماہ بعد رکھی گئی تھی۔ شیخ الحدیث ؒ کے حدیث کے اہم اساتذہ میں شیخ خلیل احمد سہارن پوری ؒ، آپ کے والد شیخ محمد یحیٰ ؒ اور آپ کے چچا شیخ محمد الیاس ؒ تھے۔

والد کے انتقال کے بعد صرف ۲۰ سال کی عمر میں (۱۳۳۵ھ میں) مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں استاذ ہوگئے۔ ۱۳۴۱ھ میں اپنے شیخ خلیل احمد سہارن پوری ؒ کے اصرار پر صرف ۲۶ سال کی عمر میں بخاری شریف کا درس دینا شروع فرمادیا۔ ۱۳۴۵ھ میں نبی اکرم ﷺ کے شہر مدینہ منورہ میں ایک سال قیام فرمایا اور مدرسہ العلوم الشرعیہ (مدینہ منورہ) میں حدیث کی مشہور کتاب ابو داؤد پڑھائی۔ یہ مدرسہ آج بھی موجود ہے، جس کے ذمہ دار سید حبیب مدنی ؒ کے بڑے صاحبزادہ ہیں۔ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران ہی اپنی مشہور کتاب اوجز المسالک الی مؤطا امام مالک کی تالیف شروع فرمادی تھی، اس وقت آپ کی عمر صرف ۲۹ سال تھی۔ ۱۳۴۶ھ میں مدینہ منورہ سے واپسی کے بعد دوبارہ مدرسہ مظاہر العلوم میں حدیث کی کتابیں خاص کر بخاری شریف اور ابوداؤد پڑھانے لگے اور یہ سلسلہ ۱۳۸۸ھ یعنی ۷۳ سال کی عمر تک جاری رہا۔ غرضیکہ آپ نے ۵۰ سال سے زیادہ حدیث پڑھانے اور لکھنے میں گزارے اور اس طرح ہزاروں طلبہ نے آپ سے حدیث پڑھی جو دین اسلام کی خدمت کے لئے دنیا کے کونے کونے میں پھیل گئے۔

شیخ الحدیث ؒ نے حج کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے متعدد سفر کئے۔ ۱۳۴۵ھ میں آپ اپنے استاذ شیخ خلیل احمد سہارن پوری ؒ کے ساتھ مدینہ منورہ میں مقیم تھے کہ آپ کے استاذ محترم کا انتقال ہوگیا اور وہ جنت البقیع میں اہل بیت کے قریب دفن کئے گئے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا ؒ کی بھی خواہش تھی کہ مدینہ منورہ میں ہی مولائے حقیقی سے جاملوں، چنانچہ بتاریخ یکم شعبان ۱۴۰۲ ہجری (24 May 1982) مدینہ منورہ میں آپ کا انتقال ہوا۔ ایک عظیم جم غفیر کی موجودگی میں مدینہ منورہ کے مشہور ومعروف قبرستان البقیع کے اس خطہ میں دفن کئے گئے جہاں اب تدفین کا سلسلہ بند ہوگیا ہے۔ مسجد نبوی کے تقریباً تمام ائمہ شیخ الحدیث ؒ کے جنازہ میں شریک تھے۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ؒ کے بھتیجے سید حبیب مدنی ؒ (سابق رئیس الاوقاف، مدینہ منورہ) نے اپنی نگرانی میں شیخ الحدیث ؒ کی قبر اُن کے استاذ شیخ خلیل احمد سہارن پوری ؒ کے جوار میں بنوائی، اس طرح دونوں شیوخ اہل بیت کے قریب ہی مدفون ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے استاذ اور مجاہد آزادی شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ؒ نے چند مرحلوں میں تقریباً ۱۵ سال مسجد نبوی میں علوم نبوت کا درس دیا۔ ان کے بھتیجے سید حبیب مدنی ؒ ایک طویل عرصہ تک مدینہ منورہ کے گورنر کی سرپرستی میں مدینہ منورہ کے انتظامی امور دیکھتے رہے، غرضیکہ وہ عرصۂ دراز تک مساعد گورنر تھے۔ سعودی عرب میں کوئی بھی ہندنژاد سعودی اتنے بڑے عہدہ پر فائز نہیں ہوا۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص مدینہ میں مر سکتا ہے (یعنی یہاں آ کر موت تک قیام کر سکتا ہے) اسے ضرور مدینہ میں مرنا چاہئے کیونکہ میں اس شخص کی شفاعت کروں گا جو مدینہ منورہ میں مرے گا۔ (ترمذی)

شیخ الحدیثؒ کو آخری عمر میں (۱۳۹۷ھ میں) سعودی شہریت (Saudi Nationality) بھی مل گئی تھی اور انہوں نے سعودی پاسپورٹ سے ہی ہندوستان کا آخری سفر اور اس سے قبل ساؤتھ افریقہ کا سفر کیا تھا۔ شیخ الحدیثؒ کے خلیفہ شیخ عبدالحفیظ عبدالحق مکی صاحب بھی سعودی ہیں جو اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ ۱۹۵۲ میں ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ میں مقیم ہوئے، مکہ مکرمہ میں مکتبہ امدادیہ کے مالک ہیں۔ اس مکتبہ سے ہندوپاک کے علماء کی عربی کتابیں سعودی حکومت کی اجازت کے بعد بڑی مقدار میں شائع ہوتی ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی علمی خدمات:

شیخ الحدیثؒ نے عربی اور اردو میں ۱۰۰ سے زیادہ کتابیں تحریر فرمائی ہیں جن میں سے بعض اہم کتابوں کا مختصر تعارف عرض ہے:

اوجز المسالک الی مؤطا امام مالک: یہ کتاب عربی زبان میں ہے جو حدیث کی مشہور ومعروف کتاب مؤطا امام مالک کی شرح ہے۔ اس کتاب کی ۱۸ جلدیں ہیں جو آپ نے درس حدیث اور دیگر مصروفیات کے ساتھ ۱۳۷۵ھ میں ۳۰ سال کی جدوجہد کے بعد تحریر فرمائی۔ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران اس کتاب کی تالیف شروع فرمائی تھی، اس وقت آپ کی عمر صرف ۲۹ سال تھی۔ دنیا کے تقریباً تمام مکاتب فکر کے علماء اس کتاب سے استفادہ کرتے ہیں۔ لبنان کے متعدد ناشرین اس کتاب کے لاکھوں کی تعداد میں نسخے شائع کررہے ہیں۔ سعودی عرب کی تقریباً تمام ہی لائبریریوں اور مکتبوں کی یہ کتاب زینت بنی ہوئی ہے، مالکی حضرات اس کتاب کو نہایت عزت واحترام کے ساتھ پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض مالکی علماء نے فرمایا ہے کہ ہمیں بعض فروعی مسائل سے واقفیت صرف اسی کتاب سے ہوئی ہے۔ بعض ناشرین نے اس کتاب کو ۱۵ جلدوں میں شائع کیا ہے۔

الابواب والتراجم للبخاری: اس کتاب میں بخاری شریف کے ابواب کی وضاحت کی گئی ہے۔ بخاری شریف میں احادیث کے مجموعہ کے عنوان پر بحث ایک مستقل علم کی حیثیت رکھتی ہے جسے ترجمۃ الابواب کہتے ہیں۔ شیخ زکریاؒ نے اس کتاب میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علامہ ابن حجر العسقلانیؒ جیسے علماء کے ذریعہ بخاری کے ابواب کے بارے میں کی گئی وضاحتیں ذکر کرنے کے بعد اپنی تحقیقی رائے پیش کی ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور اس کی ۶ جلدیں ہیں۔

لامع الدراری علی جامع صحیح البخاری: یہ مجموعہ دراصل شیخ رشید احمد گنگوہیؒ کا درسِ بخاری ہے جو شیخ الحدیثؒ کے والد شیخ محمد یحیٰؒ نے اردو زبان میں قلم بند کیا تھا۔ شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے اس کا عربی زبان میں ترجمہ کیا اور اپنی طرف سے کچھ حذف واضافات کرکے کتاب کی تعلیق اور حواشی تحریر فرمائے۔ اس طرح شیخ الحدیثؒ کی ۱۲ سال کی انتہائی کوشش اور محنت کی وجہ سے یہ عظیم کتاب منظر عام پر آئی۔ اس کتاب پر شیخ الحدیثؒ کا مقدمہ بے شمار خوبیوں کا حامل ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور اس کی ۱۰ جلدیں ہیں۔

بذل المجہود فی حل ابی داؤد: یہ کتاب شیخ خلیل احمد سہارن پوریؒ کی تحریر کردہ ہے لیکن شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی چند سالوں کی کوشش کے بعد ہی ۱۳۴۵ ہجری میں مدینہ منورہ میں مکمل ہوئی۔ اس کتاب کے متعلق کہا جاتا ہے کہ شیخ الحدیثؒ نے اپنے استاذ سے زیادہ وقت لگا کر اس کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور اس کی تقریباً ۲۰ جلدیں ہیں۔

الکوکب الدری علی جامع الترمذی: یہ مجموعہ دراصل شیخ رشید احمد گنگوہیؒ کا اردو زبان میں درس ترمذی شریف ہے جو شیخ الحدیثؒ نے عربی زبان میں ترجمہ کرکے اپنی تعلیقات کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور اس کی ۴ جلدیں ہیں۔

جزء حجة الوداع وعمرات النبی ﷺ: اس کتاب میں شیخ الحدیثؒ نے حضور اکرم ﷺ کے حج اور عمرہ سے متعلق تفصیل ذکر فرمائی ہے۔ حج اور عمرہ کے مختلف مسائل اور مراحل، نیز ان جگہوں کے موجودہ نام جہاں حضور اکرم ﷺ نے قیام فرمایا تھا یا جہاں سے گزرے تھے، ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔

خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی: امام ترمذیؒ کی مشہور تالیف ﴿الشمائل المحمدیة﴾ کا تفصیلی جائزہ اردو زبان میں تحریر کیا ہے۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

شیخ الحدیث کی چند دیگر عربی کتابیں:

وجوب اعفاء اللحیة، اصول الحدیث علی مذہب الحنفیة، اولیات القیامة، تبویب احکام القرآن للجصاص، تبویب تاویل مختلف الاحادیث لابن قتیبة، تبویب مشکل الآثار للطحاوی، تقریر المشکاة مع تعلیقاته، تقریر النسائی، تلخیص البذل، جامع الروایات و الاجزاء، جزء اختلاف الصلاة، جزء الاعمال بالنیات، جزء افضل الاعمال، جزء امراء المدینة، جزء انکحته ﷺ، جزء تخریج حدیث عائشة فی قصة بریرة، جزء الجهاد، جزء رفع الیدین، جزء طرق المدینة، جزء المبهمات فی الاسانید والروایات، جزء ما قال المحدثون فی الامام الاعظم، جزء مکفرات الذنوب، جزء ملتقط المرقاة، جزء ملتقط الرواة عن المرقاة، حواشی علی الهدایة، شرح سلم العلوم، الوقائع والدهور (تین جلدیں، پہلی جلد نبی اکرم ﷺ کی سیرت کے متعلق، دوسری جلد خلفاء راشدین کے متعلق اور تیسری جلد دیگر حکمرانوں کی تاریخ کے متعلق)۔

شیخ الحدیث کی چند اردو کتابیں:

الاعتدال فی مراتب الرجال، آپ بیتی (۷ جلدیں)، اسباب اختلاف الائمہ، التاریخ الکبیر، سیرت صدیق ؓ، نظام مظاہر العلوم (دستور)، تاریخ مظاہر العلوم، شرح الالفیۃ (تین جلدیں)، اکابر کا تقویٰ، اکابر کا رمضان، اکابر علماء دیوبند، شریعت وطریقت کا تلازم (اس کا عربی زبان میں ترجمہ مصر سے شائع ہو چکا ہے)، موت کی یاد، فضائل زبان عربی، فضائل تجارت، اور فضائل پر مشتمل ۹ کتابوں کا مجموعہ فضائل اعمال۔

چند سطریں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی شخصیت کے متعلق تحریر کی ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ تفصیلات کے لئے دیگر کتابوں کے ساتھ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب ﴿تذکرۂ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ﴾ کا مطالعہ فرمائیں۔ میرے ہر ہر لفظ سے آپ کا متفق ہونا کوئی ضروری نہیں ہے، البتہ فضائل اعمال کو سامنے رکھ کر شیخ الحدیثؒ کی شخصیت پر کچھ کہنے یا لکھنے سے قبل ان کی دیگر تصانیف خاص کر ۱۸ جلدوں پر مشتمل مشہور ومعروف عربی زبان میں تحریر کردہ کتاب ﴿اوجز المسالک الی مؤطا امام مالک﴾ کا مطالعہ کرلیں۔ عربی سے واقفیت نہ ہونے کی صورت میں دنیا کے کسی بھی خطہ کے معروف عالم خاص کر عرب علماء سے اس کتاب کے متعلق معلومات حاصل کرلیں۔

محمد نجیب قاسمی سنبھلی، ریاض (najeebqasmi@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلىٰ آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْن.

شیخ شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کی کتاب تقویۃ الایمان

حال ہی میں الشیخ شاہ اسماعیل شہیدؒ کی کتاب تقویۃ الایمان کے متعلق محترم محمد انعام الحق قاسمی صاحب اور محترم عباس علی صدیقی صاحب کے تاثرات پڑھنے کو ملے۔ کتاب تقویۃ الایمان پر کچھ لکھنے سے قبل الشیخ شاہ اسماعیل شہیدؒ کا مختصر تعارف کرانا ضروری سمجھتا ہوں۔

نہ صرف برصغیر (ہند، پاکستان، بنگلادیش اور افغانستان) میں بلکہ پورے عالم اسلام میں الشیخ شاہ ولی اللہؒ کی شخصیت انتہائی مسلم اور قابل قدر ہے۔ برصغیر میں حدیث پڑھنے اور پڑھانے کی سند محدثین کرام اور پھر حضور اکرم ﷺ تک حضرت شاہ ولی اللہؒ کے واسطے سے ہی ہوکر جاتی ہے۔ برصغیر کا ہر مکتب فکر اپنا تعلق الشیخ شاہ ولی اللہؒ کی شخصیت سے جوڑ کر اپنے حق پر ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کی اولاد نے قرآن وحدیث کی خدمت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کردی تھیں۔

شاہ ولی اللہؒ کے پوتے شاہ اسماعیل شہیدؒ (1779 - 1831) نے بھی اپنی پوری زندگی اعلاء کلمۃ اللہ، احیاء اسلام اور قرآن وحدیث کی خدمت میں صرف کی۔ انہوں نے تقریباً ۱۰ کتابیں تحریر فرمائیں۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ نے نہ صرف قلمی جہاد کیا بلکہ عملی جہاد میں بھی شرکت کی چنانچہ ۱۸۳۱ میں بالآخر بالاکوٹ کے مقام پر شہادت حاصل کی۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ کے زمانے میں اس علاقہ میں شرک اور بدعات کافی رائج ہوگئیں تھیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ قرآن وحدیث کی روشنی میں شرک اور بدعات کی تردید اور توحید وسنت کی جڑیں مضبوط کرنے میں صرف کیا۔ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر انہوں نے 1826 میں کتاب تقویۃ الایمان لکھی۔ یہ کتاب آج تک کتنی مرتبہ شائع ہوچکی ہے، اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے، غرض لاکھوں لوگوں نے اس کتاب سے فیضیاب ہوکر اپنی زندگی کا رخ سیدھا کیا۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اپنی اس کتاب میں قرآن وحدیث کی روشنی میں شرک اور بدعات کی تردید کی ہے۔ جس پر بعض حضرات نے غلط فیصلہ لے کر اس شخص کو کافر کہہ دیا کہ جس نے پوری زندگی قرآن وحدیث کے مطابق گزاری، لاکھوں لوگوں نے اس کے علم سے مستفید ہوکر اپنی اخروی زندگی کی تیاری کی، جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے اپنی جان تک کا نذرانہ پیش کردیا۔

میں نے کتاب کا مطالعہ کیا ہے، مجھے کہیں کوئی ایسی عبارت نہیں ملی جس کی بنیاد پر کسی عالم دین کو صرف بغض وعناد کی وجہ سے کافر قرار دیا جائے۔ میرے عزیز دوستوں! اسلام اس لئے نہیں آیا کہ چھوٹی چھوٹی بات پر مسلمانوں کو بھی دائرہ اسلام سے خارج کیا جائے بلکہ اسلام کا بنیادی واہم مقصد یہ ہے کہ ہر شخص کلمہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھکر مسلمان ہوجائے اور کلمہ کے تقاضوں پر عمل کرکے ہمیشہ ہمیشہ کی جہنم سے بچ جائے۔ کسی انتقال شدہ معین شخص کو کافر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اسکے لئے ہمیشہ ہمیشہ کی جہنم کا فیصلہ صادر فرمادیا۔ اللہ ہم

سب کی حفاظت فرمائے۔آمین ۔ اس موقع پر نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کو بھی یاد رکھیں: اگر کوئی شخص کسی شخص کے لئے کہے اے کافر! تو یہ لفظ کسی ایک کو ضرور پہونچے گا، یا تو وہ واقعی کافر ہوگا ورنہ کہنے والا کافر ہوجائے گا۔ (بخاری، مسلم، موطا مالک، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی، مسند احمد)

اگر ہمیں کسی شخص کے مسلمان ہونے کا علم ہوتا ہے تو کتنی خوشی ہوتی ہے، یقیناً خوشی کی بات ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کی جہنم سے بچ گیا اگر ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوجائے۔ میرے عزیز دوستوں! کسی شخص کو کافر قرار دینے میں ہمیں کبھی بھی عجلت سے کام نہیں لینا چاہئے، اور نہ ہی اس کو فخریہ طور پر بیان کرنا چاہئے۔

عباس علی صدیقی نے یہ تحریر کیا ہے کہ شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اس کتاب میں لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا احترام بڑے بھائی کی طرح کرنا چاہئے، اور اس کی بنا پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا ہے۔۔۔ کتاب کی مکمل عبارت یوں ہے: تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں، جو بہت بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے، اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کرو، باقی سب کا مالک اللہ ہے، عبادت اسی کی کرنی چاہئے۔ معلوم ہوا کہ جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں خواہ انبیاء ہوں یا اولیاء ہوں وہ سب کے سب اللہ کے بےبس بندے ہیں اور ہمارے بھائی ہیں، مگر حق تعالیٰ نے انہیں بڑائی بخشی تو ہمارے بڑے بھائی کی طرح ہوئے، ہمیں ان کی فرمانبرداری کا حکم ہوا کیونکہ ہم چھوٹے ہیں، لہذا ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرو اور انہیں الٰہ (معبود) نہ بناؤ۔۔۔۔۔۔۔ (صفحہ ۱۳۴۔ ۱۳۵)

شاہ اسماعیل شہیدؒ کا نبی اکرم ﷺ کو بڑے بھائی سے مشابہت دینے کا مقصد واضح ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا احترام ضروری ہے، ان کا زیادہ سے زیادہ احترام کیا جائے، لیکن اس نوعیت کا احترام نہیں کیا جائے کہ نبی اکرم ﷺ کو معبود بنادیا جائے، جو کہ بالکل غلط ہے۔ اس عبارت کی بناء پر کسی شخص کو کیسے کافر کہا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں ارشاد فرمایا ہے: فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا (سورۃ البقرہ ۲۰۰) جب تم اپنے حج کے ارکان سے فارغ ہوجاؤ تو تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسا کہ باپ دادا کا ذکر کرتے ہو بلکہ باپ دادا کے ذکر کرنے سے بھی زیادہ اللہ کا ذکر کرو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کرنے کو باپ دادا کے ذکر کرنے سے مشابہت دی ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ باپ دادا بن گیا، بلکہ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کریں۔

میری تمام حضرات سے خصوصی درخواست ہے کہ کسی معین شخص کو کافر کہنے سے بالکل باز رہیں جبکہ وہ اللہ کی وحدانیت اور قرآن کے کتاب اللہ ہونے کا اقرار کرتا ہو، اور رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین بھی مانتا ہو، مزید برآں قرآن وحدیث پر عمل پیرا بھی ہو۔ لہذا آپ اگر کسی شخص کی تحریر سے متفق نہیں ہیں تو اس کی تردید کرسکتے ہیں لیکن کافر نہیں کہہ سکتے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

محمد نجیب قاسمی، سنبھلی (najeebqasmi@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن۔

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحبؒ

تقریباً ۱۵۰ سال سے امت مسلمہ کی دلوں کی دھڑکن بن کر دارالعلوم دیوبند طالبان علوم نبوت کو علم کی دولت کے ساتھ عمل صالح اور اخلاق فاضلہ کی پاکیزہ تربیت دینے میں مصروف ہے۔ اس کا اصل سرمایہ توکل علی اللہ ہے، کسی حکومت کی امداد یا کسی مستقل ذریعہ آمدنی کے بغیر محض اللہ عزوجل کے فضل وکرم اور عام مسلمانوں کے عطیات سے یہ ادارہ اپنی بیش بہا خدمات کی طرف رواں دواں ہے۔

اسی ادارہ کے حالیہ مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ شہر بجنور کے ایک امیر گھرانے میں تقریباً ۱۰۰ سال قبل پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب شہر بجنور کے رئیس زمیندار تھے۔ وہ دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے ممبر بھی تھے۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۳۲ء میں فراغت حاصل کی۔ آپ نے حضرت مولانا مفتی سہول صاحب سے افتاء کی تعلیم حاصل کی۔ فراغت کے بعد اپنے محلّہ کی مسجد میں تقریباً ۲۵ سال امامت کے فرائض انجام دیے، لیکن اس خدمت کے لئے نہ صرف یہ کہ انہوں نے کوئی معاوضہ لیا بلکہ اس دوران مسجد کی مختلف مالی ضروریات خود ہی پوری کرتے تھے۔ ۱۹۶۲ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔ اس ذمہ داری کو نبھانے کے لئے جب بھی کبھی دارالعلوم دیوبند کا سفر کرتے اپنے تمام اخراجات خود ہی برداشت کرتے حتیٰ کہ اگر دارالعلوم کی کوئی چائے بھی پیتے تو اس کی قیمت دارالعلوم میں جمع فرماتے۔ اجلاس صد سالہ کے بعد ۱۹۸۱ء میں مساعد مہتمم مقرر ہوئے۔ ۱۹۸۲ء میں مہتمم بنے اور جب سے تا وفات (یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ۔ ۸ دسمبر ۲۰۱۰ء) اس منصب پر فائز رہے۔ ۱۹۸۲ء کے انتہائی نازک حالات میں مولانا نے دارالعلوم دیوبند کے اہتمام اور قیادت کی ذمہ داری سنبھالی۔ انہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور تدبر سے اس عظیم درسگاہ کو منظم رکھنے میں مسلسل ۳۰ سال بے مثال خدمات انجام دیں۔

حضرت مولانا مرحوم نے اپنے تیس سالہ اہتمام کے دوران کوئی تنخواہ نہیں لی بلکہ ایک چھوٹا سا کمرہ جو آپ کو رہائش کے لئے دیا گیا تھا اس کا بھی پابندی کے ساتھ کرایہ ادا کرتے تھے۔ اپنے مہمانوں کی چائے وغیرہ کا مکمل خرچ اپنی جیب سے ادا کرتے تھے، اگرچہ وہ دفتری اوقات میں ہی کیوں نہ آئیں۔ مولانا مرحوم نے اپنی جائداد کا ایک حصہ فروخت کرکے دارالعلوم پر خرچ کیا۔ اس کے علاوہ اکثر وبیشتر تعاون کرتے رہتے تھے۔ حضرت مولانا مرحوم کبھی بھی اپنی رائے پر اصرار نہیں کرتے تھے، البتہ جو بات طے ہو جاتی اس کے نفاذ پر سختی سے عمل پیرا ہوتے، اور ذمہ داروں سے ایک ایک پیسہ کا حساب لیا کرتے تھے۔ انتہائی صبر وتحمل کے ساتھ سب کو ساتھ لینے کے جذبہ سے کام کرتے تھے۔ تیس سال قبل اہتمام کی ذمہ داری سنبھالنے کے وقت دارالعلوم کا سالانہ بجٹ تقریباً پچاس لاکھ روپئے تھا، اب چونکہ طلبہ کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے، نیز تعمیری کاموں کا سلسلہ برابر جاری ہے، اس لئے اب سالانہ بجٹ تقریباً ۱۴ کروڑ روپئے ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے تحفظ اور اسے ایک عظیم مقام پر پہونچانے میں جو کردار حضرت مولانا مرحومؒ نے ادا کیا وہ انتہائی قابل قدر ہے۔ حضرت مولانا مرحوم صاحب فضل اور صاحب تقویٰ عالم دین تھے، تواضع وانکساری کے حامل تھے، شرافت اور بزرگی کے مجسم پیکر تھے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ تمام دینی مدارس خاص کر دارالعلوم دیوبند کی تمام شرور وفتن سے حفاظت فرمائے۔ آمین، ثم آمین۔ نیز تمام منتسبین اور بہی خواہان دارالعلوم سے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

محمد نجیب قاسمی، سنبھلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْن.

شیخ الحدیث ومجاھد آزادی مولانا محمد اسماعیل سنبھلیؒ

اپنے حقیقی دادا شیخ الحدیث ومجاہد آزادی حضرت مولانا محمد اسماعیل سنبھلیؒ کی زندگی کے مختصر احوال تحریر کررہا ہوں :

☆ ۱۸۹۹ء میں شہر سنبھل کے محلّہ دیپا سرائے میں ترک برادری کے سرو والے خاندان میں پیدا ہوئے۔

☆ ابتدائی تعلیم سنبھل اور بھاول پور میں ہوئی۔

☆ ۱۹۱۹ء میں جب جلیان والا باغ کا انسانیت سوز واقعہ پیش آیا تو مولانا نے نہایت جوشیلی وولولہ خیز تقریر کی، اسی تقریر سے ان کی سیاسی وسماجی زندگی کا آغاز ہوا۔ اس موقع پر آپ کو رئیس المقررین کا خطاب دیا گیا۔

☆ ۱۹۲۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخلہ لیا۔

☆ ۱۹۲۱ء میں طالب علمی کے زمانہ میں ہی انگریزوں کے خلاف پر جوش تقاریر کے جرم میں گرفتار کیا گیا، دو سال قید با مشقت کا حکم سنایا گیا۔

☆ دو سال کی قید با مشقت سے رہائی کے بعد سنبھل ہی میں رہ کر اپنی ادھوری تعلیم کی طرف توجہ دی۔

☆ ۱۹۲۲ء میں دوبارہ دارالعلوم دیوبند جاکر مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور دیگر اساتذہ کرام کی صحبت میں رہ کر تعلیم مکمل کی۔

☆ ۱۹۲۴ء کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مدرسہ شاہی مرادآباد میں مدرس ہوگئے۔

☆ ۱۹۳۰ء میں جمعیت علماء ہند کے ساتویں ڈکٹیٹر کی حیثیت سے انگریزوں نے گرفتار کیا، چھ ماہ قید با مشقت کی سزا ملی۔

☆ ۱۹۳۴ء کے الیکشن میں سنبھل کے مشہور ومعروف نواب عاشق حسین کے مقابلہ میں فتح حاصل کی۔

☆ ۱۹۴۲ء میں جب کانگریس نے ہندوستان چھوڑو کا نعرہ دیا، تو ہندوستان کے دیگر سیاسی رہنماؤں کے ساتھ مولانا کو سنبھل سے گرفتار کیا گیا، تقریباً ایک سال بعد رہائی ہوئی۔۔۔ غرض مولانا نے ہندوستان کی آزادی کے لئے تقریباً چار سال جیل میں گزارے۔

☆ ۱۹۴۶ء میں M.L.A کے الیکشن میں دوبارہ فتح حاصل کی اور ۱۹۵۲ء تک M.L.A رہے۔

☆ ۱۹۴۶ء میں اپنی سیاسی مصروفیات کی وجہ سے مدرسہ شاہی مرادآباد کی درس وتدریس کی خدمات سے سبکدوشی حاصل کرلی۔

☆ ۱۹۵۲ء سے ۱۹۵۷ء تک جمعیت علماء ہند کے ناظم اعلیٰ رہے۔

☆ ۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۲ء تک مدرسہ چلہ امروہہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

☆ ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۵ء تک مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں بخاری شریف کا درس دیا۔

☆ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۳ء تک مدرسہ تعلیم الاسلام گجرات میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہ کر بخاری ومسلم کا درس دیا۔

☆ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۴ء تک بنارس دارالعلوم میں شیخ الحدیث رہے اور درس بخاری دیا۔ غرض آپ نے ۱۷ سال تک بخاری پڑھائی۔

☆ ۱۹۷۴ء میں ملازمت کا ارادہ ترک کرکے سنبھل تشریف لے آئے اور تصنیفی کام میں مصروف ہوگئے۔ آپ کی تصنیفات میں "اخبار التنزیل" یعنی قرآن کی پیشین گوئیاں، "تقلید ائمہ" اور "مقامات تصوف" قابل ذکر ہیں۔

☆ موانہ میرٹھ کے باشندوں کے بیحد اصرار پر وہاں آٹھ ماہ قیام فرما کر درس قرآن دیا۔

☆ آخری عمر میں کئی سال رمضان المبارک بمبئی میں گزارے اور تراویح کے بعد قرآن کریم کی تفسیر بیان فرمائی۔

☆ ۲۳ نومبر ۱۹۷۵ء بروز اتوار کو سنبھل میں وفات ہوئی۔ (تفصیل کے لئے فائل ڈاؤن لوڈ کریں)

محمد نجیب قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم وَعَلیٰ آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْن.

Riba, Mutual Funds & Life Insurance

چند ایام سے Riba، Mutual Funds اور Life Insurance کے متعلق انٹرنیٹ کے ایک گروپ پر متعدد احباب کے خیالات پڑھنے کو ملے۔ بحث ومباحثہ مقصود نہیں ہے، صرف اصلاح کی غرض سے قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک مضمون تحریر کررہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخروی زندگی سامنے رکھ کر اس فانی دنیاوی زندگی کو گزارنے والا بنائے، مال کو صرف جائز طریقہ سے کمانے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری روح اس حال میں جسم سے پرواز کرے کہ اے اللہ تعالیٰ! تو ہم سے راضی اور خوش ہو۔ آمین ۔ثم آمین۔

اصل موضوع سے قبل دو اہم امور پر روشنی ڈالنا مناسب سمجھتا ہوں جس سے اصل موضوع کا سمجھنا آسان ہوجائے گا۔

۱) قرآن وحدیث کی روشنی میں مال کی حیثیت:

مال اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے لیکن مال کے نعمت بننے کے لئے ضروری ہے کہ مال کو حلال وسائل اختیار کرکے حاصل کیا جائے اور اس مال سے متعلق جو اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں یعنی زکوۃ وغیرہ ان کی ادائیگی کی جائے۔۔۔مال نعمت ہونے کے ساتھ ایک انسانی ضرورت بھی ہے، لیکن مال کے نعمت اور ضرورت ہونے کے باوجود خالق کائنات اور تمام نبیوں کے سردار حضور اکرم ﷺ نے مال کو متعدد جگہوں پر فتنہ، دھوکے کی چیز اور محض دنیاوی زینت کی چیز قرار دی ہے۔ چند مثالیں عرض ہیں:

☆ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا (سورہ الکہف ۴۶) مال و اولاد تو فانی دنیا کی عارضی زینت ہیں۔

☆ اَلْہٰکُمُ التَّکَاثُرُ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (سورہ التکاثر ۱۔۲) مال و اولاد کی زیادتی کی چاہت نے تمہیں اللہ کی عبادت سے غافل کردیا یہاں تک کہ تم قبرستان جا پہنچے۔

☆ اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَیَاۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَلَھْوٌ وَزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (سورہ الحدید ۲۰) خوب جان لو کہ دنیاوی زندگی صرف کھیل تماشا، عارضی زینت اور آپس میں فخر وغرور اور مال واولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر امت کے لئے ایک فتنہ رہا ہے، میری امت کا فتنہ مال ہے۔ (ترمذی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے جنت کو دیکھا تو وہاں غریب لوگوں کو زیادہ پایا۔ (بخاری ومسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: غریب لوگ مالداروں سے پانچ سو سال قبل جنت میں داخل ہوں گے۔ (ترمذی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے تمہارے لئے غریبی کا خوف نہیں ہے بلکہ مجھے خوف ہے کہ پہلی قوموں کی طرح کہیں تمہارے لئے دنیا یعنی مال ودولت کھول دی جائے اور تم اس کے پیچھے پڑ جاؤ، پھر وہ مال ودولت پہلے لوگوں کی طرح تمہیں ہلاک کردے۔ (بخاری ومسلم)

۲) قرآن وحدیث کی روشنی میں سود ' شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ:

☆ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ. فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَاْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ (سورہ البقرہ ۲۷۸۔۲۷۹) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑدو، اگر تم سچ مچ

ایمان والے ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے تو تم اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

☜ سود کھانے والوں کے لئے اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے اور یہ ایسی سخت وعید ہے جو اور کسی بڑے گناہ مثلاً زنا کرنے، شراب پینے کے ارتکاب پر نہیں دی گئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے فرمایا کہ جو شخص سود چھوڑنے پر تیار نہ ہو تو خلیفہ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سے توبہ کرائے اور باز نہ آنے کی صورت میں اس کی گردن اڑا دے۔ (تفسیر ابن کثیر)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک درہم سود کا کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ ہے۔ (مسند احمد)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سود کے ۷۰ سے زیادہ درجے ہیں اور ادنی درجہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے زنا کرے۔ (موطا امام مالک، طبرانی)

ان تمهیدی دو ابواب کے بعد اصل موضوع کی طرف رجوع کرتا هوں، سب سے پهلے حلال ، حرام اور مشتبه چیزو ں کے متعلق اللّٰه کے حبیب حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد کو پڑهیں جسمیں شبه والی چیزوں سے تعامل کرنے کا شرعی اصول ذکر کیا گیا هے :

عن النعمان بن بشیر ؓ قال سمعتُ رسول اللہ ﷺ یقول: اِنَّ الْحَلَالَ بَیِّنٌ وَالْحَرَامَ بَیِّنٌ وَبَیْنَهُمَا اُمُوْرٌ مُشْتَبِهَاتٌ لَایَعْلَمُهُنَّ کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَی الشُّبُهَاتِ اِسْتَبْرَاَ لِدِیْنِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِی الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِی الْحَرَامِ کَالرَّاعِیْ یَرْعِی حَوْلَ الْحِمَی یُوْشِکُ اَنْ یَّرْتَعَ فِیْهِ.......... (بخاری ومسلم)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حلال واضح ہے، حرام واضح ہے۔ ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سارے لوگ نہیں جانتے۔ جس شخص نے شبہ والی چیزوں سے اپنے آپ کو بچالیا اس نے اپنے دین اور عزت کی حفاظت کی۔ اور جو شخص مشتبہ چیزوں میں پڑے گا وہ حرام چیزوں میں پڑ جائے گا اس چرواہے کی طرح جو کانٹوں کے قریب بکریاں چراتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ وہ ان کانٹوں میں الجھ جائے۔

نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ حکم کے اعتبار سے چیزوں کی تین قسمیں ہیں:

۱) وہ چیزیں جن کا حلال ہونا واضح ہے، مثلاً جائز لباس و جائز کھانے وغیرہ۔

۲) وہ چیزیں جن کا حرام ہونا واضح ہے، مثلاً سود کھانا، شراب پینا، زنا کرنا، جھوٹ بولنا، یتیم کا مال کھانا وغیرہ۔

۳) وہ چیزیں جن کے حلال اور حرام ہونے میں شبہ ہو جائے، مثلاً موضوع بحث مسائل (Mutual Funds اور Life Insurance)۔ امت مسلمہ کے موجودہ تمام مکاتب فکر کے بیشتر علماء ان مذکورہ شکلوں کے ناجائز و حرام ہونے پر متفق ہیں۔ بعض علماء نے موضوع بحث مسائل کی بعض شکلیں چند شرطوں کے ساتھ جائز قرار دی ہیں۔ لہذا جس کو نبی اکرم ﷺ کے اقوال فرمان سے واقعی سچی محبت ہے جو ہر مسلمان کو ہونی چاہئے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی بھی شخص اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسکے لئے اسکی اولاد، اسکے والدین اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں (بخاری ومسلم) تو وہ کبھی بھی ان مشتبہ امور کے قریب نہیں جائے گا، کیونکہ ہمارے نبی حضور اکرم ﷺ نے واضح طور پر ذکر فرمادیا کہ جس شخص نے شبہ والی چیزوں سے اپنے آپ کو بچالیا اس نے اپنے دین اور عزت کی حفاظت کر لی، اور جو شخص مشتبہ چیزوں کے چکر میں پڑا گویا وہ حرام چیزوں میں پڑ گیا۔

میرے عزیز دوستو! ان مذکورہ شکلوں میں رقم نہ لگانے پر اگر بظاہر کچھ وقتی نقصان بھی نظر آئے تو دوسرے جائز وبہتر وسائل سے اللہ تعالیٰ روزی عطا فرمائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً. وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (سورہ الطلاق ۲۔۳)۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لئے (غلط راستوں سے) چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے۔ اور ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو، اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اس کے لئے کافی ہوگا۔

تنبیہ:

☆ علماء کرام نے بعض شرائط کے ساتھ Shares خریدنے کے جواز کا فیصلہ فرمایا ہے، لیکن ان شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ ہم جس کمپنی کے Shares خریدنا چاہتے ہیں، اس کمپنی کے متعلق پہلے وافر معلومات حاصل کریں۔ اگر اس کمپنی کا کاروبار مثلاً شراب کا ہے، یا اس کمپنی کا کاروبار سود پر مشتمل ہے تو ایسی کمپنی کے Shares خریدنے جائز نہیں ہوں گے۔

☆ آجکل چند دنیاوی مادی طاقتیں مسلمانوں کے مال کو حاصل کے لئے اسلامی بینکنگ کے نام پر مختلف مالی پروجکٹس پیش کرتی رہتی ہیں، تاکہ مسلمان' اسلام کا نام دیکھ کر اپنی رقم ان کے حوالے کردیں۔ ان پروجیکٹس پر رقم لگانے سے قبل ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان پروجیکٹس کی مکمل تفصیلات معلوم کریں پھر علماء کرام کی سرپرستی میں رہ کر اخروی زندگی کو سامنے رکھ کر فیصلہ فرمائیں۔

☆ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس زمانے میں سودی نظام سے بچنا انتہائی مشکل ہے، مختلف اسباب کی وجہ سے کسی نہ کسی حد تک سودی نظام سے جڑنا ہی پڑتا ہے۔۔۔ میری ایسے تمام حضرات سے درخواست ہے کہ ہمیں اس دنیاوی زندگی میں رہ کر ہمیشہ ہمیشہ کی اخروی زندگی کی تیاری کرنی ہے، موت کا آنا یقینی ہے، البتہ موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں کہ ملک الموت کب ہماری جان نکالنے کے لئے آجائے، آنکھ بند ہونے کے بعد پھر ہمیں کوئی دوسرا موقعہ آخرت کی تیاری کرنے کا میسر نہیں ہوگا۔ لہٰذا بظاہر دنیاوی نقصان وضرر کو برداشت کریں، کیونکہ دنیاوی زندگی تو بہر حال گزر جائے گی، لیکن آخرت کی ناکامی پر ناقابل تلافی نقصان وخسارہ ہوگا۔ میرے عزیز ساتھیو! مرنے کے بعد مال واولاد اسی وقت کام آئے گی جب ہم نے حلال وسائل اختیار کرکے مال کو کما کر ان پر خرچ کیا ہوگا۔

☆ جن حضرات نے بینکوں میں اپنا مال جمع کررکھا ہے اور اس پر سود مل رہا ہے، اس سے متعلق علماء کی رائے یہ ہے کہ سودی رقم بینکوں سے نکال کر عام رفاہی کاموں میں لگادیں، اپنے اوپر یا اپنی اولاد پر ہرگز خرچ نہ کریں۔

☆ بعض حضرات اگر Mutual Funds اور Life Insurance سے متفق ہیں تو میری ان سے درخواست ہے کہ وہ کم از کم دوسروں کو Emails بھیج کر دوسروں کو شک وشبہ میں نہ ڈالیں، کیونکہ اسلام نے نہ تو ہمارے اوپر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ ہم دوسروں کے مال کو بڑھانے کی فکر کریں اور نہ ہی اس کی کوئی ترغیب دی ہے، بلکہ قرآن وحدیث میں مال کو متعدد جگہوں پر فتنہ، دھوکے کی چیز، اور محض دنیاوی زینت کی چیز قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حلال، وسیع اور برکت والا رزق عطا فرمائے، اور مرنے سے پہلے مرنے کی تیاری کرنے والا بنائے۔ آمین۔

دعاؤں کا محتاج: محمد نجیب قاسمی (najeebqasmi@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْن.

قسطوں پر گاڑی یا مکان خریدنا

آجکل قسطوں پر گاڑی یا مکان خریدنے کا کافی رواج ہوگیا ہے۔۔۔ اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ جب آپ گاڑی خریدنے کے لئے Show Room جاتے ہیں تو گاڑی فروخت کرنے والا کہتا ہے کہ فلاں گاڑی Cash خریدنے پر مثلاً 50,000 ریال کی ہے، اور قسطوں میں خریدنے پر 60,000 ریال کی ہے۔۔۔ اگر آپ گاڑی قسطوں میں خریدنے کے لئے راضی ہوجاتے ہیں، تو دونوں Party (بائع اور مشتری) ایک Contract پر جسمیں Down Payment اور قسطوں کی ادائیگی کی تفصیل درج ہوتی ہے، دستخط کردیتی ہیں۔

اس طرح قسطوں پر گاڑی خریدنا یا فروخت کرنا شرعاً جائز ہے۔۔۔ لیکن اس بیع کے صحیح ہونے کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ خرید وفروخت کے وقت، گاڑی' بیچنے والے کی ملکیت اور قبضہ میں ہونی چاہئے۔

لیکن ان دنوں ایک اور مسئلہ درپیش ہے کہ گاڑی فروخت کرنے والا مثلاً (Show Room) کسی Bank یا Investment Company سے معاہدہ کرلیتا ہے جس کی بنیاد پر بینک یا انویسٹمینٹ کمپنی' گاڑی خریدنے والے کی طرف سے' گاڑی کی مکمل قیمت Cash ادا کردیتی ہے، اور گاڑی خریدنے والا' گاڑی کی قیمت قسطوں پر بینک یا انویسٹمینٹ کمپنی کو ادا کرتا ہے۔ یہ شکل وصورت شرعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ بینک یا انویسٹمینٹ کمپنی سے سود پر قرض لینے کے مترادف ہے، جو قرآن وحدیث کی روشنی میں حرام ہے۔

البتہ موجودہ مسئلہ میں جائز کی شکل اس طرح ہوسکتی ہے کہ بینک یا انویسٹمینٹ کمپنی' Show Room سے گاڑی Cash خریدلے، اور گاڑی بینک یا انویسٹمینٹ کمپنی کی ملکیت اور قبضہ میں آجائے، پھر بینک یا انویسٹمینٹ کمپنی' قسطوں پر گاڑی فروخت کرے۔

☆ قسطوں پر مکان خریدنے کے مسائل بھی' تقریباً قسطوں پر گاڑی خریدنے کی طرح ہیں۔

غرض اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے شریعت کے چند اصولوں کو ذہن میں رکھیں:

☆ سود پر پیسا لینا، یا دینا یا سود کے کاروبار میں کسی طرح کا شرکت کرنا قطعاً حرام ہے۔۔۔۔ اس لئے ہمیں سود کے شبہ سے بھی بچنا چاہئے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: سود کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں اور ادنی ترین شعبہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے زنا کرنا۔۔۔۔ (ابن ماجہ، حاکم، طبرانی)۔ نیز نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ایک درہم سود کا کھانا' چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ برا ہے۔ (مسند احمد) ــــــــــــــــــــ (انشاء اللہ، سود کے موضوع پر جلدی ہی قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک مضمون ارسال کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سود کی ہر شکل وصورت سے محفوظ فرمائے)۔

☆ جو چیز آپ کی ملکیت میں نہیں ہے، اس کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایسی چیز کو فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے جو ملکیت اور قبضہ میں نہیں ہے۔

☆ پیسے کا مقابلہ اگر پیسے سے ہے تو کمی بیشی جائز نہیں ہے۔

☆ پیسے کا مقابلہ اگر سامان یا کسی چیز سے ہے تو کمی بیشی جائز ہے۔

اس موضوع سے متعلق چند مسائل:

☆ مکان کے چھ ماہ کا کرایا' چھ ہزار ریال، اور ایک سال کا مکمل کرایا بیک وقت ادا کرنے کی صورت میں دو ہزار ریال کم' یعنی دس ہزار ریال۔۔۔ شرعاً اس طرح کرایا لینا یا دینا جائز ہے، کیونکہ یہاں پیسے کا مقابلہ پیسے سے نہیں ہے بلکہ مکان سے ہے۔

☆ آپ کے پاس' مکان کے چھ ماہ کا کرایا ادا کرنے کے لئے چھ ہزار ریال موجود ہیں۔ آپ نے اپنے دوست سے کہا کہ تم چار ہزار ریال مجھے اس وقت قرض دیدو، تاکہ میں ایک سال کا کرایا ادا کردوں جس سے دو ہزار ریال بچ جائیں اور وہ تم مجھ سے لے لینا، یعنی میں تمہیں بعد میں چھ ہزار ریال واپس ادا کردوں گا۔ شرعاً اس طرح دو ہزار ریال زیادہ ادا کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہاں پیسے کا مقابلہ پیسے سے ہے، جو کہ سود ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔ محمد نجیب قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِين۔

تین طلاق کا مسئلہ

حال ہی میں انٹرنیٹ کے ایک گروپ پر طلاق کے متعلق ایک فتویٰ پر مختلف حضرات کے تاثرات پڑھنے کو ملے۔ پڑھنے کے بعد محسوس ہوا کہ بعض حضرات طلاق کے معنی تک نہیں جانتے لیکن طلاق کے مسائل پر اپنی رائے لکھنے کو دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔

میرے عزیز دوستوں! آپ کسی مسئلہ پر کسی عالم/مفتی کی رائے سے اختلاف کرسکتے ہیں مگر قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ سے واقفیت کے بغیر کسی فتوی/مسئلہ پر اپنی رائے ظاہر کرنا اور اسکو بلاوجہ موضوع بحث بنانا جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی مسئلہ آپکی سمجھ میں نہیں آرہا ہے تو آپ معتبر علماء سے رجوع فرمائیں، ممکن ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کی رائے بھی وہی ہو۔ اگر مسئلہ علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے تو قرآن وحدیث کی روشنی میں اللہ سے ڈرتے ہوئے عالم/مفتی جو بات صحیح سمجھے گا اس کو تحریر فرمائے گا، خواہ آپ اس سے متفق ہوں یا نہیں۔

موضوع بحث مسئلہ (طلاق) پر گفتگو کرنے سے قبل نکاح کی حقیقت کو سمجھیں کہ نکاح کی حیثیت اگر ایک طرف باہمی معاملہ ومعاہدہ کی ہے تو دوسری طرف یہ سنت وعبادت کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ شریعت کی نگاہ میں یہ ایک بہت ہی سنجیدہ اور قابل احترام معاملہ ہے جو اس لئے کیا جاتا ہے کہ باقی رہے یہاں تک کہ موت ہی میاں بیوی کو ایک دوسرے سے جدا کرے۔ یہ ایک ایسا قابل قدر رشتہ ہے جو تکمیل انسانیت کا ذریعہ اور رضائے الٰہی واتباع سنت کا وسیلہ ہے۔ اور یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کے ٹوٹنے سے نہ صرف میاں بیوی متاثر ہوتے ہیں بلکہ اس سے پورے گھریلو نظام کی چولیں ہل جاتی ہیں اور بسا اوقات خاندانوں میں جھگڑے تک کی نوبت آجاتی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں میں طلاق سے زیادہ گھناؤنی اور کوئی چیز نہیں ہے۔ (ابوداؤد) اسی لئے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ طلاق کا لفظ کبھی مذاق میں بھی زبان پر نہ لایا جائے۔

اسی لئے جو اسباب اس بابرکت اور مقدس رشتہ کو توڑنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں انہیں راہ سے ہٹانے کا شریعت نے مکمل انتظام کیا ہے۔ چنانچہ میاں بیوی میں اختلاف کی صورت میں سب سے پہلے ایک دوسرے کو سمجھانے کی کوشش کی جائے، پھر زجر وتنبیہ (ڈانٹ ڈپٹ) کی جائے۔ اور اس سے بھی کام نہ چلے اور بات بڑھ جائے تو دونوں خاندان کے چند افراد مل کر معاملہ طے کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن بسا اوقات حالات اس حد تک بگڑ جاتے ہیں کہ اصلاح حال کی یہ ساری کوششیں بے سود ہوجاتی ہیں اور رشتہ ازدواج سے مطلوب فوائد حاصل ہونے کے بجائے میاں بیوی کا باہم مل کر رہنا ایک عذاب بن جاتا ہے۔ ایسی ناگزیر حالت میں کبھی کبھی ازدواجی زندگی کا ختم کردینا ہی نہ صرف دونوں کے لئے بلکہ دونوں خاندانوں کے لئے باعث راحت ہوتا ہے، اس لئے شریعت اسلامیہ نے طلاق اور فسخ نکاح (خُلع) کا قانون بنایا، جس میں طلاق کا اختیار صرف مرد کو دیا گیا کیونکہ اسمیں عادتاً وطبعاً عورت کے مقابلہ فکروتدبر اور برداشت وتحمل کی قوت زیادہ ہوتی ہے، جیسا کہ قرآن کی آیت ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ (سورۃ البقرۃ ۲۲۸) ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ (سورۃ النساء ۳۴) میں ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن عورت کو بھی اس حق سے یکسر محروم نہیں کیا گیا بلکہ اسے بھی یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ شرعی عدالت میں اپنا موقف پیش کرکے قانون کے مطابق طلاق حاصل کرسکتی ہے، جس کو خُلع کہا جاتا ہے۔

مرد کوطلاق کا اختیار دے کر اسے بالکل آزاد نہیں چھوڑ دیا گیا بلکہ اسے تاکیدی ہدایت دی گئی کہ کسی وقتی وہنگامی ناگواری میں اس حق کا استعمال نہ کرے۔نیز حیض کے زمانہ میں یا ایسے طُہر (پاکی) میں جس میں ہم بستری ہو چکی ہے طلاق نہ دے کیونکہ اس صورت میں عورت کی عدت خواہ مخواہ لمبی ہوسکتی ہے۔ بلکہ اس حق کے استعمال کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ جس پاکی کے ایام میں ہم بستری نہیں کی گئی ہے ایک طلاق دے کر رک جائے ،عدت پوری ہو جانے پر رشتۂ نکاح خود ہی ختم ہو جائے گا، دوسری یا تیسری طلاق کی ضرورت نہیں پڑے گی اور اگر دوسری یا تیسری طلاق دینی ہی ہے تو الگ الگ طہر میں دی جائے۔۔۔ پھر معاملۂ نکاح کو توڑنے میں یہ لچک رکھی گئی ہے کہ دوران عدت اگر مرد اپنی طلاق سے رجوع کرلے تو نکاح سابق بحال رہے گا۔۔۔ نیز عورت کو ضرر سے بچانے کی غرض سے حق رجعت کو بھی دو طلاقوں تک محدود کر دیا گیا تا کہ کوئی شوہر محض عورت کو ستانے کے لئے ایسا نہ کرے کہ ہمیشہ طلاق دیتا رہے اور رجعت کرکے قید نکاح میں اسے محبوس رکھے جیسا کہ سورہ البقرہ کی آیات نازل ہونے سے پہلے بعض لوگ کیا کرتے تھے، بلکہ شوہر کو پابند کر دیا گیا کہ اختیار رجعت صرف دو طلاقوں تک ہی ہے۔تین طلاقوں کی صورت میں یہ اختیار ختم ہو جائے گا بلکہ میاں بیوی اگر باہمی رضامندی سے بھی دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو ایک خاص صورت کے علاوہ یہ نکاح درست اور حلال نہیں ہوگا۔ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (سورۃ البقرہ ۲۳۰) میں یہی خاص صورت بیان کی گئی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے تیسری طلاق دے دی تو دونوں میاں بیوی رشتہ نکاح سے منسلک ہونا بھی چاہیں تو وہ ایسا نہیں کر سکتے یہاں تک کہ یہ عورت طلاق کی عدت گزارنے کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کرے، دوسرے شوہر کے ساتھ رہے، دونوں ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوں۔پھر اگر اتفاق سے یہ دوسرا شوہر بھی طلاق دیدے یا وفات پا جائے تو اس کی عدت پوری کرنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح ہوسکتا ہے۔ یہی وہ جائز حلالہ ہے جس کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے۔

اب موضوع بحث مسئلہ کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ اگر کسی شخص نے حماقت اور جہالت کا ثبوت دیتے ہوئے ابغض الحلال طلاق کے بہتر طریقہ کو چھوڑ کر غیر مشروع طور پر طلاق دیدی مثلاً تین طلاقیں ناپاکی کے ایام میں دے دیں، یا ایک ہی طہر میں الگ الگ وقت میں تین طلاقیں دے دیں، یا الگ الگ تین طلاقیں ایسے تین پاکی کے ایام میں دیں جسمیں کوئی صحبت کی ہو، یا ایک ہی وقت میں تین طلاقین دے دیں__________تو اس کا کیا اثر ہوگا ؟؟؟

ابغض الحلال طلاق کے بہتر طریقہ کو چھوڑ کر مذکورہ بالا تمام غیر مشروع صورتوں میں تین ہی طلاق پڑنے پر تمام علماء کرام متفق ہیں، سوائے ایک صورت کے، کہ اگر کوئی شخص ایک مجلس میں تین طلاق دے دے تو کیا ایک واقع ہوگی یا تین۔ جمہور علماء کی رائے کے مطابق تین ہی طلاق واقع ہوں گی۔ فقہاء صحابہ کرام حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت عبد اللہ بن عمروؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ وغیرہ وغیرہ تین ہی طلاق پڑنے کے قائل تھے۔ نیز چاروں امام (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) کی متفق علیہ رائے بھی یہی ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے پر تین ہی واقع ہوں گی، جیسا کہ ۱۳۹۳ھ میں سعودی عرب کے بڑے بڑے علماء کرام کی اکثریت نے بحث ومباحثہ کے بعد قرآن وحدیث کی روشنی میں یہی فیصلہ کیا کہ ایک وقت میں دی گئی تین طلاقین تین ہی شمار ہوں گی۔ یہ پوری بحث اور مفصل تجویز مجلة البحوث الاسلامیه ۱۳۹۷ھ میں ۱۵۰ صفحات میں شائع ہوئی

ہے جو اس موضوع پر ایک اہم علمی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس فیصلہ میں سعودی عرب کے جو اکابر علماء شریک رہے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔(۱) شیخ عبدالعزیز بن باز (۲) شیخ عبداللہ بن حمید (۳) شیخ محمد الامین الشنقیطی (۴) شیخ سلیمان بن عبید (۵) شیخ عبداللہ خیاط (۶) شیخ محمد الحرکان (۷) شیخ ابراہیم بن محمد آل الشیخ (۸) شیخ عبدالرزاق عفیفی (۹) شیخ عبدالعزیز بن صالح (۱۰) شیخ صالح بن غصون (۱۱) شیخ محمد بن جبیر (۱۲) شیخ عبدالمجید حسن (۱۳) شیخ راشد بن خنین (۱۴) شیخ صالح بن لحیدان (۱۵) شیخ مھدار عقیل (۱۶) شیخ عبداللہ بن غدیان (۱۷) شیخ عبداللہ بن منیع ۔ سعودی عرب کے ھیئة کبار العلماء کا یہ فیصلہ اختصار کے ساتھ اس Link پر پڑھا جاسکتا ہے۔(http://islamtoday.net/bohooth/artshow-32-6230.htm) نیز مضمون کے آخر میں بھی یہ فیصلہ مذکور ہے۔ سعودی عرب کے اکابر علماء نے قرآن وحدیث کی روشنی میں صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کو سامنے رکھ کر یہی فیصلہ فرمایا کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے پر تین ہی واقع ہوں گی۔ علماء کرام کی دوسری جماعت نے جن دو احادیث کو بنیاد بنا کر ایک مجلس میں تین طلاق دینے پر ایک واقع ہونے کا فیصلہ فرمایا ہے، سعودی عرب کے اکابر علماء نے ان احادیث کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔ نیز ہند، پاکستان، بنگلادیش اور افغانستان کے تقریباً تمام علماء کرام کی بھی یہی رائے ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ۱۴۰۰ سال سے امت مسلمہ (%95-90) اسی بات پر متفق ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار کی جائیں گی، لہٰذا اگر کسی شخص نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیدیں تو اختیار رجعت ختم ہوجائے گا نیز میاں بیوی اگر باہمی رضامندی سے بھی دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو یہ نکاح درست اور حلال نہیں ہوگا یہاں تک کہ یہ عورت طلاق کی عدت گزارنے کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کرے، دوسرے شوہر کے ساتھ رہے، دونوں ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوں۔ پھر اگر اتفاق سے یہ دوسرا شوہر بھی طلاق دیدے یا وفات پاجائے تو اس کی عدت پوری کرنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح ہوسکتا ہے۔ یہی وہ جائز حلالہ ہے جس کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے، جس کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ (سورۃ البقرہ ۲۳۰)

﴿نوٹ﴾: خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانہ خلافت میں ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے پر بے شمار مواقع پر باقاعدہ طور پر تین ہی طلاق کا فیصلہ صادر کیا جاتا رہا، کسی ایک صحابی کا کوئی اختلاف حتی کہ کسی ضعیف روایت سے بھی نہیں ملتا۔ اس بات کو پوری امت مسلمہ مانتی ہے۔ لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں جمہور فقہاء کرام خاص کر (امام ابوحنیفہ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) اور ان کے تمام شاگردوں کی متفق علیہ رائے بھی یہی ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے پر تین ہی واقع ہوں گی۔

آخر میں تمام حضرات سے خصوصی درخواست کرتا ہوں کہ مسائل سے واقفیت کے بغیر بلاوجہ Email بھیج کر لوگوں میں Confusions پیدا نہ کریں۔ علماء کرام کے متعلق کچھ لکھنے سے قبل قرآن کریم میں علماء کرام کے متعلق اللہ جل شانہ کے فرمان کا بخوبی مطالعہ فرمائیں: إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (سورۃ فاطر ۲۸) اللہ تعالیٰ کے بندوں میں علماء کرام ہی سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

دوسری درخواست یہ ہے کہ اس موضوع پر اگر کوئی سوال ہے تو گروپ پر بھیجنے کے بجائے کسی عالم سے رجوع فرمائیں۔

محمد نجیب قاسمی (najeebqasmi@yahoo.com)

سعودیہ کی مجلس کبار علماء کا فیصلہ

تین طلاق دینے سے تین ہی طلاق پڑتی ہے

ابتدائیہ:

وہ فروعی اور اختلافی مسائل، جن پر اصرار وتشدد کو ہمارے ملک کے غیر مقلدین نے اپنا شعار بنا رکھا ہے، ان میں سے ایک مسئلہ تین طلاق کے ایک ہونے کا ہے۔ انھیں اصرار ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق ایک ہی ہوتی ہے، یہ مسئلہ آج کل فرقہ پرست اور مسلم دشمن عناصر کے ہاتھوں میں کچھ اس طرح پہنچ گیا ہے، کہ انھوں نے اس کو مسلم پرسنل لا میں تحریف وترمیم کے لیے نقطۂ آغاز سمجھ لیا اور عنوان یہ بنایا گیا کہ اس کے ذریعہ سے مسلم معاشرہ کی اصلاح ہو سکے گی، پھر اسی بنیاد پر یہ مشورہ دیا جانے لگا کہ جب قدیم فتاویٰ سے انحراف کر کے طلاق کے مسئلہ میں نیا راستہ اختیار کیا جاسکتا ہے، تو کیوں نہ دوسرے مسائل پر بھی غور کیا جائے، حد تو یہ ہے کہ اس خالص علمی وفقہی مسئلہ کو اخبارات نے بازیچۂ اطفال بنا دیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک فتنہ ہے۔

سعودی عرب کی ہیئت کبار علماء نے اپنے ایک اجلاس میں موضوع کے تمام گوشوں پر بحث ومناقشہ کر کے فیصلہ کیا ہے کہ ایک لفظ سے دی گئی تین طلاق، تین ہی ہوتی ہے، یہ بحث ومناقشہ اور قرارداد ریاض کے مجلّہ البحوث الاسلامیۃ جلد اول کے تیسرے شمارہ میں شائع ہوئی ہے، اس بحث اور قرارداد کا ترجمہ اب سے چند سال پہلے محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے ایما پر المجمع العلمی مئو کی جانب سے شائع ہوا تھا، چوں کہ غیر مقلدین سعودی عرب کو اپنا ہم مسلک سمجھتے ہیں اور عوامی سطح پر انھیں بطور حجت پیش کرتے ہیں، نیز اسلام دشمن عناصر بھی بعض مسائل میں مسلم ممالک کا حوالہ پیش کرتے ہیں؛ اس لیے موجودہ حالات کی نزاکت کے پیش نظر اسے دوبارہ شائع کیا جاتا ہے۔ خدا کرے یہ فتنہ ٹھنڈا ہو۔

مدیر المجمع العلمی

مخالفین کا نقطۂ نظر

مخالفین کی رائے میں بیک لفظ تین طلاق دینے سے ایک واقع ہوتی ہے، صحیح روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی قول مروی ہے اور صحابۂ کرام میں حضرت زبیرؓ، ابن عوفؓ، علیؓ بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعودؓ اور تابعین میں عکرمہ وطاؤس وغیرہ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ اور ان کے بعد محمد بن اسحٰقؒ، فلاس، حارث عکلی، ابن تیمیہ، ابن قیم وغیرہ نے بھی اس کے موافق فتویٰ دیا ہے۔ علامہ ابن القیم نے اغاثۃ اللہفان میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے سوا اور کسی صحابی سے اس قول کی نقل صحیح ہم کو معلوم نہیں ہوئی۔ (اغاثۃ ۱/۱۷۹ بحوالہ اعلام مرفوعہ/۳۰)

ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ (البقرہ: ۲۲۹)

''طلاق دو مرتبہ ہے، پھر خواہ رکھ لینا قاعدہ کے موافق خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ''۔

آیت کی توضیح یہ ہے کہ مشروع طلاق جس میں شوہر کا اختیار باقی رہتا ہے، چاہے تو بیوی سے رجعت کرے یا بلا رجعت اسے چھوڑ دے، یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے اور بیوی شوہر سے جدا ہو جائے وہ دو بار ہے۔ "مَرَّتَان" کا معنی "مرۃً بعد مرۃ" ہے، خواہ ہر مرتبہ ایک طلاق دے یا بیک لفظ تین طلاق دے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ''دو مرتبہ'' کہا ہے ''دو طلاق'' نہیں کہا ہے۔ اس کے بعد اگلی آیت میں فرمایا:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ. (البقرۃ: ۲۳۰)

''پھر اگر طلاق دیدے عورت کو تو پھر وہ اس کے لیے حلال نہ رہے گی، اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ نکاح کرلے''۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ تیسری مرتبہ بیوی کو طلاق دینے سے وہ حرام ہو جاتی ہے، خواہ تیسری مرتبہ ایک طلاق دی ہو یا بیک لفظ تین طلاق دی ہو۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ متفرق طور پر تین مرتبہ طلاق دینے کی مشروعیت ہوئی ہے، لہٰذا ایک مرتبہ میں تین طلاق دینا ایک کہلائے گا اور وہ ایک سمجھا جائے گا۔

(۲)

مسلمؒ نے اپنی صحیح میں بطریق طاؤس ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے:

کان الطلاق الثلٰث علیٰ عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم و ابی بکرؓ و سنتیَن من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر رضی الله عنه انّ الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة فلو امضیناه علیهم فامضاه علیهم.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اور ابوبکرؓ کی خلافت اور عہد فاروقی کے ابتدائی دو سال میں تین طلاق ایک ہوتی تھی، پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا: لوگوں نے ایک ایسے معاملہ میں جس میں مہلت تھی عجلت سے کام لینا شروع کر دیا ہے، اگر ہم اسے یعنی تین طلاق کو نافذ کر دیتے تو اچھا ہوتا پس اسے نافذ کر دیا''۔

مسلم میں ابن عباسؓ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

''ابوالصہباء نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کیا آپ کو معلوم نہیں کہ عہد نبوی اور عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدا میں تین طلاق ایک تھی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہاں، لیکن جب لوگوں نے بکثرت طلاق دینا شروع کیا تو حضرت عمرؓ نے تینوں کو نافذ کر دیا''۔

یہ حدیث بیک لفظ تین طلاق کے ایک ہونے پر وضاحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے اور یہ حدیث منسوخ نہیں ہے، کیوں کہ عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدائی دو سال میں اس حدیث پر برابر عمل جاری رہا اور حضرت عمرؓ نے تین طلاق نافذ کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ لوگوں نے اس میں عجلت سے کام لینا شروع کر دیا ہے، انھوں نے نسخ کا دعویٰ نہیں کیا، نیز حضرت عمرؓ نے تین طلاق نافذ کرنے میں صحابۂ کرام سے مشورہ لیا اور کسی ایسی حدیث کے چھوڑنے میں جس کا نسخ حضرت عمرؓ کو معلوم ہو، صحابہ کرام سے مشورہ نہیں کرتے۔

مخالفین کہتے ہیں کہ حدیث ابن عباسؓ کے جو جوابات دیئے گئے ہیں، وہ یا تو پرتکلف تاویل ہے یا بلا دلیل لفظ کو خلاف ظاہر پر حمل کرنا ہے یا شذوذ و اضطراب اور طاؤس کے ضعیف ہونے کا طعن ہے، لیکن مسلم نے جب اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، تو یہ طعن ناقابل تسلیم ہے۔ مسلمؒ نے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ اپنی کتاب میں صرف صحیح حدیث ہی روایت کریں گے اور پھر اس حدیث کو مطعون کرنے والے اسی حدیث کے آخری حصہ ''فقال عمر إن الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه أناة الخ'' کو اپنے قول کی حجت بناتے ہیں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حدیث کا آخری حصہ قابل قبول حجت ہو اور اس کا ابتدائی حصہ اضطراب اور راوی کے ضعف کی وجہ سے ناقابل حجت ہو۔ اور اس سے بھی زیادہ بعید بات یہ ہے کہ عہد نبوی میں تین طلاق کے ایک ہونے پر عمل جاری رہا ہو؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع نہ رہی ہو، جب کہ قرآن نازل ہو رہا تھا، ابھی وحی کا سلسلہ برابر جاری تھا اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے حضرت عمر کے زمانے تک پوری امت ایک خطا پر عمل کرتی رہی ہو۔ انھیں پھس پھسی باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے فتویٰ کو ان کی حدیث کا معارض ٹھہرایا جائے، علمائے حدیث اور جمہور فقہاء کے نزدیک بشرطِ صحت راوی کی روایت ہی کا اعتبار ہوتا ہے، اس کے خلاف اس کی رائے یا فتویٰ کا اعتبار نہیں ہوتا۔ یہ قاعدہ ان لوگوں کا بھی ہے جو ایک لفظ کی تین طلاق سے تین نافذ کرتے ہیں۔ لوگوں نے عہد فاروقی میں ایک لفظ کی تین طلاق سے تین نافذ ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور حدیثِ ابن عباسؓ کو اس اجماع کا معارض ٹھہرایا ہے، حالانکہ انھیں معلوم ہے کہ اس مسئلہ میں سلف سے خلف تک اور آج تک اختلاف چلا آ رہا ہے۔

حدیث زوجۂ رفاعہ قرظی سے بھی استدلال درست نہیں، اس لیے کہ صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ انھوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقوں میں سے آخری طلاق دی تھی اور رفاعہ نضری کا اپنی بیوی کے ساتھ اس جیسا واقعہ ثابت نہیں کہ واقعات متعدد مانے جائیں اور ابن حجر نے تعدد واقعہ کا فیصلہ نہیں کیا، انھوں نے یہ کہا ہے کہ اگر رفاعہ نضری کی حدیث محفوظ ہوگی، تو دونوں حدیثوں سے واضح ہوتا ہے کہ واقعہ متعدد ہے، ورنہ ابن حجر نے اصابہ میں کہا ہے: ''.........لیکن مشکل یہ ہے کہ دونوں واقعہ میں دوسرے شوہر کا نام عبدالرحمٰن بن الزبیر متحد ہے''۔

(۳)

امام احمد نے اپنی مسند میں بطریق عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

قال طلق رکانة بن عبد یزید اخو بنی المطلب امرأته ثلاثا فی مجلس واحد فحزن علیها حزناً شدیدًا، قال فسأله رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کیف طلقتَها؟ قال طلقتُها ثلاثا قال فقال فی مجلس واحدٍ، قال: نعم، فقال فانما تلک واحدة فارجعها ان شئت، قال، فراجعها.

''رکانہ بن عبد یزید نے اپنی عورت کو ایک مجلس میں تین طلاق دی پھر اس پر بہت غمگین ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا، تم نے کیسی طلاق دی ہے؟ کہا کہ تین طلاق دی ہے، پوچھا کہ ایک مجلس میں؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! تو حضور نے فرمایا کہ یہ صرف ایک طلاق ہوئی اگر چاہو تو رجعت کر سکتے ہو، ابن عباسؓ نے فرمایا کہ انھوں نے اپنی بیوی سے رجعت بھی کر لیا تھا''۔

ابن قیم نے اعلام الموقعین میں کہا ہے کہ امام احمد اس حدیث کے سند کی تصحیح و تحسین کرتے تھے۔ (حافظ ابن حجر نے تلخیص میں اس حدیث کو ذکر کر کے فرمایا

ہے 'وھو معلول ایضًا' یعنی مسند احمد والی حدیث بھی بہت مجروح وضعیف ہے (ص:۳۱۹) اور حافظ ذہبی نے بھی اس کو ابوداؤد وابن الحصین کے مناکیر میں شمار کیا ہے، پس اس حالت میں اگر اس کی اسناد حسن یا صحیح بھی ہو، تو استدلال نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ اسناد کی صحت استدلال کی صحت کو مستلزم نہیں)۔ (اعلام مرفوعہ:۴۵)

اور جو یہ مروی ہے کہ رکانہ نے لفظ "بتہ" سے طلاق دی تھی، اسے احمدؒ، بخاریؒ اور ابوعبید نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (امام شافعی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم اور دار قطنی وغیرہ نے حضرت رکانہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اپنی بی بی کو لفظ "بتۃ" کے ساتھ طلاق دی.........حافظ ابن حجر نے تلخیص ۳۱۹/، میں لکھا ہے (صححه ابوداؤد و ابن حبان والحاكم) یعنی اس حدیث کو ابوداؤد اور ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ ابن ماجہ ۱۴۹/، میں ہے کہ میں نے اپنے استاذ طنافسی کو یہ فرماتے ہوئے سنا "ما اشرف هذا الحديث" یہ حدیث کتنی شریف و بہتر ہے۔ (اعلام مرفوعہ ۱۱/ العلامۃ المحدث الاعظمی)

(۴)

ابن تیمیہ، ابن قیم وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں اور خلافت عمرؓ کے ابتدائی دو سال میں ایک لفظ کی تین طلاق سے ایک ہی سمجھا جاتا رہا اور جو فتاویٰ صحابۂ کرام سے اس کے خلاف مروی ہیں، وہ حضرت عمرؓ کے تین طلاق نافذ کرنے کے بعد کے ہیں۔ تین طلاق نافذ کرنے سے حضرت عمرؓ کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ اسے ایک مستقل قاعدہ بنا ڈالیں جو ہمیشہ مستمر رہے، ان کا ارادہ تو یہ تھا کہ جب تک دواعی واسباب موجود ہیں، تین طلاق کو نافذ قرار دیا جائے، جیسا کہ تغیر حالات سے بدلنے والے فتاویٰ کا حال ہوتا ہے، اور امام کو اس وقت رعایا کی تعزیر کا حق بھی ہے، جس وقت ایسے معاملات میں جن کے کرنے اور چھوڑنے کا ان کو اختیار ہو، سوء تصرف پیدا ہو جائے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سزا کے طور پر غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے والے تین صحابہ کو ایک وقت تک اپنی بیویوں سے جدا رہنے کا حکم دے دیا تھا، باوجودیکہ ان کی بیویوں سے کوئی غلطی نہیں ہوئی تھی یا جیسے شراب نوشی کی سزا میں زیادتی، یا تاجروں کی ناجائز نفع اندوزی کے وقت قیمتوں کی تعیین، یا جان و مال کی حفاظت کے لیے لوگوں کو خطرناک راستوں پر جانے سے روکنا، باوجودیکہ ان راستوں پر ہر ایک کو سفر کرنا مباح رہا ہو۔

(۵)

پانچویں دلیل یہ ہے کہ تین طلاق کو لعان کی شہادتوں پر قیاس کیا جائے۔ اگر شوہر کہے کہ میں اللہ کی چار شہادت دیتا ہوں کہ میں نے اپنی عورت کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے، تو اسے ایک ہی شہادت سمجھا جاتا ہے، لہٰذا جب اپنی بیوی سے ایک مرتبہ میں کہا کہ میں تمھیں تین طلاق دیتا ہوں، تو اسے ایک ہی طلاق سمجھا جائے گا اور اگر اقرار کا تکرار کیے بغیر کہے کہ میں زنا کا چار مرتبہ اقرار کرتا ہوں، تو اسے ایک ہی اقرار سمجھا جاتا ہے، یہی حال طلاق کا بھی ہے اور ہر وہ بات جس میں قول کا تکرار معتبر ہے، محض عدد ذکر کر دینا کافی نہ ہوگا، مثلاً فرض نمازوں کے بعد تسبیح وتحمید وغیرہ۔

(شیخ شنقیطی نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے؛ اس لیے کہ شوہر اگر لعان کی صرف ایک ہی شہادت پر اکتفا کرلے تو وہ کالعدم قرار دیدی جاتی ہے، جب کہ ایک طلاق کالعدم نہیں قرار دی جاتی، وہ بھی نافذ ہو جاتی ہے۔ (اضواء البیان، ۱۹۵/۱، بحوالہ مجلۃ البحوث)

جمہور کا مسلک

بیک لفظ تین طلاق دینے سے تینوں واقع ہو جائیں گی، یہ جمہور صحابہ وتابعین اور تمام ائمہ مجتہدین کا مسلک ہے اور اس پر انھوں نے کتاب وسنت اور اجماع وقیاس سے دلائل قائم کیے ہیں۔ ان میں سے اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱)

يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَّ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ○

(الطلاق: ۱)

"اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کو ان کی عدت پر طلاق دو اور عدت گنتے رہو اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے، ان کو ان کے گھروں سے مت نکالو اور وہ بھی نہ نکلیں، مگر جو صریح بے حیائی کریں اور یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ کی حدوں سے بڑھے تو اس نے اپنا برا کیا اس کو خبر نہیں کہ شاید اللہ اس طلاق کے بعد نئی صورت پیدا کر دے"۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ طلاق مشروع کی ہے، جس کے بعد عدت شروع ہو، تاکہ طلاق دینے والا با اختیار ہو، چاہے تو عمدہ طریقہ سے بیوی کو رکھ لے یا خوب صورتی کے ساتھ چھوڑ دے۔ اور یہ اختیار اگرچہ ایک لفظ میں رجعت سے پہلے تین طلاق جمع کر دینے سے نہیں حاصل ہو سکتا؛ لیکن آیت

کے ضمن میں دلیل موجود ہے کہ یہ طلاق بھی واقع ہوجائے گی، اگر واقع نہ ہوتی تو وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا نہ کہلاتا اور نہ اس کے سامنے دروازہ بند ہوتا، جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔

مخرج کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ نے رجعت کی ہے۔ ایک سائل کے جواب میں جس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تھی، آپ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا" اور تم نے اللہ سے خوف نہیں کیا؛ لہٰذا میں تمہارے لیے کوئی خلاصی کی راہ نہیں پاتا ہوں، تم نے اللہ کی نافرمانی کی اور تم سے تمہاری بیوی جدا ہوگئی۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو شخص اپنی عورت کو تین طلاق دیدے، وہ خود پر ظلم کرنے والا ہے۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ تین طلاق سے ایک ہی واقع ہوتی ہے، تو اس کو اللہ سے ڈرنا نہیں کہا جا سکتا، جس کا حکم "وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ الخ" میں دیا گیا ہے اور جس کا التزام کرنے سے خلاصی کی سبیل پیدا ہوتی اور نہ یہ ظالم کی سزا بن سکتی ہے، جو حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا ہے، تو گویا شارع نے ایک منکر بات کہنے والے پر اس کا اثر مرتب نہیں کیا، جو اس کے لیے عقوبت بنتا، جیسا کہ بیوی سے ظہار کرنے والے پر بطور عقوبت کفارہ لازم ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تینوں طلاق نافذ کر کے طلاق دینے والے کو سزا دی ہے اور اس کے سامنے راستہ مسدود کر دیا ہے؛ اس لیے کہ اس نے اللہ سے خوف نہیں کیا، خود پر ظلم کیا اور اللہ کی حدود سے تجاوز کیا۔

(۲)

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

ان رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت فطلقت فسئل النبی صلی اللّٰه علیه وسلم اتحل للاول؟ قال: لا حتیٰ یذوق عسیلتها کما ذاق الاول.

"ایک شخص نے اپنی بی بی کو تین طلاقیں دیدیں، اس نے دوسرے سے نکاح کر لیا، دوسرے شوہر نے قبل خلوت کے طلاق دیدی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اب پہلے کے لیے حلال ہوگئی یا نہیں؟ فرمایا کہ نہیں تاوقتے کہ دوسرا شوہر پہلے کی طرح لطف اندوز صحبت نہ ہو، پہلے کے لیے حلال نہیں ہوسکتی"۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث "باب من اجاز الطلاق ثلاثا" کے تحت ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے بھی اس سے یکجا تین طلاق ہی سمجھا ہے؛ لیکن اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ رفاعہ قرظی کے واقعہ کا مختصر ہے، جس کی بعض روایات میں آیا ہے کہ انھوں تین طلاقوں میں کی آخری طلاق دی۔ حافظ ابن حجرؒ نے اعتراض کو اس طرح رد کیا ہے کہ رفاعہ قرظی کے علاوہ بھی ایک صحابی کا ایسا ہی واقعہ اپنی بیوی کے ساتھ پیش آیا ہے اور دونوں ہی عورتوں سے عبد الرحمٰن ابن الزبیر نے نکاح کیا تھا اور صحبت سے پہلے ہی طلاق دیدی تھی، لہٰذا رفاعہ قرظی کے واقعہ پر اس حدیث کو محمول کرنا بے دلیل ہے۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر نے کہا کہ "اس سے ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہوگئی جو دونوں واقعہ کو ایک کہتے ہیں"۔

جب حدیث عائشہؓ کا حدیثِ ابن عباسؓ کے ساتھ تقابل کیا جائے تو دو حال پیدا ہوتے ہیں، یا تو دونوں حضرات کی حدیث میں تین طلاق مجموعی طور پر مراد ہے یا متفرق طور پر، اگر تین طلاق یکجائی مراد ہے تو حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا متفق علیہ ہونے کی وجہ سے اولیٰ ہے، اور اس حدیث میں تصریح ہے کہ وہ عورت تین طلاق کی وجہ سے حرام ہوگئی تھی اور اب شوہر ثانی سے وطی کے بعد شوہر اول کے لیے حلال ہوسکتی ہے اور اگر متفرق طور پر مراد ہے تو حدیث ابن عباسؓ میں یکجائی تین طلاقوں کے واقع نہ ہونے پر استدلال صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ دعویٰ تو یہ ہے کہ ایک لفظ کی تین طلاق سے ایک طلاق پڑتی ہے اور حدیث ابن عباسؓ میں متفرق طلاقوں کا ذکر ہے اور یہ کہنا کہ حدیث عائشہؓ میں تین طلاق متفرق اور حدیث ابن عباسؓ میں مجموعی طور پر مراد ہے، بلا وجہ ہے۔ اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث کے علاوہ بھی، بہت سی احادیث ہیں، جو یکجائی تین طلاق کے نافذ ہونے پر دلالت کرتی ہیں، ان میں سے:

۱- حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ابن ابی شیبہ، بیہقی، دار قطنی نے ذکر کی ہے۔
۲- حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث دار قطنی نے ذکر کی ہے۔
۳- حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث بھی دار قطنی نے روایت کی ہے۔
۴- حضرت حسن بن علی کی حدیث بھی دار قطنی نے روایت کی ہے۔
۵- عامر شعبی سے فاطمہ بنت قیس کے واقعۂ طلاق کی حدیث ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔
۶- حضرت عبادہ بن صامت کی ایک حدیث دار قطنی و مصنف عبد الرزاق میں مذکور ہے۔

ان تمام احادیث سے تین طلاق کا لازم ہونا مفہوم ہوتا ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے حضرت الاستاذ محدث جلیل مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب کا رسالہ اعلام مرفوعہ ۴۲تا ۷۔

(۳)

بعض فقہاء مثلاً ابن قدامہ حنبلیؒ نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ نکاح ایک ملک ہے، جسے متفرق طور پر زائل کیا جا سکتا ہے، تو مجموعی طور پر بھی زائل کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ تمام ملکیتوں کا یہی حکم ہے۔ قرطبی نے کہا ہے کہ جمہور کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر شوہر نے بیوی کو تین طلاق دی، تو بیوی اس کے لیے اسی وقت حلال ہوسکتی

ہے، جب کسی دوسرے شوہر سے ہم صحبت ہولے۔ اس میں لغۃً اور شرعاً شوہر اول کے تین طلاق مجموعی یا متفرق طور پر دینے میں کوئی فرق نہیں ہے، فرق محض صورۃً ہے، جس کو شارع نے لغو قرار دیا ہے؛ اس لیے کہ شارع نے عتق، اقرار اور نکاح کو جمع وتفریق کی صورت میں یکساں رکھا ہے۔ مولیٰ اگر بیک لفظ کہے کہ میں نے ان تینوں عورتوں کا نکاح تم سے کر دیا، تو نکاح منعقد ہوجاتا ہے، جیسے الگ الگ یوں کہے کہ اس کا اور اس کا نکاح تم سے کر دیا تو نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اگر کہے میں نے ان تینوں غلاموں کو آزاد کر دیا تو سب کی آزادی نافذ ہوجائے گی، جیسے الگ الگ یوں کہے کہ میں نے اس کو اور اس کو اور اس کو آزاد کیا تو سب کی آزادی نافذ ہوجاتی ہے۔ یہی حال اقرار کا بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمع وتفریق میں کوئی فرق نہیں، زیادہ سے زیادہ یکجائی تین طلاق دینے والے کو اپنا اختیار ضائع کرنے میں انتہا پسندی پر ملامت کا مستحق ٹھہرایا جاسکتا ہے۔

(۴)

بعض مخالفین کے علاوہ تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ ہازل کی طلاق حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ کی اس حدیث کی وجہ سے واقع ہوجاتی ہے، جسے تمام امت نے قبول کیا ہے:

ثلاث جدهن جد وهزلهن جد الطلاق والنكاح والرجعة.

''تین چیزیں ہیں، جن کا واقعی بھی حقیقت ہے اور مذاق بھی حقیقت ہے۔ طلاق، نکاح، رجعت''۔

مذاق میں طلاق دینے والے کا دل بھی قصد وارادہ کے ساتھ طلاق کا ذکر کرتا ہے؛ لہٰذا جو طلاق ایک سے زائد ہوگی، وہ مسمّٰی طلاق سے خارج نہیں ہوگی؛ بلکہ وہ بھی صریح طلاق ہوگی اور تین طلاق کو ایک سمجھنا گویا بعض عدد کو زیرِ عمل لا کر باقی کو چھوڑ دینا ہے، لہٰذا یہ جائز نہ ہوگا۔

(۵)

یکجائی تین طلاق دینے سے تین واقع ہونا اکثر اہل علم کا قول ہے، اسی کو حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن عمروؓ، ابن مسعودؓ وغیرہ اصحابِ رسول نے اختیار کیا ہے اور ائمہ اربعہ ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ کے علاوہ دوسرے فقہا مجتہدین ابن ابی لیلیٰؒ، اوزاعیؒ وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ ابن عبدالہادی نے ابن رجب سے نقل کیا ہے کہ میرے علم میں کسی صحابی اور کسی تابعی اور جن ائمہ کے اقوال حلال وحرام کے فتویٰ میں معتبر ہیں، ان میں سے کسی سے کوئی ایسی صریح بات ثابت نہیں جو بیک لفظ تین طلاق کے ایک ہونے پر دلالت کرے، خود ابن تیمیہؒ نے تین طلاق کے حکم میں مختلف اقوال پیش کرنے کے دوران کہا:

''دوسرا مذہب یہ ہے کہ یہ طلاق حرام ہے اور لازم و نافذ ہے، یہی امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کا آخری قول ہے، ان کے اکثر تلامذہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور یہی مذہب سلفِ صحابہ وتابعین کی ایک بڑی تعداد سے منقول ہے''۔

اور ابن قیمؒ نے کہا:

''ایک لفظ کی تین طلاق کے بارے میں لوگوں کا چار مذہب ہے۔ پہلا مذہب یہ ہے کہ تین طلاق واقع ہوجاتی ہے، یہی مذہب ائمہ اربعہ، جمہور تابعین اور بہت سے صحابۂ کرام کا ہے''۔

علامہ قرطبیؒ نے فرمایا:

''ہمارے علماء نے فرمایا کہ تمام ائمہ فتاویٰ ایک لفظ سے تین طلاق کے لازم ہونے پر متفق ہیں اور یہی جمہور سلف کا قول ہے۔''

ابن عربی نے اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں کہا ہے اور اسے ابن قیمؒ نے بھی تہذیب السنن میں نقل کیا ہے:

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الطلاق مرتان (یعنی طلاق دو مرتبہ ہے) آخر زمانہ میں ایک جماعت نے لغزش کھائی اور کہنے لگے: ایک لفظ کی تین طلاق سے تین نافذ نہیں ہوتی، انھوں نے اس کو ایک بنا دیا اور اس قول کو سلفِ اول کی طرف منسوب کر دیا۔ علیؓ، زبیرؓ، ابن عوفؓ، ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے روایت کیا اور حجاج بن ارطاۃ کی طرف روایت کی نسبت کر دی؛ جن کا مرتبہ ومقام کمزور اور مجروح ہے، اس سلسلہ میں ایک روایت کی گئی، جس کی کوئی اصلیت نہیں''۔

انھوں نے یہاں تک کہا کہ:

''لوگوں نے اس سلسلہ میں جو احادیث صحابہ کی طرف منسوب کی ہیں، وہ محض افتراء ہے، کسی کتاب میں اس کی اصل نہیں اور نہ کسی سے اس کی روایت ثابت ہے۔''

اور آگے کہا:

''حجاج بن ارطاۃ کی حدیث نہ امت میں مقبول ہے اور نہ کسی امام کے نزدیک حجت ہے۔''

(۶)

حدیثِ ابن عباسؓ کے جوابات

حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث پر کہ ''عہد نبوی، عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدائی دو سال میں تین طلاق ایک تھی'' کئی اعتراضات وارد ہوتے ہیں،

جن کی بنا پر اس حدیث سے استدلال کمزور پڑ جاتا ہے۔

(الف) اس حدیث کے سند و متن میں اضطراب ہے، سند میں اضطراب یہ ہے کہ کبھی "عن طاؤس عن ابن عباس" کہا گیا، کبھی "عن طاؤس عن ابی الصھباء عن ابن عباس" اور کبھی "عن ابی الجوزاء عن ابن عباس" آیا ہے۔

متن میں اضطراب یہ ہے کہ ابوالصہباء نے کبھی ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

الم تعلم ان الرجل کان اذا طلق امرأته ثلاثا قبل ان یدخل بھا جعلوھا واحدة.

"کیا آپ کو معلوم نہیں کہ مرد جب ملاقات سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا تھا، تو لوگ اسے ایک شمار کرتے تھے"۔

اور کبھی ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

الم تعلم ان الطلاق الثلاث کان علیٰ عھد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم و ابی بکر و صدر من خلافة عمر واحدة.

"کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی دورِ خلافت میں تین طلاق ایک تھی"۔

(ب) حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرنے میں طاؤس منفرد ہیں اور طاؤس میں کلام ہے، اس لیے کہ وہ ابن عباسؓ سے مناکیر روایت کرتے ہیں۔ قاضی اسمٰعیل نے اپنی کتاب احکام القرآن میں کہا ہے کہ "طاؤس اپنے فضل و تقویٰ کے باوجود منکر باتیں روایت کرتے ہیں اور انھیں میں سے یہ حدیث بھی ہے"۔ ابن ایوب سے منقول ہے کہ وہ طاؤس کی کثرت خطا پر تعجب کرتے تھے۔ ابن عبدالبر مالکی نے کہا کہ "طاؤس اس حدیث میں تنہا ہیں"۔ ابن رجب نے کہا کہ "علمائے اہل مکہ طاؤس کے شاذ اقوال کا انکار کرتے تھے"۔ قرطبی نے ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے کہ "طاؤس کی روایت وہم اور غلط ہے، حجاز و شام اور مغرب کے کسی فقیہ نے اس پر اعتماد نہیں کیا ہے"۔

(ج) بعض اہل علم نے کہا ہے کہ حدیث دو وجہ سے شاذ ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ اس کی روایت کرنے میں طاؤس منفرد ہیں اور کوئی ان کا متابع نہیں۔ امام احمدؒ نے ابن منصور کی روایت میں کہا ہے کہ "ابن عباس کے تمام تلامذہ نے طاؤس کے خلاف روایت کیا ہے" جوزجانی نے کہا کہ "یہ حدیث شاذ ہے"۔ ابن عبدالہادی نے ابن رجب سے نقل کیا ہے کہ "میں نے بڑی مدت تک اس حدیث کی تحقیق کا اہتمام کیا؛ لیکن اس کی کوئی اصل نہ پاسکا"۔

شاذ ہونے کی دوسری وجہ وہ ہے جس کو بیہقی نے ذکر کیا ہے، انھوں نے ابن عباسؓ سے تین طلاق لازم ہونے کی روایات ذکر کر کے ابن المنذر سے نقل کیا کہ "وہ ابن عباس کے بارے میں یہ گمان نہیں کرتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے کوئی بات محفوظ کی ہو اور پھر اس کے خلاف فتویٰ دیں"۔ ابن ترکمانی نے کہا کہ "طاؤس کہتے تھے کہ ابوالصہباء مولیٰ ابن عباس نے ان سے تین طلاق کے بارے میں پوچھا تھا؛ لیکن ابن عباس سے یہ روایت اس لیے صحیح نہیں مانی جاسکتی کہ ثقات خود انھیں سے اس کے خلاف روایت کرتے ہیں اور اگر صحیح بھی ہو، تو ان کی بات ان سے زیادہ جاننے والے جلیل القدر صحابہ حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ وغیرہم پر حجت نہیں ہوسکتی"۔

حدیث میں شذوذ ہی کی وجہ سے دو جلیل القدر محدثوں نے اس حدیث سے اعراض کیا ہے۔ امام احمدؒ نے اثرم اور ابن منصور سے کہا کہ میں نے ابن عباسؓ کی حدیث قصداً ترک کردی؛ اس لیے کہ میری رائے میں اس حدیث سے یکجائی تین طلاق کے ایک ہونے پر استدلال درست نہیں؛ کیوں کہ حفاظ حدیث نے ابن عباسؓ سے اس کے خلاف روایت کیا ہے اور بیہقی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے حدیث کو اسی وجہ سے قصداً چھوڑ دیا، جس کی وجہ سے امام احمد نے ترک کیا تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ دو امامِ فن حدیث کو اسی وقت چھوڑ سکتے ہیں، جب کہ چھوڑنے کا سبب رہا ہو۔

(د) حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ایک اجتماعی حالت بیان کرتی ہے، جس کا علم تمام معاصرین کو ہونا چاہیے تھا اور متعدد طرق سے اس کے نقل کے کافی اسباب ہونے چاہیے تھے، جس میں اختلاف کی گنجائش نہ ہوتی، حالاں کہ اس حدیث کو ابن عباسؓ سے بطریق آحاد ہی روایت کیا گیا ہے، اسے طاؤس کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا ہے، جب کہ وہ مناکیر بھی روایت کرتے ہیں۔ جمہور علمائے اصول نے کہا ہے کہ اگر خبر آحاد کے نقل کے اسباب وافر ہوں، تو محض کسی ایک شخص کا نقل کرنا اس کے عدم صحت کی دلیل ہے۔ صاحبِ جمع الجوامع نے خبر کے عدم صحت کے بیان میں اس خبر کو بھی داخل کیا ہے، جو نقل کے اسباب وافر ہونے کے باوجود بطریق آحاد نقل کی گئی ہو، ابن حاجب نے مختصر الاصول میں کہا ہے:

"جب تنہا کوئی شخص ایسی بات نقل کرے، جس کے نقل کے اسباب کافی تھے، اس کے نقل میں ایک بڑی جماعت اس کے ساتھ شریک ہونی چاہیے تھی، مثلاً وہ تنہا بیان کرے کہ شہر کی جامع مسجد میں منبر پر خطبہ دینے کی حالت میں خطیب کو قتل کردیا گیا، تو وہ جھوٹا ہے، اس کی بات بالکل نہیں مانی جائے گی"۔

جس بات پر عہد نبوی، عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں تمام مسلمان باقی رہے ہوں، تو اس کے نقل کے کافی اسباب ہوں گے؛ حالاں کہ ابن عباسؓ کے علاوہ کسی صحابی سے اس کے بارے میں ایک حرف بھی منقول نہیں (اور اس کو بھی حضرت ابن عباسؓ نے ابوالصہباء کے تلقین کرنے پر بیان کیا ہے) صحابۂ کرام کی خاموشی دو بات پر دلالت کرتی ہے۔ یا تو حدیث ابن عباس میں تینوں طلاقیں بیک لفظ نہ مانی جائیں؛ بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ بیک وقت تین الفاظ میں تین طلاق دی گئی اور لفظ کا تکرار تاکید پر محمول کیا جائے، یا یہ حدیث صحیح نہیں، اس لیے کہ نقل کے کافی وسائل ہونے کے باوجود آحاد نے اسے روایت کیا ہے۔

(ر) جب ابن عباسؓ جانتے تھے کہ عہد نبوی، عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدائی دور میں تین طلاق ایک سمجھی جاتی تھی، تو ان کے صلاح وتقویٰ، علم و استقامت، اتباعِ سنت اور برملا حق گوئی کے پیش نظر یہ نہیں سوچا جاسکتا کہ انھوں نے یکجائی تین طلاق سے تین نافذ کرنے میں حضرت عمرؓ کے حکم کی اتباع کی ہوگی۔ تمتع حج، دو دینار کے عوض ایک دینار کی خرید وفروخت، ام ولد کی خرید وفروخت وغیرہ کے مسائل میں حضرت عمر سے انکا اختلاف پوشیدہ نہیں، لہٰذا کسی ایسے مسئلہ میں وہ حضرت عمرؓ کی موافقت کیسے کرسکتے ہیں، جس کے خلاف وہ خود روایت کرتے ہوں، تمتع حج کے بارے میں حضرت عمرؓ سے ان کا جو اختلاف ہوا ہے، اس سلسلہ میں ان کا یہ مشہور قول ان کی برملا حق گوئی کی واضح دلیل ہے، انھوں نے فرمایا کہ:

"قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر برسیں، میں کہتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تم لوگ کہتے ہو ابوبکر نے کہا، عمر نے کہا"۔

(س) اگر ابن عباسؓ کی حدیث کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے، تو قرون اولیٰ میں صحابۂ کرام کے صلاح وتقویٰ، علم واستقامت اور غایت اتباع کو دیکھتے ہوئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انھوں نے تین طلاقوں کو ایک جانتے ہوئے حضرت عمرؓ کا حکم قبول کرلیا ہوگا، اس کے باوجود کسی سے بہ سند صحیح یہ ثابت نہیں کہ اس نے حدیث ابن عباسؓ کے مطابق فتویٰ دیا ہو۔

(ص) مخالفین کا کہنا ہے کہ حضرت عمر نے تین طلاق سے تین کے نفاذ کا حکم سزا کے طور پر جاری کیا تھا؛ اس لیے کہ ایسے کام میں جس پر بڑے غور وفکر کے بعد اقدام کرنا چاہیے تھا، لوگوں نے عجلت سے کام لینا شروع کردیا تھا؛ لیکن یہ بات تسلیم کرنا موجب اشکال ہے، اس لیے کہ حضرت عمرؓ جیسا متقی عالم وفقیہ کوئی ایسی سزا کیسے جاری کرسکتا ہے، جس کے اثرات مستحق سزا تک ہی نہیں محدود رہتے؛ بلکہ دوسری طرف (یعنی بیوی کی طرف) بھی پہنچتے ہیں۔ حرام فرج کو حلال کرنا اور حلال فرج کو حرام کرنا اور حقوق رجعت وغیرہ کے مسائل اس پر مرتب ہوتے ہیں۔

مجلس کا فیصلہ

مجلس ہیئت کبار علماء نے جو فیصلہ کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

بعد دراسة المسئلة وتداول الرأي واستعراض الأقوال التي قيلت فيها ومناقشة ما على كل قول من إيراد توصل المجلس بأكثريته إلى اختيار القول بوقوع الطلاق الثلاث بلفظٍ واحدٍ ثلاثاً. (مجلة البحوث الإسلامية المجلد الأول، العدد الثالث، ص: ١٦٥)

مسئلہ موضوعہ کے مکمل مطالعہ، تبادلۂ خیال اور تمام اقوال کا جائزہ لینے اور ان پر وارد ہونے والے اعتراضات پر جرح ومناقشہ کے بعد مجلس نے اکثریت کے ساتھ ایک لفظ کی تین طلاق سے تین واقع ہونے کا قول اختیار کیا۔

لجنہ دائمہ نے تین طلاق کے مسئلہ میں جو بحث تیار کی ہے، اس کے اخیر میں مندرجہ ذیل اراکینِ مجلس کے دستخط بھی موجود ہیں۔

(۱) ابراہیم بن محمد آل الشیخ — صدر لجنہ

(۲) عبدالرزاق عفیفی — نائب صدر

(۳) عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن غدیان — عضوِ مجلس

(۴) عبداللہ بن سلیمان بن منیع — عضوِ مجلس

تنبیہ

اس مجلس کے جن علماء نے تین طلاق کو ایک قرار دیا ہے، انھوں نے صرف اس صورت کا یہ حکم بیان کیا ہے "جب کوئی شخص یوں طلاق دے کہ میں نے تین طلاق دی (یا دیا)؛ لیکن جب کوئی یوں کہے کہ میں نے طلاق دیا، میں نے طلاق دیا، میں نے طلاق دیا، تو اس صورت میں وہ بھی نہیں کہتے کہ ایک طلاق پڑے گی"۔ (یعنی اس صورت میں ان کے نزدیک بھی تین طلاق واقع ہوگی)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِيْم وَعَلیٰ آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِيْن.

امام کے پیچھے مقتدی کا سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم

قرآن وحدیث کی روشنی میں بعض مسائل میں علماء وفقہاء کے درمیان ابتداء اسلام سے ہی اختلاف چلا آرہا ہے۔ ان فروعی مسائل میں اختلاف کی حکمت ومصلحت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ممکن ہے کہ قرآن وحدیث کے علوم میں تحقیق کا دروازہ کھولنا مقصود ہو تاکہ امت مسلمہ ان مسائل کے لئے قرآن وحدیث سے رجوع کرتی رہے۔ مثلاً شب قدر کو اللہ تعالیٰ نے امت کے لئے مخفی رکھا تاکہ امت مسلمہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مختلف راتوں میں حتی کہ پورے سال اس کی تلاش کرتی رہے۔ نیز قرآن وحدیث میں کسی بھی جگہ اختلاف کرنے سے منع نہیں فرمایا ہے بلکہ بعض احادیث میں علماء کے درمیان اختلاف کو رحمت تک قرار دیا گیا ہے، البتہ نزاع اور جھگڑا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

نماز میں تکبیر تحریمہ سے لیکر سلام پھیرنے تک علماء وفقہاء کے درمیان عموماً اختلافات راجح ومرجوح سے متعلق ہیں، کہ کیا کرنا بہتر ہے، البتہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ تھوڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس مسئلہ میں علماء وفقہاء کی تین رائے ہیں، ہر مکتب فکر نے اپنے فیصلے کو قرآن وحدیث سے مدلل کیا ہے۔ البتہ تمام دلائل کو سامنے رکھ کر یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ نقد وجرح سے بالاتر کسی بھی حدیث سے واضح طور پر نہ تو یہ ثابت ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا حرام ہے اور نہ یہ ثابت ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے کی صورت میں نماز ادا ہی نہیں ہوگی۔ نیز مقتدی کے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا وقت نبی اکرم ﷺ کے واضح ارشادات میں دور دور تک حتی کہ احادیث ضعیفہ میں بھی موجود نہیں ہے۔ غرض زیر بحث مسئلہ میں علماء وفقہاء کی مندرجہ ذیل تین رائے ہیں :

۱۔ جہری نماز ہو یا سری، مقتدی خواہ امام کی قرأت سن رہا ہو یا نہیں، مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔

۲۔ جہری نماز (مغرب، عشاء اور فجر) میں مقتدی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھے گا، البتہ سری نماز (ظہر اور عصر) میں پڑھے گا۔

۳۔ جہری وسری ہر نماز میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں ہمارے اساتذۂ کرام نے پہلی رائے کو اختیار کیا ہے کہ جہری نماز ہو یا سری، مقتدی خواہ امام کی قرأت سن رہا ہو یا نہیں، مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ یہی رائے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ہے، جس کے بے شمار دلائل قرآن وحدیث میں موجود ہیں، یہاں اختصار کی وجہ سے چند دلائل تحریر کررہا ہوں :

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (سورہ الاعراف ۲۰۴) حضرات صحابہ، تابعین، مفسرین اور محدثین میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت امام زہریؒ، حضرت عبید بن عمیرؒ، حضرت عطا بن رباحؒ، حضرت مجاہدؒ، حضرت سعید بن المسیبؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت ضحاکؒ، حضرت ابراہیم نخعیؒ، حضرت قتادہؒ، حضرت عامر شعبیؒ ۔۔۔وغیرہ ۔۔۔ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں اس نمازی کا حکم ہے جو امام کی اقتداء میں نماز ادا کررہا ہو۔ (تفسیر طبری)

☆ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا جس میں ہمارے لئے زندگی گزارنے کے طریقہ کو بیان فرمایا اور ہمیں نماز سکھائی اور فرمایا: جب نماز ادا کرنے کا ارادہ کرو تو اپنی صفیں درست کرو، پھر تم میں سے ایک امام بنے اور امام جب تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّالِیْن کہے تو تم آمین کہو۔ (مسلم ج ۱ص: ۱۷۴) یہ صحیح حدیث واضح الفاظ میں بتارہی ہے کہ امام کی ذمہ داری قرأت کرنا اور مقتدیوں کا وظیفہ بوقت قرأت خاموش رہنا ہے۔ اگر امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہوتا تو نبی اکرم ﷺ اس کا تذکرہ یہاں ضرور فرماتے۔ اس حدیث میں جہری وسری نماز کی کوئی قید نہیں ہے اس لئے یہ حکم سب نمازوں کو شامل ہوگا۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب قعدہ میں ہو تو تم میں سے ہر ایک کا اولین ذکر تشہد ہونا چاہئے۔۔۔۔ (ترمذی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم نماز کے ارادے سے کھڑے ہو تو تم میں سے ایک تمہارا امام بنے اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔۔۔ (مسند احمد)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: امام اسی لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ لہذا جب امام تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہ کہے تو تم رَبَّنَا لَکَ الْحَمْد کہو۔ (نسائی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت کے حکم میں ہے۔ (مسند احمد)

یہ حدیث مختلف سندوں کے ساتھ حدیث کی متعدد کتابوں میں موجود ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر وہ نماز جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے سوائے اس نماز کے جو امام کی اقتداء میں پڑھی جائے۔ (ترمذی)

یہ حدیث سند کے اعتبار سے نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے، امام ترمذیؒ نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔

☆ نبی اکرم ﷺ کے پیچھے نماز میں کسی صحابی نے قرأت کی۔ آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ (مسند احمد، بیہقی)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے نماز پڑھائی تو کچھ لوگوں کو امام کے ساتھ قرأت کرتے سنا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم لوگ عقل وفہم سے کام لو۔ جب قرآن کی قرأت کی جائے تو اس کی طرف دھیان دو اور چپ رہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ (تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر، الدر المنثور للسیوطی)

﴿نوٹ.....﴾: حدیث: لَا صَلَاۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَاب میں موضوع بحث مسئلہ مراد نہیں ہے بلکہ یہاں دوسرا مسئلہ ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا کیا حکم ہے، سنت ہے یا ضروری۔ حدیث مطلق اور عام ہے اس لئے اس سے صرف یہ معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا ضروری ہے۔ البتہ امام کے پیچھے مقتدی سورۂ فاتحہ نہیں پڑھے گا جیسا کہ ترمذی کی صحیح حدیث میں گزر چکا ہے۔۔۔ نیز اگر کوئی شخص امام کو رکوع میں پالے تو دیگر احادیث کی روشنی میں سارے علماء نے فرمایا ہے کہ اس کی یہ رکعت سورۂ فاتحہ کے بغیر ادا ہوگئی، معلوم ہوا کہ یہ حدیث اپنے عموم پر دلالت نہیں کرتی ہے۔

طالب دعا: محمد نجیب قاسمی سنبھلی، ریاض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلىٰ آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْن۔

فجرکی ۲ رکعت سنت

فجرکی ۲ رکعت سنت کی اهمیت:

ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ فرض نمازوں کے ساتھ سنن ونوافل کا بھی خاص اہتمام کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب بھی حاصل ہوجائے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ نوافل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہوتا جاتا ہے۔ (بخاری) نیز اگر خدانخواستہ قیامت کے دن فرض نمازوں میں کچھ کمی نکلے تو سنن ونوافل سے اسکی تکمیل کردی جائے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے اعمال میں سے سب سے پہلے فرض نماز کا حساب لیا جائیگا، اگر نماز درست ہوئی تو وہ کامیاب وکامران ہوگا اور اگر نماز درست نہ ہوئی تو وہ ناکام اور خسارہ میں ہوگا۔ اور اگر کچھ نماز میں کمی پائی گئی تو ارشادِ خداوندی ہوگا کہ دیکھو اس بندے کے پاس کچھ نفلیں بھی ہیں جن سے فرضوں کو پورا کردیا جائے، اگر نکل آئیں تو ان سے فرضوں کی تکمیل کردی جائیگی۔ (ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد، مسند احمد)

دن رات میں ۱۲رکعت سنن مؤکدہ ہیں (۲رکعت نمازِ فجر سے قبل، ۴رکعت نمازِ ظہر سے قبل، ۲رکعت نمازِ ظہر کے بعد، ۲ رکعت نمازِ مغرب کے بعد اور ۲ رکعت نمازِ عشاء کے بعد)۔ البتہ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام نمازِ سنن میں سب سے زیادہ اہمیت فجر کی ۲رکعت سنتوں کی ہے، جیسا کہ بعض احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت عائشہ ؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: فجر کی دو رکعت (سنتیں) دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سے بہتر ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ دو رکعتیں پوری دنیا سے زیادہ محبوب ہیں۔ (مسلم)

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ فجر کی سنتوں سے زیادہ کسی نفل کی پابندی نہیں فرماتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فجر کی دو رکعت (سنت) نہ چھوڑو اگرچہ گھوڑوں سے تم کو روندیا جائے۔ (ابوداؤد)

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ظہر سے پہلے ۴ رکعت اور فجر سے پہلے ۲ رکعت کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔ (بخاری)

فجر کی جماعت شروع ہونے کے بعد ۲ رکعت سنت :

علماء کرام کا اتفاق ہے کہ نمازِ فجر کے علاوہ اگر دیگر فرض نمازوں (ظہر، عصر، مغرب اور عشاء) کی جماعت شروع ہو جائے تو اس وقت اور کوئی نماز حتی کہ اس نماز کی سنتیں بھی نہیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ البتہ فجر کی سنتوں کے سلسلہ میں علماء کی دو رائے ہیں، اور یہ دونوں رائے صحابہ کرام کے زمانے سے چلی آرہی ہیں، جیسا کہ امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے۔ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۸۲)

پہلی رائے کے مطابق :

فجر کی سنتوں کا حکم بھی دیگر سنتوں کی طرح ہے کہ جماعت شروع ہونے کے بعد سنت کی ادائیگی نہیں۔ اس رائے کے لئے بنیادی طور پر حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کو دلیل میں پیش کیا جاتا ہے، جس میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب جماعت شروع ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی اور نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔ (ترمذی۔جلد ۲ صفحہ ۲۸۲) (دوسری رائے کے نقطۂ نظر کے مطابق اس حدیث کا صحیح مفہوم مضمون کے آخر میں مذکور ہے، غرضیکہ حدیث کے نص کو سمجھنے میں علماء کی رائے مختلف ہیں)۔

دوسری رائے کے مطابق :

فجر کی سنتوں کی اہمیت کے پیش نظر' جماعت شروع ہونے کے بعد بھی حضرات صحابہ کرام یہ سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہوا کرتے تھے۔ لہذا اگر نماز کی دوسری رکعت مل جانے کی قوی امید ہو تو جہاں جماعت ہو رہی ہے اس سے حتی الامکان دور فجر کی دو رکعت سنت پڑھکر نماز میں شریک ہوں۔ جس کے لئے مندرجہ ذیل دلائل ہیں :

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا عمل:

حضرت عبداللہ بن ابی موسیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہماری مسجد میں تشریف لائے تو امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا، آپ نے ایک ستون کے قریب فجر کی سنتیں ادا فرمائیں چونکہ وہ اس سے پہلے سنتیں نہیں پڑھ سکے تھے۔۔۔۔۔ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی مضبوط ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ا ص ۷۵)

حضرت عبد اللّٰہ بن عباسؓ کا عمل:

حضرت ابوعثمان انصاری فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ تشریف لائے جب کہ امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا اور آپ نے فجر کی دو رکعت سنتیں نہیں پڑھی تھیں، تو پہلے انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں پھر جماعت میں شامل ہو کر فجر کی نماز پڑھی۔ (اثار السنن ج ۲ ص ۳۲، طحاوی، الرجل یدخل المسجد والامام، صَحَّحَہ النِّیْمَوِی)

حضرت عبد اللّٰہ بن عمرؓ کا عمل:

حضرت محمد بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ گھر سے نکلے تو فجر کی نماز کھڑی ہوگئی تھی، آپ نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے ہی دو رکعتیں پڑھیں پھر باجماعت نماز پڑھی۔ (طحاوی، الرجل یدخل المسجد والامام، اسنادہ حسن)

حضرت ابو الدرداءؓ کا عمل:

حضرت ابوالدرداءؓ مسجد میں تشریف لائے تو لوگ فجر کی نماز کے لئے صفوں میں کھڑے تھے، آپ نے مسجد میں ایک طرف دو رکعتیں پڑھیں پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے۔ (طحاوی، الرجل یدخل المسجد والامام)

دور فاروقی میں صحابہ کا عمل:

حضرت ابو عثمان مہدی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر بن الخطابؓ کے دور میں فجر سے پہلے کی دو رکعتیں پڑھے بغیر آیا کرتے تھے، جب کہ حضرت عمر فاروقؓ نماز پڑھا رہے ہوتے، ہم مسجد کے آخر میں دو رکعتیں پڑھ لیتے، پھر لوگوں کے ہمراہ نماز میں شریک ہوجاتے۔ (طحاوی، الرجل یدخل المسجد والامام)

ان جلیل القدر حضرات صحابہ کرام کے عمل سے معلوم ہوا کہ اگر نمازِ فجر کی جماعت مل جانیکی توقع ہے تو مسجد میں ایک طرف سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہونا چاہئے۔

اس موضوع پر مزید تحقیق کے لئے میں امام علی بن ابی بکر الہیثمی کی حدیث کی مشہور ومعروف کتاب: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد / بـــاب اذا اقیـمـت الـصـلاۃ ھل یصلی غیرھا کا خلاصہ ذکر کررہا ہوں۔ مؤلف مذکور نے اس باب کا نام رکھا ہے: اگر نماز شروع ہوجائے تو کیا کوئی نماز ادا کی جاسکتی ہے؟ اس موضوع سے متعلق سب سے مستند حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا عمل ذکر کیا گیا ہے: وہ اگر سنتیں پڑھے بغیر مسجد پہونچتے تو ستون کے قریب فجر کی سنتوں کو ادا فرماتے پھر جماعت میں شریک ہوتے۔ (متفقہ طور پر یہ حدیث صحیح ہے)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جن سے خلفاء راشدین ودیگر بڑے بڑے صحابہ کرام مسائل میں رجوع فرماتے تھے۔ ان کے علم وفقاہت کی صحابہ کے درمیان عام شہرت تھی۔ نیز ان کو حضور اکرم ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے کا والہانہ جذبہ وشوق تھا۔
اس حدیث کے بعد چند احادیث ذکر کی گئی ہیں جو یا تو ضعیف ہیں جن کے ضعف کا ذکر خود مؤلف مذکور نے کیا ہے۔ یا اس کا مطلب دوسرا ہے کہ جس سے احادیث کے درمیان بظاہر تضاد بھی نہ رہے، مثلاً حضرت ابوموسی کی روایت: نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ فجر کی نماز قائم ہونے کے وقت فجر کی سنتیں ادا کررہا ہے تو آپ ﷺ نے اس کے کندھے پر ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کاش اس نے سنتیں اس سے پہلے ہی ادا کرلی ہوتیں۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ فجر کی نماز شروع ہونے کے بعد سنت ادا ہی نہیں کرسکتے، بلکہ بہتر وافضل طریقہ کی طرف آپ ﷺ نے رہنمائی فرمائی کہ فجر کی جماعت شروع ہونے سے قبل ہی سنتوں سے فارغ ہوجاتا، جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

بہر حال ان احادیث سے یہ بات ضرور واضح ہوئی کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں صحابہ کرام فجر کی نماز کھڑی ہو جانے کے بعد بھی فجر کی دو رکعت سنت ادا کرلیا کرتے تھے، اگر وہ پہلے سے ادا نہ کر سکے ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کا صحیح مفہوم:

ارشاد نبی ﷺ ہے کہ جب نماز شروع ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی اور نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔ (ترمذی۔جلد ۲ صفحہ ۲۸۲) یقیناً صحیح حدیث ہے مگر دیگر احادیث وصحابہ کرام کے عمل کو سامنے رکھتے ہوئے یہ ہی کہا جائے گا کہ اس کا تعلق فجر کی نماز کے علاوہ دیگر نمازوں سے ہے، کیونکہ شریعت میں فجر کی دو رکعت سنتوں کی جو اہمیت ہے وہ دیگر سنن کی نہیں۔

دوسری بحث:

اگر سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہونا ممکن نہ ہو تو سنتیں چھوڑ دے اور جماعت میں شریک ہو جائے، پھر حکم نبوی کے مطابق (اگر ان سنتوں کو پڑھنا چاہے تو) سورج نکلنے کے بعد ان سنتوں کی قضا پڑھ لے، فجر کی نماز کے بعد یہ سنتیں نہ پڑھے چونکہ نبی اکرم ﷺ نے فجر کے بعد سے لے کر آفتاب تک نماز پڑھنے سے روکا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے فجر کی دو رکعتیں نہ پڑھی ہوں وہ سورج نکلنے کے بعد پڑھ لے۔ (ترمذی، قال الحاکم صحیح علی شرط الشیخین)

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی فجر کی دو رکعتیں فوت ہو گئیں، تو آپ نے سورج نکلنے کے بعد انہیں قضا پڑھا۔ (موطا مالک، ماجاء فی رکعتی الفجر)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: صبح کی نماز پڑھ کر کوئی اور نماز پڑھنے سے رُکے رہو تا آنکہ آفتاب طلوع ہو کر بلند ہو جائے۔ (بخاری، مسلم)

مذکورہ بالا احادیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ اگر فجر کی سنتیں چھوٹ جائیں تو سورج نکلنے کے بعد پڑھی جائیں، لیکن بعض احباب فجر کے فرائض سے فارغ ہوتے ہی پڑھ لیتے ہیں اور دلیل میں حضرت ابو موسیٰ کی روایت پیش کرتے ہیں جو کہ مرسل ہے جس کی سند متصل نہیں ہے، جیسا کہ خود امام ترمذی جنہوں نے یہ روایت ذکر کی ہے فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نماز فجر شروع ہونے سے قبل ہی ۲ رکعت سنتوں کی پابندی کرنے والا بنائے تاکہ شریعت میں جو اصل مطلوب ہے اس پر عمل ہو جائے۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض (najeebqasmi@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْم وَعَلىٰ آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْن۔

قرآن کریم پڑھنے کا ثواب میت کو پہنچنے کا حکم

روزمرہ کے تقریباً ۸۰ فیصد پریکٹیکل مسائل میں امت مسلمہ متفق ہے، کیونکہ شریعت اسلامیہ کا واضح حکم موجود ہے۔ البتہ چند اسباب کی وجہ سے روزمرہ کے تقریباً ۲۰ فیصد پریکٹیکل مسائل میں زمانۂ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے اور ان میں سے بعض اسباب یہ ہیں:

☆ نص فہمی میں اختلاف: (یعنی قرآن وحدیث کی عبارت سمجھنے میں اختلاف ہوجائے) مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ (سورہ النساء ۴۳)۔ علماء کی ایک جماعت نے اس آیت سے نواقض وضو مراد لیا ہے کہ عورت کو چھوتے ہی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ جبکہ دیگر مفسرین وفقہاء مثلاً امام ابوحنیفہؒ نے اس آیت سے نواقض غسل مراد لیا ہے کہ صحبت کرنے سے غسل واجب ہوتا ہے، عورت کو صرف چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ غرضیکہ نص فہمی میں اختلاف ہوا جس کی وجہ سے بعض مسائل میں اختلاف ہوگیا۔

☆ ناسخ ومنسوخ کو طے کرنے میں اختلاف: (یعنی حضور اکرم ﷺ کا آخری عمل کونسا ہے؟) مثلاً نبی اکرم ﷺ سے رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کا کرنا اور نہ کرنا دونوں احادیث سے ثابت ہے، البتہ نبی اکرم ﷺ کا آخری عمل کیا ہے، اس سلسلہ میں اختلاف ہے۔

☆ جدید استنباطی مسائل: نئے نئے مسائل میں اختلاف کا ہونا بدیہی ہے، کیونکہ ہر مجتہد وفقیہ کو اختیار ہے کہ وہ نئے مسائل کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں تلاش کرے۔ مثال کے طور پر اپنے جسم کے کسی عضو (مثلاً کڈنی) کو ہبہ کرنے کا مسئلہ۔

☆ کسی معین حدیث یا کسی خاص موضوع سے متعلق احادیث کو قابل قبول ماننے میں اختلاف ہوجائے (مثلاً موضوع بحث مسئلہ)۔

انہی ۲۰ فیصد مختلف فیہ مسائل میں قرآن کریم پڑھنے کا ثواب میت کو پہونچنے کا مسئلہ بھی ہے۔ اس مسئلہ میں زمانۂ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ علماء وفقہاء کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا، ان علماء وفقہاء میں سے حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ بھی ہیں، جبکہ دوسری جماعت کی رائے ہے کہ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے، ان علماء وفقہاء میں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام احمد ابن حنبلؒ نیز حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کے متعدد شاگرد بھی ہیں۔

علامہ قرطبیؒ نے اپنی کتاب تذکرۃ فی احوال الموتی میں تحریر کیا ہے کہ اس باب میں اصل صدقہ ہے، جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے تو جس طرح سے صدقہ کا ثواب میت کو پہونچتا ہے، قرآن کریم پڑھنے، دعا اور استغفار کا ثواب بھی میت کو پہونچے گا کیونکہ یہ بھی صدقات ہی ہیں، اور جن حضرات نے امام شافعیؒ کے متعلق گمان کیا ہے کہ وہ میت پر قرآن کریم پڑھنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں، وہ غلط ہے۔ کیونکہ صرف اختلاف اس میں ہے کہ اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے یا نہیں۔ امام شافعیؒ اور دیگر جمہور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب میت کو پہونچے گا اگر پڑھنے والا اللہ تعالیٰ سے پہنچنے کی دعا کرتا ہے۔ اور جن حضرات نے کہا ہے کہ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب نہیں پہونچتا، تو یہ اس وقت ہے جب کہ پڑھنے والا اللہ تعالیٰ سے پہونچنے کی دعا نہ کرے۔ (تذکرۃ فی احوال الموتیٰ للقرطبی) غرضیکہ علامہ قرطبیؒ کی تحقیق کے مطابق اکثر علماء کی رائے میں قرآن کریم پڑھنے کا ثواب میت کو پہونچتا ہے۔

اس موضوع سے متعلق چند احادیث شریفہ :

☆ حضرت عائشہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابورافع ؓ، حضرت ابوطلحہ ؓ انصاری اور حضرت حذیفہ ؓ کی متفقہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو مینڈھے قربان کئے۔ ایک اپنی طرف سے اور دوسرا امت کی طرف سے۔ (بخاری، مسلم، مسند احمد، ابن ماجہ، طبرانی، مستدرک اور ابن ابی شیبہ)۔ امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ قربانی کا ثواب دوسروں حتی کہ زندوں کو بھی پہنچتا ہے۔

☆ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میری ماں کا اچانک انتقال ہوگیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر انہیں بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ ضرور صدقہ کرنے کے لئے کہتیں۔ اب اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کے لئے اجر ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ (بخاری، مسلم، مسند احمد، ابوداود، نسائی)۔ امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ صدقہ کا ثواب میت حتی کہ زندوں کو بھی پہنچتا ہے۔

☆ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ (مسند احمد، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ)۔ اسی مضمون کی متعدد دوسری روایات حضرت عائشہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بخاری، مسلم، مسند احمد، نسائی، ترمذی، ابو داؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہیں، جن میں رسول اللہ ﷺ نے میت کی طرف سے صدقہ کرنے کی اجازت دی ہے اور اسے میت کے لئے نافع بتایا ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت ہے کہ ان کے دادا عاص بن وائل نے زمانۂ جاہلیت میں سو اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی تھی۔ ان کے چچا ہشام بن العاص نے اپنے حصہ کے پچاس اونٹ ذبح کردئے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں کیا کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے باپ نے توحید کا اقرار کرلیا تھا تو تم ان کی طرف سے روزہ رکھو یا صدقہ کرو وہ ان کے لئے نافع ہوگا۔ (مسند احمد)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کسی شخص کا انتقال ہوجائے تو اس کی تدفین میں جلدی کرو۔ اس کے سرہانے کی طرف سورۂ فاتحہ اور پیروں کی طرف سورۂ البقرہ کا آخر پڑھو۔ (علامہ حافظ ابن حجرؒ نے بخاری شریف کی شرح میں تحریر کیا ہے کہ یہ حدیث طبرانی نے صحیح (حسن) سند کے ساتھ ذکر کی ہے)۔

☆ صحابہ کرام سے بھی نبی اکرم ﷺ کے مذکورہ فرمان پر عمل کرنا ثابت ہے جیسا کہ امام بیہقیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے میت کے سرہانے کی طرف سورۂ فاتحہ اور پیروں کی طرف سورۂ البقرہ کا آخری رکوع پڑھنے کا عمل ذکر کیا ہے۔ مسلم کی مشہور شرح لکھنے والے امام نوویؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (الاذکار)۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سورۂ یس قرآن کریم کا دل ہے، جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کا قرب اور آخرت میں بھلائی حاصل کرنے کی غرض سے اسے پڑھے گا، وہ اس کو حاصل ہوگی۔ اور اس سورہ کو اپنے مُردوں پر پڑھا کرو۔ (مسند احمد، ابن ابی شیبہ، ابوداؤد، ابن ماجہ، صحیح ابن

حبان، سنن بیہقی، نسائی) محدثین کی ایک جماعت نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، علماء کرام کی ایک بڑی جماعت نے اسی اور دیگر احادیث کی بنیاد پر میت پر قرآن کریم پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے، جبکہ دیگر محدثین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن محدثین کا اصول ہے کہ فضائل کے سلسلہ میں ضعیف حدیث معتبر ہوتی ہے جیسا کہ امام نوویؒ نے جمہور علماء کے قول کو تحریر فرمایا ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص حالت نزاع میں ہو اور اس کے پاس سورۂ یس پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر نزاع کی حالت کو آسان فرمادیتا ہے۔ (مسند الدیلمی، نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار من احادیث سید الاخیار للقاضی الشوکانی)

☆ حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت ہے: اگر کوئی قبرستان میں سورۂ یس پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس قبرستان کے مُردوں سے عذاب قبر کو کم کردیتا ہے۔ شیخ عبدالعزیزؒ (صاحب الخلال) نے اس کی تخریج کی ہے۔ اس حدیث کو امام محمد بن عبدالوہابؒ نے اپنی کتاب احکام تمنی الموت میں، امام حافظ الزیلعیؒ نے کنز الدقائق کی شرح میں اور امام ابن قدامہ حنبلیؒ نے اپنی کتاب المغنی، کتاب الجنائز میں ذکر کیا ہے۔
امام ابن قدامہ حنبلیؒ نے اپنی اس مشہور کتاب المغنی، کتاب الجنائز میں ایک اور حدیث ذکر فرمائی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کسی شخص نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کی قبر پر سورۂ یس پڑھی تو میت کی مغفرت کردی جاتی ہے۔

مشہور و معروف محدث حضرت ابو مغیرہؒ کہتے ہیں کہ حضرت صفوانؒ نے فرمایا کہ مشائخ کہا کرتے تھے کہ اگر میت پر سورۂ یس پڑھی جاتی ہے تو اس کی برکت سے اس کے ساتھ تخفیف کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ (مسند احمد) امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت ابو مغیرہؒ سے متعدد احادیث نقل کی ہیں۔ شیخ محب الدین الطبریؒ اور علامہ الشوکانیؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے مرنے کے بعد کسی کی قبر پر سورۂ یس پڑھنا مراد ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کا قبرستان پر گزر ہو اور وہ گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب مرنے والوں کو بخش دے تو پڑھنے والے کو مردوں کی تعداد کے برابر ثواب ملے گا۔ (دارقطنی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص قبرستان میں داخل ہوکر سورۂ فاتحہ، قل ھو اللہ احد اور الہاکم التکاثر پڑھے، پھر کہے کہ میں نے جو پڑھا ہے اس کا ثواب ان حضرات کو پہونچایا جو اس قبرستان میں مدفون ہیں تو وہ حضرات کل قیامت کے دن اس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ سے شفاعت کریں گے۔ (دارقطنی)

☆ حضرت عبدالرحمٰن بن العلاءؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے فرمایا کہ جب میں انتقال کرجاؤں تو بِسمِ اللّٰهِ وعَلَى سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ کہہ کر لحد والی قبر میں دفن کردینا اور میرے سرہانے سورۂ فاتحہ پڑھنا، اس لئے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے۔ (اخرجہ الخلال فی الجامع "کتاب القراءۃ عند القبور")
علامہ حافظ ابن قیمؒ نے اس حدیث کو اپنی کتاب "الروح" میں ذکر کیا ہے، نیز انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ سلف صالحین کی ایک جماعت نے کتابوں میں تحریر کیا ہے کہ انہوں نے وصیت کی کہ دفن کے وقت ان کی قبر پر قرآن کریم پڑھا جائے۔

☆ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میں اپنے والدین کی خدمت ان کی زندگی میں تو کرتا رہا، ان کے انتقال کے بعد کیسے خدمت کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان کے ساتھ نیکی یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان کے لئے بھی نماز پڑھو اور اپنے روزہ کے ساتھ ان کے لئے بھی روزہ رکھو۔ (دار قطنی)

علامہ حافظ الزیلعیؒ نے اپنی کتاب "شرح کنز الدقائق" میں، امام ابن الہمامؒ نے "فتح القدیر" میں اور شیخ محمد العربی بن التبانی المالکی المغربیؒ نے اپنی کتاب "اسعاف المسلمین والمسلمات بجواز ووصول ثواب الی الاموات" میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: والدین کے ساتھ نیکی یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان کے لئے نماز پڑھو، اپنے روزہ کے ساتھ ان کے لئے بھی روزہ رکھو، اپنے صدقہ کے ساتھ ان کے لئے بھی صدقہ کرو۔ (المصنف للشیخ ابن ابی شیبہ) اور امام محمد بن عبدالوہابؒ نے اس حدیث کو اپنی کتاب "احکام تمنی الموت" میں ذکر کیا ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ قبیلہ خشعم کی ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میرے باپ کو فریضۂ حج کا حکم ایسی حالت میں پہنچا ہے کہ وہ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں، اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ بھی نہیں سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم ان کی طرف سے حج ادا کرو۔ (بخاری، مسلم، مسند احمد، ترمذی، نسائی)

☆ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ قبیلہ خشعم ہی کے ایک مرد کا ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بوڑھے باپ کے متعلق یہی سوال کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تمہارے باپ پر قرض ہو اور تم اس کو ادا کردو تو وہ ان کی طرف سے ادا ہوجائے گا؟ اس شخص نے کہا جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بس اسی طرح تم ان کی طرف سے حج ادا کرو۔ (مسند احمد، نسائی)

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی مگر وہ اس سے پہلے ہی مر گئیں۔ اب کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کرسکتی ہوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں پر اگر قرض ہوتا تو کیا تو اس کو ادا نہیں کرتی، اسی طرح تم لوگ اللہ کا حق بھی ادا کرو۔ اور اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کے ساتھ کئے ہوئے عہد پورے کئے جائیں۔ (بخاری، نسائی)

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا: میری ماں نے روزہ کی نذر مانی تھی اور وہ پوری کئے بغیر مر گئیں، تو کیا میں ان کی طرف سے روزہ رکھ سکتی ہوں؟ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان کی طرف سے روزہ رکھ لو۔ (بخاری، مسلم، مسند احمد، نسائی)

حضرت بریدہؓ کی ایک روایت ہے کہ ایک عورت نے حضور اکرم ﷺ سے اپنی ماں کے متعلق پوچھا کہ ان کے ذمہ ایک مہینے (یا دوسری روایت کے مطابق دو مہینے) کے روزے تھے، کیا میں یہ روزے ادا کردوں؟ آپ نے ان کو اس کی اجازت دی۔ (مسلم، مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ جو شخص انتقال کر جائے اور اس کے ذمہ کچھ روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزہ رکھ لے۔ (بخاری، مسلم، مسند احمد)

﴿وضاحت﴾: ان احادیث میں دوسروں کی طرف سے نماز اور روزہ رکھنے کا جو ذکر آیا ہے، ان سے نفلی یا نذر کی نماز اور روزہ مراد ہیں، کیونکہ دیگر احادیث میں فرض نماز یا رمضان کے روزہ کے متعلق واضح حکم موجود ہے کہ وہ دوسروں کی طرف سے ادا نہیں کئے جاسکتے ہیں بلکہ اس کے لئے فدیہ ہی ادا کرنا ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: گھر والوں کے میت پر (بلند آواز کے ساتھ) رونے کی وجہ سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

جن علماء وفقہاء کی رائے میں قرآن کریم پڑھنے کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا ہے، وہ عموماً مندرجہ ذیل ۲ دلائل پیش کرتے ہیں:

☆ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی. وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا۔ (سورہ النجم ۳۸ ـ ۳۹)

اگر اس آیت کے عموم سے قرآن کریم پڑھنے کا ثواب میت کو نہیں پہنچ سکتا ہے تو پھر ایصال ثواب، قربانی اور حج بدل وغیرہ کرنا سب ناجائز ہوجائیں گے، بلکہ دوسرے کے حق میں دعائے استغفار حتی کہ نمازِ جنازہ بھی بے معنی ہوجائے گی، کیونکہ یہ اعمال بھی اُس شخص کا اپنا عمل نہیں ہے جس کے حق میں دعا کی جارہی ہے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ عمومی طور پر ہر شخص اپنے ہی عمل کی جزا یا سزا پائے گا۔ لیکن باپ یا بیوی یا کسی قریبی رشتہ دار کے انتقال کے بعد اگر کوئی شخص ان کی جنازہ کی نماز پڑھتا ہے یا ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتا ہے یا ان کی طرف سے حج یا عمرہ کرتا ہے یا قربانی کرتا ہے یا صدقہ کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کی تلاوت کرکے اس کا ثواب میت کو پہونچاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اِس عمل کو قبول فرماکر میت کو اس کا ثواب عطا فرمائے گا ان شاء اللہ، خواہ میت گناہ گار ہی کیوں نہ ہو، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے میت کو ثواب نہیں ملا تو ان شاء اللہ ان اعمال کو کرنے والے کی طرف اس کا اجر پلٹ کر آئے گا، جس طرح منی آرڈر اگر پانے والے کو نہیں ملتا ہے تو بھیجنے والے کو واپس مل جاتا ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انسان کے انتقال کے بعد اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے مگر تین عمل: صدقۂ جاریہ، ایسا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور نیک لڑکے کی دعا جو وہ اپنے والد کے لئے کرے۔ (ابن ماجہ، ابن خزیمہ)

آپ ﷺ کا یہ ارشاد صرف ان مذکورہ تین اعمال کی خاص اہمیت کو بتلانے کے لئے ہے۔ اگر اس حدیث کو عام رکھا جائے تو بیٹے کی ماں کے لئے یا بھائی کی بہن کے لئے یا کسی شخص کی اپنے متعلقین اور رشتہ داروں کے لئے دعا، استغفار اور جنازہ کی نماز سب بے معنی ہوجائیں گی۔ رسول اکرم ﷺ کے ارشادات میں اس طرح کی متعدد مثالیں ملتی ہیں، جیسے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے نماز فجر اور عصر کی پابندی کرلی تو وہ جنت میں داخل ہوگیا۔ (بخاری، مسلم) اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم صرف ان دو وقت کی نماز کی پابندی کرلیں، باقی جو چاہیں کریں، ہمارا جنت میں داخلہ یقینی ہے۔ نہیں، ہرگز ایسا نہیں ہے، بلکہ نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ان دو نمازوں کی خاص اہمیت کو بتلانے کے لئے ہے کیونکہ جو ان دو نمازوں کی پابندی کرے گا وہ ضرور دیگر نمازوں کا اہتمام کرنے والا ہوگا، اور نمازوں کا واقعی اہتمام کرنے والا دیگر ارکان کی ادائیگی کرنے والا بھی ہوگا، ان شاء اللہ۔ اسی طرح اس حدیث میں ان تین اعمال کی صرف خاص اہمیت بتلائی گئی ہے۔

خلاصۂ کلام: جیسا کہ ابتداء میں تحریر کیا گیا ہے کہ شریعت اسلامیہ کا واضح حکم موجود ہونے کی وجہ سے روزمرہ کے ۸۰ فیصد پریکٹیکل مسائل میں امت مسلمہ متفق ہے، جس میں کسی طرح کا کوئی اشکال ہی نہیں ہے۔ البتہ بعض مندرجہ بالا اسباب کی وجہ سے روزمرہ کے ۲۰ فیصد پریکٹیکل مسائل میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے، جن کا نہ آج تک کوئی حل ہوا ہے اور نہ ہی حل کی بظاہر کوئی خاص امید ہے، اور نہ ہی ہمیں اِن مختلف فیہ مسائل کو حل کرنے کا مکلّف بنایا گیا ہے۔ اس کا حل کل قیامت کے روز ہی ہوگا جیسا کہ سعودی عرب کے مشہور عالم دین شیخ ڈاکٹر عائض القرنی نے ہندوستان کے حالیہ سفر کے دوران اپنی تقریر کے دوران فرمایا تھا۔

لہٰذا ہمیں اختیار ہے کہ ہم جن علماء کے ساتھ عقیدت رکھتے ہیں یا جن سے قرآن وحدیث کا علم حاصل کرتے ہیں، انہی علماء کی سرپرستی میں ان ۲۰ فیصد مسائل پر دوسری رائے کا احترام کرتے ہوئے عمل کریں، الا یہ کہ دوسری رائے شریعتِ اسلامیہ کے واضح احکامات کے خلاف ہو۔

انہی مختلف فیہ مسائل میں قرآن کریم پڑھنے کا ثواب میت کو پہونچنے کا مسئلہ ہے۔ علماء وفقہاء کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ جبکہ دوسری جماعت کی رائے ہے کہ حج، زکاۃ، قربانی اور صدقات کی طرح قرآن کریم پڑھنے کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے، ان علماء وفقہاء میں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمد ابن حنبلؒ ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کے بعض اصحاب کی رائے بھی یہی ہے کہ میت کو قرآن کریم پڑھنے کا ثواب پہنچتا ہے، جیسا کہ امام نوویؒ نے اپنی کتاب الاذکار اور امام سیوطیؒ نے اپنی کتاب شرح الصدور میں تحریر فرمایا ہے۔ امام حافظ قاضی القضاۃ تقی الدین السبکی الشافعیؒ نے اپنی کتاب "قضاء الارب فی اسئلۃ حلب" میں قرآن کریم پڑھنے کے ثواب کو میت کے لئے ہبہ کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی قرآن کریم پڑھنے کے ثواب کو میت کے لئے ہبہ کرنے کو جائز قرار دیا ہے (مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ، جزء ۲۴)۔ امام احمد بن حنبلؒ کے شاگرد امام ابوبکر المروزیؒ نے کہا ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے سنا ہے کہ جب تم قبرستان میں داخل ہو تو آیت الکرسی، پھر تین مرتبہ قل ہو اللہ احد پڑھو۔ اس کے بعد کہو کہ یا اللہ اس کا ثواب قبرستان والوں کو پہونچا۔ (المقصد الارشد فی ذکر اصحاب الامام احمد)۔ سعودی عرب کی مجلس قضاء اعلی کے سابق صدر شیخ عبد اللہ بن محمد بن حمیدؒ نے اس موضوع پر ۱۶ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ تحریر فرمایا ہے جسمیں علماء کے اقوال دلائل کے ساتھ تحریر فرمائے ہیں کہ اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب میت کو پہونچایا جاسکتا ہے۔

کیونکہ احادیث سے مالی اور مالی وبدنی مرکب عبادات میں نیابت کا واضح ثبوت ملتا ہے، جس پر ساری امت مسلمہ متفق ہے۔ رہی خالص بدنی عبادت تو متعدد احادیث سے اس میں بھی نیابت کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ نیکیوں کی بعض اقسام کو مستثنیٰ کرنے کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ نیز قرآن وحدیث میں کسی بھی جگہ قرآن کریم کی تلاوت کرکے میت کو اس کا ثواب پہونچانے سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ نیز آدمی جس طرح مزدوری کرکے مالک سے یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کی اجرت میرے بجائے فلاں شخص کو دے دو، اسی طرح وہ کوئی نیک عمل کرکے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی کرسکتا ہے کہ اس کا اجر میری طرف سے فلاں شخص کو عطا کردیا جائے۔ لہٰذا ہمیں قرآن کریم کی تلاوت کرکے اپنے مُردوں کو اس کا ثواب پہنچانا چاہئے، لیکن اس کے لئے کسی وقت کی تعیین کرنا غلط ہے، بلکہ جب بھی موقع ملے اور جتنی توفیق ہو، قرآن کریم کی تلاوت فرمائیں اور میت کو اس کا ثواب پہونچائیں اور اس کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔

واللہ اعلم بالصواب۔ محمد نجیب قاسمی سنبھلی (najeebqasmi@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم وَعَلیٰ آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْن.

امتحانات ۔۔۔ اور ۔۔ ہم ۔۔۔

تقریباً ایک ماہ سے بچوں کے امتحانات کا سلسلہ جاری ہے، بچوں کے ساتھ' والدین، بھائی بہن، و دیگر متعلقین بھی اِن امتحانات میں ہمہ تن مشغول ہیں۔ ہر شخص کی خواہش ہے کہ میرا بیٹا/بیٹی، بھائی/بہن اچھے نمبرات سے امتحانات میں کامیابی حاصل کرے ۔۔۔ کسی اچھے کورس میں اس کا داخلہ ہوجائے ۔۔۔ وغیرہ وغیرہ ۔۔۔ انہیں افکار وجد وجہد کی وجہ سے ہر شخص کی اپنی ذاتی زندگی اِن دِنوں کسی نہ کسی حد تک اِن امتحانات سے متاثر ہے۔ فیملیوں کا ملنا جلنا بھی کم ہے۔ فیملیوں کا مختلف مناسبات کی دعوتوں کو مؤخر کردیا گیا ہے۔ بس ہر شخص کی ایک ہی کوشش، جدو جہد اور دعا ہے کہ میرا بیٹا/بیٹی، بھائی/بہن' اِن امتحانات میں کامیابی حاصل کرلے تا کہ اس کا مستقبل روشن وتابناک بن جائے۔

ان امتحانات میں کامیابی کے لئے کوشش کرنا ہماری ذمہ داری ہے تا کہ ہم اور ہمارے بچے' تعلیم یافتہ ہوکر ایک اچھا مقام حاصل کرسکیں ۔۔ ایک اچھی ومہذب زندگی گزار سکیں ۔۔۔ لیکن اِن امتحانات کے ساتھ' اِن امتحانات سے بہت زیادہ اہم' ایک دوسرا امتحان بھی ہے جسکی تیاری بھی ہمیں اسی دنیاوی زندگی میں رہ کر کرنی ہے۔ اور یہ دنیاوی زندگی کب ختم ہوجائے گی، کسی کو نہیں معلوم۔ ہر شخص کا اس دنیاوی زندگی کو الوداع کہنا یقینی ہے، جس کا انکار نہ کسی نے کیا ہے، اور نہ کوئی کرسکتا ہے۔

ہم اِن امتحانات سے متاثر ہوکر اپنی دنیاوی زندگی گزارتے ہیں، ان امتحانات میں کامیابی کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ بے شمار مالی وجسمانی قربانیاں دیتے ہیں۔ اپنے راحت وآرام کو قربان کرتے ہیں، حالانکہ ہم سب کا تجربہ ہے کہ ان امتحانات میں ناکامی کے باوجود' دنیا میں کامیابی کے بے شمار راستے نکل آتے ہیں ۔۔۔ اس کی تلافی ہوجاتی ہے ۔۔۔ نیز اگر ان امتحانات میں بالکل ہی ناکام ہوجائیں،،، تب بھی دنیاوی زندگی بہر حال گزر ہی جاتی ہے، اگرچہ یہ ہمارا مطلوب نہیں ہے ۔۔۔ ہمارا مطلوب تو تعلیم حاصل کرکے دونوں جہاں میں کامیابی حاصل کرنا ہے۔

ان امتحانات میں مشغولیت کے ساتھ، ہماری یہ کوشش وفکر اور دعا ہونی چاہئے کہ ہم، ہماری اولاد، ہمارے اعزاء واقرباء اور دیگر متعلقین اخروی امتحان میں ضرور بالضرور کامیاب ہوجائیں کیونکہ اخروی امتحان میں ناکامی کی صورت میں دردناک عذاب ہے، جسکی تلافی مرنے کے بعد ممکن نہیں ہے، مرنے کے بعد آنسو کے سمندر بلکہ خون کے آنسو بہانے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یاد رکھیں کہ اگر ہم اخروی امتحان کو سامنے رکھ کر یہ دنیاوی زندگی گزاریں گے تو ہمارا ان بچوں کے امتحانات میں مشغول ہونا، ان کی تعلیم پر پیسہ خرچ کرنا، ملازمت یا کاروبار کرنا، سونا، کھانا، پینا، وغیرہ ہر عمل دنیا وآخرت دونوں جہاں کی کامیابی دلانے والا بنے گا، ان شاء اللہ۔

اخروی امتحان میں کامیابی اور ناکامی کی صورت میں کیا نتائج مرتب ہوں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ

اس کا ذکر فرمایا ہے۔ سورۃ الحاقہ کی چند آیات میں بھی اس صورت حال کا ذکر کیا گیا ہے جن کا خلاصۂ تفسیر درج ذیل ہے:

خلاصۂ تفسیر: جس روز تم خدا کے روبرو حساب کے واسطے پیش کئے جاؤ گے۔ اور تمہاری کوئی بات اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہوگی۔ پھر نامۂ اعمال ہاتھ میں دئے جائیں گے، تو جس شخص کا نامۂ اعمال اسکے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ تو جوش و مسرت میں بے ساختہ ہر ایک سے کہتا پھرے گا کہ میرا نامۂ اعمال تو پڑھو۔ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کامیاب و کامران ہو گیا۔ میرا تو پہلے ہی سے اعتقاد تھا کہ مجھ کو میرا حساب ملنے والا ہے--- غرض وہ شخص پسندیدہ عیش یعنی جنت میں ہوگا جس کے میوے اسقدر جھکے ہوں گے کہ جس حالت میں چاہے گا حاصل کر لے گا۔ اور حکم ہوگا کہ کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ ان اعمال کے صلہ میں جو تم نے دنیاوی زندگی میں کئے---

اور جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، سو وہ نہایت حسرت سے کہے گا، کاش! مجھ کو میرا نامۂ اعمال ملتا ہی نہیں، اور مجھ کو یہ خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش! میری پہلی موت جو دنیا میں آئی تھی فیصلہ کن ہوتی اور دوبارہ زندہ نہ ہوتا جس پر یہ حساب و کتاب مرتب ہوا--- افسوس! میرا مال میرے کچھ کام نہیں آیا۔ میرا سارا اقتدار (جاہ و مرتبہ) ختم ہو گیا--- ایسے شخص کے لئے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس شخص کو پکڑو، اور اس کے گلے میں طوق پہنا دو، پھر دوزخ میں اس کو داخل کر دو، پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کی پیائش ستر گز ہے اس کو جکڑ دو--- یہ شخص اللہ تعالیٰ پر جس طرح ایمان لانا ضروری تھا، ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اور خود تو کسی کو کیا دیتا، دوسروں کو بھی غریب آدمی کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا۔ سو آج اس شخص کا نہ کوئی دوست ہے اور نہ اس کو کھانے پینے کی کوئی چیز نصیب ہے، بجز اس گندے پانی کے جسمیں اہل جہنم کی پیپ لہو ریس پڑی ہوگی، جس کو گناہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا، پیتا ہوگا۔

ابھی وقت ہے۔ موت کا فرشتہ کسی بھی وقت جسم سے روح نکال سکتا ہے۔ کسی بھی لمحہ آنکھ ہمیشہ کے لئے بند ہو سکتی ہے--- روح پرواز ہونے کے بعد' ایک دفعہ حج یا عمرہ کرنے، ایک پیسہ صدقہ کرنے، ایک سجدہ یا رکوع کرنے، حتی کہ صرف ایک مرتبہ اللہ اکبر کہنے کی بھی اجازت نہیں ہوگی، کیونکہ موت پر عمل کا وقت ختم اور اعمال کے مطابق جزا وسزا کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ لہذا ہم سب یہ عزم مصمم کریں کہ ان دنیاوی امتحانات کے ساتھ' اس اخری امتحان کی تیاری کرتے رہیں گے کہ جس میں ناکامی کی صورت میں جہنم کی دہکتی ہوئی آگ ہے جو دنیاوی آگ سے ستر گنا زیادہ گرم ہے۔ اگر ہم واقعی اخروی امتحان کو سامنے رکھ کر اس دنیاوی زندگی کو گزاریں گے تو ان شاء اللہ ہمیں دنیاوی زندگی میں بھی کامیابی و راحت ملے گی، اور کل قیامت کے دن ہمارا Result ان شاء اللہ داہنے ہاتھ میں ملے گا، اور ہم کامیاب ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے آرام و سکون میں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ سے گزشتہ ایام میں ہوئی کوتاہیوں کی سچے دل سے معافی مانگیں۔ اِس وقت کا ایک قطرہ آنسو بہا کر اللہ تعالیٰ سے صدق دل سے معافی مانگنا مفید ہوگا، لیکن مرنے کے بعد آنسو کے سمندر بہانے سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دونوں جہاں میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم وَعَلٰی آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْن.

کبیرہ گناھوں سے اجتناب

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَآئِرَ مَا تُنْھَوْنَ عَنْہُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَنُدْخِلْکُمْ مُّدْخَلاً کَرِیْماً﴾ (سورۃ النساء ۳۱)۔ اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تمہیں منع کیا جاتا ہے، تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ دور کردیں گے، اور تمہیں ایک عزت کی جگہ (جنت) میں داخل کریں گے۔۔۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا وعدہ فرمایا ہے کہ جو شخص کبیرہ گناہوں (یعنی بڑے گناہوں) سے اجتناب کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے چھوٹے گناہوں کو معاف فرماکر، اس کو اپنے فضل وکرم سے جنت میں داخل فرمائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہمیں کبیرہ گناہوں (یعنی بڑے بڑے گناہوں) سے بچنا چاہئے۔ لیکن کبیرہ گناہوں سے اجتناب اور بچنے کے لئے ان کا جاننا ضروری ہے۔ لہذا کبیرہ گناہوں میں سے اُن ۴۰ گناہوں کو مختصراً لکھ رہا ہوں جن میں آجکل ہمارا معاشرہ مبتلا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کبیرہ وصغیرہ تمام گناہوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

گناہ کبیرہ کس کو کہتے ہیں: ہر اس گناہ کو کبیرہ گناہ یعنی بڑا گناہ کہتے ہیں جس سے شریعت اسلامیہ نے سختی کے ساتھ روکا ہو، یا جس کے مرتکب کے لئے دنیا میں کوئی سزا مقرر کی گئی ہو، یا آخرت میں کوئی سخت وعید سنائی گئی ہو، یا اس کے ارتکاب سے ایمان کی نفی کی گئی ہو، یا قرآن وحدیث میں اسکے لئے ملعون وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کئے گئے ہوں۔

گناہ کبیرہ کا ارتکاب: اگر کسی شخص نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرلیا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے توبہ واستغفار کرے نیز کئے ہوئے گناہ پر نادم (شرمندہ) ہوکر آئندہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے۔

سچے دل سے معافی مانگنے پر اللہ تعالیٰ بڑے سے بڑے گناہ (خواہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں) حتی کہ شرک کو بھی معاف فرمادیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: قُلْ یٰۤا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِھِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ۔ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعاً، اِنَّہُ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (سورۃ الزمر ۵۳)۔ (اے نبیؐ) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوجاؤ۔ یقیناً اللہ سارے گناہوں کو معاف کردیتا ہے۔ وہ تو بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ لیکن میرے عزیز دوستو! موت کا فرشتہ روح نکالنے کے لئے کسی بھی لمحہ آسکتا ہے۔ اُس کے بعد معافی مانگنے کا موقع میسر نہیں ہوگا۔ لہذا ابھی وقت ہے، معافی کا دروازہ کھلا ہے، فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ اور اس سے معافی مانگیں۔

گناہ کبیرہ کی تعداد ۷۰ سے بھی زیادہ ذکر کی گئی ہے، اُن ۴۰ گناہ کبیرہ کو یہاں لکھ رہا ہوں جسمیں ہمارا معاشرہ مبتلا ہے:

۱۔ شرک باللہ: اللہ کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک کرنا۔
۲۔ کسی کو ناحق قتل کرنا۔
۳۔ جادو کرنا، یا جادو کروانا۔
۴۔ سود کھانا۔
۵۔ نماز نہ پڑھنا۔
۶۔ زکاۃ ادا نہ کرنا۔
۷۔ بلاعذر رمضان کے روزے نہ رکھنا۔
۸۔ استطاعت کے باوجود حج ادا نہ کرنا۔
۹۔ والدین کی نافرمانی کرنا۔
۱۰۔ رشوت لینا یا دینا۔
۱۱۔ شراب پینا، یا کسی دوسری نشہ آور چیز کا استعمال کرنا۔
۱۲۔ زنا کرنا۔
۱۳۔ رشتے داروں سے قطع تعلق کرنا۔
۱۴۔ تکبر کرنا۔
۱۵۔ جھوٹ بولنا۔
۱۶۔ جھوٹی قسم کھانا۔
۱۷۔ جھوٹی گواہی دینا۔
۱۸۔ فحش کلامی کرنا۔
۱۹۔ جوا کھیلنا۔
۲۰۔ مال حرام طریقے سے کمانا، اور اس کا خرچ کرنا۔
۲۱۔ کسی شخص کو دھوکہ دینا۔
۲۲۔ کسی پر ظلم وستم کرنا۔
۲۳۔ چغل خوری کرنا۔
۲۴۔ خودکشی کرنا۔
۲۵۔ چوری یا ڈکیتی کرنا۔
۲۶۔ ناپ وتول میں کمی بیشی کرنا۔
۲۷۔ کسی بھی انسان مثلاً پڑوسی کو تکلیف پہونچانا۔
۲۸۔ TV اور Internet کے ذریعہ فحش مناظر دیکھنا۔
۲۹۔ پیشاب کے قطرات سے نہ بچنا۔
۳۰۔ مردوں کا (تکبرانہ) ٹخنوں سے نیچے کپڑا پہننا۔
۳۱۔ مردار یا حرام جانور کا گوشت کھانا۔
۳۲۔ کسی شخص (مثلاً یتیم) کا مال ناحق کھانا۔
۳۳۔ مسلمانوں کی تکفیر کرنا۔
۳۴۔ اللہ اور رسول کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنا۔
۳۵۔ شوہر کی نافرمانی کرنا۔
۳۶۔ عورتوں کا بے پردہ رہنا۔
۳۷۔ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا۔
۳۸۔ لواطت اور عورت کے دبر میں مباشرت کرنا۔
۳۹۔ غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کرنا۔
۴۰۔ کاہنوں اور نجومیوں کی تصدیق کرنا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو گناہ کبیرہ سے بچائے اور جو گناہ کبیرہ وصغیرہ ہم سے سرزد ہوگئے ہیں، اللہ ان کو معاف فرمائے۔ آمین۔

میرے عزیز دوستو! کبیرہ گناہ کے شبہ سے بھی ہمیں بچنا چاہئے۔

محمد نجیب سنبھلی قاسمی، ریاض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْن.

حقوق العباد (بندوں کے حقوق)

جن اہم کبیرہ گناہوں کا تذکرہ گزشتہ مضمون میں کیا گیا ہے، یا اس کے علاوہ جتنے بھی کبیرہ وصغیرہ گناہ ہیں۔ اگر ان کا تعلق حقوق اللہ (اللہ کے حقوق) سے ہے، مثلاً نماز، روزہ، زکاۃ اور حج کی ادائیگی میں کوتاہی، تب تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ معاف فرمادے گا، ان شاء اللہ۔

لیکن اگر ان گناہوں کا تعلق حقوق العباد سے ہے مثلاً کسی شخص کا سامان چرایا، یا کسی شخص کو اذیت دی، تو قرآن وحدیث کی روشنی میں تمام علماء وفقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اسکی معافی کے لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ جس بندے کا ہمارے اوپر حق ہے، اس کا حق ادا کریں یا اس سے حق معاف کروائیں، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ واستغفار کے لئے رجوع کریں۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: شہید کے تمام گناہ معاف کردئے جاتے ہیں، مگر کسی شخص کا قرضہ (مسلم)۔ یعنی اگر کسی شخص کا کوئی قرض کسی کے ذمہ ہے تو جب تک ادا نہیں کردیا جائے، وہ ذمہ میں باقی رہے گا خواہ کتنا بھی بڑا نیک عمل کرلیا جائے۔ حضرت امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ قرض سے مراد تمام حقوق العباد ہیں یعنی اللہ کے راستے میں شہید ہونے سے حقوق اللہ تو سب معاف ہوجاتے ہیں، لیکن حقوق العباد معاف نہیں ہوتے ہیں۔ (شرح مسلم)

معلوم ہوا کہ ہمیں حقوق العباد کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی پیسہ اور دنیا کا سامان نہ ہو۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نماز، روزہ، زکاۃ (اور دوسری مقبول عبادتیں) لے کر آئے گا مگر حال یہ ہوگا کہ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا یا کسی کو مارا پیٹا ہوگا تو اس کی نیکیوں میں سے ایک حق والے کو (اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی، ایسے ہی دوسرے حق والے کو اس کی نیکیوں میں سے (اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی۔ پھر اگر دوسروں کے حقوق چکائے جانے سے پہلے اس کی ساری نیکیاں ختم ہوجائیں گی تو (ان حقوق کے بقدر) حقداروں اور مظلوموں کے گناہ (جو انہوں نے دنیا میں کئے ہوں گے) ان سے لے کر اس شخص پر ڈال دئے جائیں گے، اور پھر اس شخص کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ (مسلم - باب تحریم الظلم) یہ ہے اس امتِ مسلمہ کا مفلس کہ بہت ساری نیکیوں کے باوجود حقوق العباد میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد میں بھی کوتاہی کرنے سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

محمد نجیب سنبھلی قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم وَعَلٰی آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْن.

قسم کھانے کا بیان (حلف باللّٰہ)

قرآن کریم کی آیات (سورہ مائدہ ۸۹، سورہ البقرہ ۲۲۵، سورہ آل عمران ۷۷) واحادیث شریفہ کی روشنی میں قسم کھانے سے متعلق چند ضروری واہم مسائل' علماء کرام نے اس طرح بیان فرمائے ہیں:

☆ اللہ تعالیٰ کے نام یا اس کی صفات کے علاوہ کسی بھی چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے (مثلاً تیری قسم، تیرے سر کی قسم)۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص قسم کھانا ہی چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے نام ہی کی قسم کھائے، ورنہ چپ رہے (بخاری ومسلم)۔

نیز نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھائی، گویا اس نے کفر وشرک کیا (ترمذی، ابوداؤد، صحیح ابن حبان، بیہقی، حاکم)۔ لہذا ہمیں حتی الامکان قسم کھانے سے بچنا چاہئے، اگر ہمیں قسم کھانی ہی پڑے تو صرف اللہ تعالیٰ کی قسم کھائیں۔

☆ جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے۔ مثلاً کسی شخص نے کوئی کام کرلیا ہے اور وہ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے، اور پھر جان بوجھ کر قسم کھالے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا۔ اس طرح کی جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے اور دنیا وآخرت میں وبال کا سبب ہے۔ ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرنا لازم ہے۔ جھوٹی قسم انسان کو گناہ اور وبال میں غرق کردینے والی ہے اس لئے اس قسم کو یمین غموس کہا جاتا ہے۔ یمین کے معنی قسم اور غموس کے معنی ڈبا دینے والے کے ہیں۔

☆ کسی گزشتہ واقعہ کو اپنے نزدیک سچا سمجھ کر قسم کھائے اور حقیقت میں وہ غلط ہو، مثلاً کسی کے ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ فلاں شخص آگیا ہے، اس پر اعتماد کرکے اس نے قسم کھالی، پھر معلوم ہوا کہ وہ نہیں آیا ہے۔ اسی طرح بلاقصد زبان سے قسم کے الفاظ نکل جائیں جیسے لا واللہ، بلی واللہ، قسم خدا کی۔ اس طرح کی قسم کھانے کو یمین لغو کہا جاتا ہے۔ ایسی قسم کھانے پر گناہ تو نہیں ہے، البتہ آداب گفتگو کے خلاف ہے لہذا اس طرح کی قسم کھانے سے بھی حتی الامکان بچنا چاہئے۔

☆ آئندہ زمانے میں کسی جائز کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھانے کو یمین منعقدہ کہا جاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے قسم کھائی کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا، پھر وہ کام کرلے تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

= دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانا کھلانا۔

= یا دس مسکینوں کو بقدر ستر پوشی کپڑا دینا۔

= یا ایک غلام آزاد کرانا۔

= اگر ان مذکورہ تین کفاروں میں سے کسی ایک کے ادا کرنے پر قدرت نہ ہو تو قسم توڑنے والے کو تین دن کے مسلسل روزہ رکھنے ہوں گے۔

☆ اگر کسی شخص نے ناجائز امر مثلاً نماز نہ پڑھنے کی قسم کھائی تو اس کی قسم کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، لہذا اس کو نماز پڑھنی ہی ہوگی البتہ کوئی کفارہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔

طالب دعا: محمد نجیب سنبھلی قاسمی، ریاض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن۔

نذر یعنی منت ماننے کے مسائل

نذر اپنے اوپر کچھ واجب کرنے کا نام ہے۔۔۔ شرعی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت والے کسی ایسے عمل کو جو اللہ تعالیٰ نے ضروری نہیں قرار دیا، یا کسی بھی جائز عمل کو اپنے اوپر لازم کرنے کو نذر یعنی منت ماننا کہتے ہیں، مثلاً کوئی شخص کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے ہر ماہ تین یا پانچ یا سات روزے رکھنے کی نذر مانتا ہوں۔ یا یوں کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے فلاں مرض سے شفا دیدی تو میں اتنا مال صدقہ کروں گا۔

نذر یعنی منت ماننے کا رواج پہلی قوموں میں بھی تھا حتی کہ زمانہ جاہلیت میں بھی یہ سلسلہ جاری تھا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر نذر کا تذکرہ ملتا ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرَانَ رَبِّ اِنِّی نَذَرْتُ لَکَ مَا فِی بَطْنِی مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّی (آل عمران ۳۵)

جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو کچھ ہے، اسے میں نے تیری (عبادت گاہ کی) خدمت کے لئے وقف کرنے کی نذر مانی ہے، تو میری طرف سے قبول فرما۔

فَقُوْلِی اِنِّی نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا (مریم ۲۶)

تو کہہ دینا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے نام کا روزہ نذر مان رکھا ہے۔

وَمَآ اَنْفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُہ (البقرہ ۲۷۰)

تم جتنا خرچ کرو اور جو کچھ نذر مانو اسے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے، یعنی اس پر اجروثواب دیتا ہے۔

نذر کی قسمیں :

نذر اطاعت: اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت والے اعمال مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور عمرہ وغیرہ میں سے ایسے کسی عمل کو اپنے اوپر لازم کرلینا جس کو اللہ تعالیٰ نے ضروری نہیں قرار دیا ہے۔ مثلاً کوئی شخص کہے کہ میں روزانہ ۱۰ نوافل ادا کروں گا، یا ہر ماہ سات یا آٹھ روزے رکھوں گا۔ ایسی منت کو پورا کرنا لازم ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَھُمْ (الحج ۲۹) اپنی نذروں کو پورا کرو۔ نیز نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ نَذَرَ اَنْ یُّطِیْعَ اللّٰہَ فَلْیُطِعْہُ (بخاری ومسلم)۔ جس شخص نے اللہ کی اطاعت کے لئے کوئی منت مانی تو اس کو پورا کرنا چاہئے۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ میں مسجد حرام میں ایک رات کا اعتکاف کروں، تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنی نذر کو پورا کرو (بخاری)۔ نذر پوری کرنے والوں کی تعریف خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر

فرمائی ہے: يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ ۰۰۰۰۰۰ (الانسان ۷) وہ اللہ کی اطاعت میں نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور عمرہ کی منت مانتے ہیں اور اس کو پورا کرتے ہیں...... اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نذر پوری کرنے والوں کو نیک لوگوں میں شمار کیا ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص نذر (منت) ماننے کے بعد اس پر عمل کرنے سے رکنا چاہے تو اسے قسم کے کفارہ کی طرح کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

قسم کا کفارہ: دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانا کھلانا، یا دس مسکینوں کو بقدر ستر پوشی کپڑا دینا، یا غلام آزاد کرانا۔ اگر ان مذکورہ تین کفاروں میں سے کسی ایک کے ادا کرنے پر قدرت نہ ہو تو تین دن کے مسلسل روزہ رکھنے ہوں گے۔

نذر مقید: نذر کی دوسری قسم یہ ہے کہ کسی خاص شرط کے پورے ہونے پر منت مانی جائے، مثلاً اگر میری تنخواہ میں اضافہ ہوا تو میں ۱۰۰ ریال غریب کو دوں گا۔ یا میرا فلاں کام ہوگیا تو میں ایک بکرا ذبح کروں گا۔۔۔ اس طرح کی شرط کے ساتھ نذر ماننا جائز تو ہے، البتہ شریعت اسلامیہ نے اس نوعیت کی نذر ماننے کو چند وجوہات کی وجہ سے پسند نہیں فرمایا ہے مثلاً :

☆ کبھی کبھی نذر ماننے والا منت پوری نہیں کر پاتا اور پھر گناہ گار ہوتا ہے۔ ☆ لوگوں میں یہ عقیدہ پیدا ہوتا ہے کہ نذر ماننے سے تقدیر بدل جاتی ہے۔ ☆ لوگوں میں یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ ان کی نذر کی وجہ سے یہ چیز حاصل ہوئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کی نذر کے متعلق ارشاد فرمایا: نذر ماننے سے کوئی خیر نہیں آتی، بلکہ اس کے ذریعہ صرف بخیل کا کچھ مال خرچ ہوجاتا ہے (بخاری ومسلم)۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص اس طرح کی مقید نذر مان لے تو شرط پائے جانے پر نذر کا پورا کرنا واجب ہے۔ اگر شرط پائے جانے کے باوجود کسی وجہ سے نذر پوری نہ کرسکے تو اسے قسم کے کفارہ کی طرح کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

تنبیہ: نذر مثل نماز، روزہ اور زکوۃ کے ایک عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے جیسا کہ نماز کی ہر رکعت میں ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں: اِيَّاکَ نَعْبُدُ وَاِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں)۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی بزرگ یا ولی کے نام سے نذر یعنی منت ماننا ناجائز وحرام ہے، اور اس نذر کو پورا نہ کرنا واجب اور ضروری ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ (بخاری ومسلم) اللہ کی نافرمانی میں کوئی نذر معتبر نہیں۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے کسی گناہ کرنے کی یا کسی بزرگ یا ولی کے نام سے نذر مانی تو اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کے ساتھ، اس نذر کا ختم کرنا واجب اور ضروری ہے۔ البتہ کفارہ کے وجوب میں علماء کا اختلاف ہے، احتیاط قسم کے کفارہ ادا کرنے میں ہے۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے چند نذریں مانیں، مگر اب ان نذروں پر عمل کرنا مشکل ہورہا ہے، تو وہ اپنی تمام نذروں کو ختم کرسکتا ہے۔ البتہ ایک قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا یا جتنی نذریں مانی تھیں اتنے ہی کفارے ادا کرنے ہوں گے، اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ احتیاط اسی میں ہے کہ ہر نذر کا الگ الگ کفارہ ادا کرے۔

دعاؤں کا محتاج: محمد نجیب قاسمی، ریاض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْن.

رزق کی کنجیاں

ہم سب رزق میں وسعت اور برکت کی خواہش تو رکھتے ہیں، مگر قرآن وحدیث کی روشنی میں رزق کی وسعت کے اسباب سے ناواقف ہیں۔ صرف دنیاوی جدوجہد، محنت اور کوشش پر انحصار کرلیتے ہیں۔ لہذا قرآن وحدیث کی روشنی میں رزق کی وسعت اور برکت کے چند اسباب تحریر کررہا ہوں۔۔ اگر ہم دنیاوی جدوجہد کے ساتھ ان اسباب کو بھی اختیار کرلیں، تو اللہ تعالیٰ ہمارے رزق میں کشادگی اور برکت عطا فرمائے گا، ان شاءاللہ، جو ہر شخص کی خواہش ہے :

۱) استغفار وتوبہ (اللّٰہ تعالیٰ سے گناھوں کی معافی مانگنا):

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا :

پس میں نے کہا: اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی طلب کرو۔ بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا، اور تمہارے مالوں اور اولاد میں اضافہ کرے گا، اور تمہارے لئے باغ اور نہریں بنائے گا۔ (سورۂ نوح ۱۰۔۱۲)

مفسرین لکھتے ہیں کہ سورۂ نوح کی ان آیات (۱۰۔۱۲)، سورۂ ہود کی آیت نمبر (۳)، اور آیت نمبر (۵۲) میں اس بات کی دلیل ہے کہ گناہوں کی معافی مانگنے سے رزق میں وسعت اور برکت ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کثرت سے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کی، اللہ تعالیٰ اس کو ہر غم سے نجات دیں گے، ہر مشکل سے نکال دیں گے اور اس کو وہاں سے رزق مہیا فرمائیں گے جہاں سے اس کا وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔ (مسند احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مسند حاکم)

۲) تقویٰ (اللّٰہ تعالیٰ سے ڈرتے ھوئے زندگی گزارنا):

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے (ہر مشکل سے) نکلنے کی راہ بنادیتا ہے اور اس کو وہاں سے روزی دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ (سورۂ الطلاق ۲۔۳)

۳) اللّٰہ تعالیٰ پر توکل:

توکل (بھروسہ) کے معنی امام غزالیؒ نے یوں لکھے ہیں: توکل یہ ہے کہ دل کا اعتماد صرف اسی پر ہو جس پر توکل کرنے کا دعویٰ کیا گیا ہو۔ (احیاء العلوم ۴ ۔ ۲۵۹)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے، وہ اس کو کافی ہے۔ (سورۂ الطلاق ۳)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ پر اسی طرح بھروسہ کرو جیسا کہ اس پر بھروسہ کرنے کا حق ہے تو تمہیں اس طرح رزق دیا جائے جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس پلٹتے ہیں۔ (مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)۔

یاد رکھیں کہ حصولِ رزق کے لئے کوشش اور محنت کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے، جیسا کہ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پرندوں کو بھی

حصول رزق کے لئے گھونسلے سے نکلنا پڑتا ہے۔

٤) اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے فارغ ہونا:

اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ ہم دن رات مسجد میں بیٹھے رہیں اور حصول رزق کے لئے کوئی کوشش نہ کریں بلکہ اللہ تعالی کے احکامات کو بجالاتے ہوئے زندگی گزاریں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: اے آدم کے بیٹے! میری عبادت کے لئے اپنے آپ کو فارغ کر' میں تیرے سینے کو تونگری سے بھردوں گا، اور لوگوں سے تجھے بے نیاز کردوں گا۔ (ترمذی،ابن ماجہ،مسند احمد)

٥) حج اور عمرہ میں متابعت (بار بار حج اور عمرہ ادا کرنا):

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پے در پے حج اور عمرے کیا کرو۔ بے شک یہ دونوں (حج اور عمرہ) فقر یعنی غریبی اور گناہوں کو اس طرح دور کردیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دور کردیتی ہے۔ (ترمذی، نسائی)

٦) صلہ رحمی (رشتے داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا):

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے رزق میں کشادگی چاہے،، اسے چاہئے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔(بخاری) صلہ رحمی سے رزق میں وسعت اور کشادگی ہوتی ہے۔۔۔ اس موضوع سے متعلق' حدیث کی تقریباً ہر مشہور ومعروف کتاب میں مختلف الفاظ کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات موجود ہیں۔

٧) اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا:

اللہ تعالی قرآن کریم میں فرماتا ہے: اور تم لوگ (اللہ کی راہ میں) جو خرچ کرو، وہ اس کا بدلہ دے گا، اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ (سورۂ سبا ٣٩)

احادیث کی روشنی میں علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا بدلہ دنیا اور آخرت دونوں جہان میں ملے گا۔ دنیا میں بدلہ مختلف شکلوں میں ملے گا، جس میں ایک شکل رزق کی کشادگی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: اے آدم کی اولاد! تو خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ (مسلم)

میرے عزیز بھائیو! جس طرح حصولِ رزق کے لئے ہم اپنی ملازمت، کاروبار اور تعلیم وتعلم میں جد وجہد اور کوشش کرتے ہیں، جان ومال اور وقت کی قربانیاں دیتے ہیں۔۔۔ اسی طرح قرآن وحدیث کی روشنی میں ذکر کئے گئے اِن اسباب کو بھی اختیار کریں، اللہ تبارک وتعالی ہماری روزی میں وسعت اور برکت عطا فرمائے گا، ان شاء اللہ ـــــــــــــــــــ

اللہ تعالی ہمیں اخروی زندگی کو سامنے رکھ کر یہ دنیاوی فانی زندگی گزارنے والا بنائے۔آمین۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض (najeebqasmi@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْن۔

غلط معلومات کو انٹرنیٹ کے ذریعہ رواج دینا

اِن دِنوں انٹرنیٹ کے ذریعہ کسی بھی پیغام کو Forward کرنے کا سلسلہ بڑی تیزی سے جاری ہے، چاہے ہم اس پیغام کو پڑھنے کی تکلیف گوارہ کریں یا نہیں، اور اسی طرح اس کی تحقیق کرنے کی ضرورت بھی سمجھیں یا نہیں کہ Email صحیح معلومات پر مشتمل ہے یا جھوٹ کے پلندوں پر۔ البتہ اس کو Forward کرنے میں انتہائی عجلت سے کام لیا جاتا ہے۔ جبکہ ایمیل ہمارے پاس Forward کرنے کے لئے نہیں بلکہ اصل میں پڑھنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔

کسی شخص یا کسی گروپ پر غلط معلومات پر مشتمل ایمیل کو Forward کرنا ہمارے لئے جائز نہیں ہے، خاص کر اگر وہ ایمیل دینی معلومات پر مشتمل ہو، کیونکہ اس سے غلط معلومات دوسروں تک پہونچے گی۔ مثال کے طور پر حال ہی میں ایک ایمیل بعض احباب کے پاس پہونچا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ۵ نام کسی بھی ۱۱ مسلمانوں کو بھیج دیں تو ہماری بڑی سے بڑی پریشانی حل ہوجائے گی۔۔۔۔ اسی طرح بعض احباب کے پاس ایمیل پہونچا ہے کہ فلاں ایمیل اگر اتنے احباب کو بھیج دیں تو اس سے آپ کے فلاں فلاں مسائل حل ہوجائیں گے، ورنہ مسائل اور زیادہ پیدا ہوں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ غرضیکہ اس طرح کے ایمیل کا قرآن وسنت سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ عموماً جھوٹ اور فریب پر مشتمل ہوتے ہیں۔ بعض احباب لاعلمی میں اس طرح کے ایمیل دوسروں کو Forward کردیتے ہیں۔

علومِ نبوت کے ساتھ دنیاوی علوم کو بھی حاصل کرنے کی اسلام نے ترغیب دی ہے، جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ وحی کی ابتداء اقراء یعنی پڑھنے کے لفظ سے شروع ہوئی۔ نیز نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلَی کُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَۃٍ (ابن ماجہ)۔ ہر مسلمان مرد وعورت کے لئے علم کا حاصل کرنا ضروری ہے۔

موجودہ زمانہ میں تعلیم وتعلم کے لئے انٹرنیٹ کا بھی استعمال کیا جارہا ہے، یہ بھی اللہ کی ایک نعمت ہے بشرطیکہ اس کا صحیح استعمال کیا جائے۔ مگر بعض حضرات کچھ ایمیل کی چمک دمک دیکھ کر اس کو پڑھے بغیر یا تحقیق کئے بغیر دوسروں کو Forward کردیتے ہیں۔ آج کل انٹرنیٹ پر بے شمار گروپ بھی بنے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے ایمیل کو ایک مرتبہ Forward کرنے سے ہزاروں حضرات کو پیغام پہونچ جاتا ہے۔ اب اگر غلط معلومات پر مشتمل کوئی ایمیل Forward کیا گیا تو وہ غلط معلومات لوگوں میں رائج ہوتی جائیں گی، جس کا گناہ ہر اس شخص پر ہوگا جو اس کا ذریعہ بن رہا ہے۔ لہٰذا تحقیق کئے بغیر کوئی بھی ایمیل خاص کر دینی معلومات سے متعلق Forward کرنا گناہ ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِباً اَنْ یُحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ (مسلم) آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بلا تحقیق بیان کرے۔ ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ حَدَّثَ عَنِّی حَدِیْثاً وَھُوَ یَرٰی اَنَّہُ کَذِبٌ، فَھُوَ اَحَدُ الْکَاذِبِیْنَ (مسلم) جس نے میری طرف منسوب کرکے جان بوجھ کر کوئی جھوٹی حدیث بیان کی تو وہ جھوٹ بولنے والوں میں سے ایک ہے۔

یاد رکھیں کہ انسان کے منہ سے جو بات بھی نکلتی ہے یا وہ لکھتا ہے تو وہ بات اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (سورہ ق ۱۸) انسان منہ سے جو لفظ بھی نکالتا ہے، اس کے پاس نگہبان (فرشتہ اسے لکھنے کے لئے) تیار رہتے ہیں۔

اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ غلط خبروں کے شائع ہونے کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو بہت نقصان ہوا ہے، مثال کے طور پر غزوۂ احد کے موقع پر آپ ﷺ کے قتل ہونے کی غلط خبر اڑادی گئی تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کے پیروں تلے زمین نکل گئی تھی، جس کا نتیجہ تاریخی کتابوں میں موجود ہے۔۔۔ اسی طرح غزوۂ بنو مصطلق کے موقع پر منافقین نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگا کر غلط خبر پھیلائی تھی جس سے نبی اکرم ﷺ کی شخصیت بھی متاثر ہوئی تھی۔ ابتداء میں یہ خبر منافقین نے اڑائی تھی لیکن بعد میں کچھ سچے مسلمان بھی اپنی لاعلمی کی وجہ سے اس میں شامل ہو گئے تھے۔۔۔ آخر میں اللہ تعالی نے اپنے پاک کلام میں حضرت عائشہؓ کی برأت نازل فرمائی۔۔۔ اور اس واقعہ میں اللہ تعالی نے جھوٹی خبر پھیلانے والوں کی مذمت کی جنہوں نے ایسی غلط خبر کو رائج کیا کہ جس کے ذریعہ حضرت عائشہؓ کے دامن عفت وعزت کو داغ دار کرنے کی مذموم کوشش کی گئی تھی، ارشاد باری ہے: لِكُلِّ امْرِیءٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِی تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (سورہ النور ۱۱) ان میں سے ہر ایک شخص پر اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا ہے اور ان میں سے جس نے اس کے بہت بڑے حصہ کو سر انجام دیا ہے اس کے لئے عذاب بھی بہت بڑا ہے۔

آج کل مغربی ممالک کی بعض Websites اسلام سے متعلق مختلف موضوعات پر Referrendum کراتی رہتی ہیں۔ ان Referrendum میں بعض ہمارے بھائی کافی جذبات سے شریک ہوتے ہیں، اور اپنی صلاحیتوں کا ایک حصہ اس میں لگا دیتے ہیں۔ میرے عزیز دوستو! عموماً اس طرح کی تمام Websites اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کے لئے ہی استعمال کی جاتی ہیں، ان پر کوئی توجہ نہیں دینی چاہئے، جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوا اَنْ تُصِيْبُوا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ (سورۂ الحجرات ۶) اے ایمان والو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذاء پہنچا دو، پھر اپنے کئے پر پچھتاؤ۔ نیز اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِيْنَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِی الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ (سورۂ النور ۱۹) جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے خواہاں رہتے ہیں، ان کے لئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے — جتنا ہی دباؤ گے اتنا ہی وہ ابھرے گا

خلاصۂ کلام:

چونکہ انٹرنیٹ بھی اللہ تعالی کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، اس کو ہمیں اپنے شخصی وتجارتی مراسلات کے ساتھ' زیادہ سے زیادہ دین اسلام کی تبلیغ اور علوم نبوت کو پھیلانے کے لئے استعمال کرنا چاہئے۔ لہذا اگر صحیح دینی معلومات پر مشتمل کوئی ایمیل متند ذرائع سے آپ تک پہونچے تو آپ اس ایمیل کو پڑھیں بھی، نیز دوست واحباب اور گروپ کو بھی Forward کریں تا کہ اسلام اور اس کے تمام علوم کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو سکے۔ لیکن اگر آپ کے پاس ایمیل غیر معتبر ذرائع سے پہونچے تو اس ایمیل کو بغیر تحقیق کئے Forward نہ کریں۔

محمد نجیب قاسمی، ریاض (najeebqasmi@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن۔

مصنف کا تعارف

مولانا محمد نجیب قاسمی صاحب کا تعلق سنبھل ضلع مرادآباد (یوپی) کے علمی گھرانے سے ہے، ان کے دادا مشہور و معروف محدث، مقرر اور مجاہد آزادی مولانا محمد اسماعیل سنبھلیؒ تھے، جنہوں نے مختلف اداروں میں تقریباً ۱۷ سال بخاری شریف کا درس دیا۔

موصوف نے اپنی ابتدائی تعلیم سنبھل میں ہی حاصل کی چنانچہ مڈل اسکول پاس کرنے کے بعد عربی تعلیم کا آغاز کیا۔ دریں اثناء ۱۹۸۶ء میں یوپی بورڈ سے ہائی اسکول بھی پاس کیا۔ ۱۹۸۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے دوران یوپی بورڈ سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان Ist Division سے پاس کیا۔ ۱۹۹۴ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد موصوف نے ۱۹۹۸ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ (نیو دہلی) سے BA (Arabic) کے امتحان میں امتیازی نمبرات (Ist Division with Distinction and 2nd Position) سے کامیابی حاصل کی۔ نیز دہلی کے قیام کے دوران جامعہ ملیہ اسلامیہ سے ترجمہ کے دو کورس (Diploma & Advance Diploma in Modern Arabic Language & Translation) کرنے کے علاوہ Secretarial Practice اور Computer Operating کے مختلف کورس کئے۔ دہلی یونیورسٹی سے MA (Arabic) کیا۔

۱۲ سال سے ریاض (سعودی عرب) میں برسرِ روزگار ہیں۔ سعودی عرب میں حصول روزگار کے ساتھ ساتھ دو کتابیں (حج مبرور اور حی علی الصلاۃ) تحریر کیں، جن کے PDF نسخے www.deeneislam.com پر موجود ہیں۔ تقریباً ۷ سال سے Hajj Orientation Programme بھی منعقد کر رہے ہیں اور وقتاً فوقتاً مختلف موضوعات پر مضامین انٹرنیٹ پر Circulate کرتے رہتے ہیں، یہی مضامین اس وقت آپ کے سامنے E-Book کی شکل میں پیش ہیں۔

موصوف جامعہ ملیہ اسلامیہ (نیو دہلی) سے پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد خان ندوی صاحب کی نگرانی میں (الجوانب الادبیہ والبلاغیہ والجمالیہ فی الحدیث النبوی من الصحیحین) کے موضوع پر PhD کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ موصوف کو خلوص کے ساتھ دین اسلام کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

محمد سلیم (MA, MPhil)، ریاض

ولد مولانا محمد شمیم قاسمی مرحوم (سابق شیخ الحدیث مدرسہ حسین بخش، دہلی)